سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کے مواعظ حسنہ کا مجموعہ
مواعظ
ناشر
کتب خانہ ماہ طیبہ
کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ
نگار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدیر "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

کے مزید بارہ ۱۲ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

المسمّٰی بہٖ

واعظ

(دوسرا حصّہ)

واعظ کے پہلے حصّہ میں بارہ وعظ گزر چکے اور اس دوسرے حصّہ میں مزید بارہ نئے وعظ ہیں

اِن وعظوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ظلمت کدہ عالم میں نورانی تشریف آوری۔ اور حضور کے فیوض و برکات۔ فضائل و کمالات۔ اور محفلِ میلاد شریف کی اہمیت و عظمت اور اس کا جواز و ثبوت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی کی ضرورت اور حضور کے اوصافِ جلیلہ کے مفصل بیان کے علاوہ۔ ذکر الٰہی کی برکت و کفرانِ حق کے مہلک نتائج اور اولیاء کرام کی بلند و بالا شانوں کا بھی مفصل ذکر ہے۔ علاوہ ازیں رمضان شریف اور دونوں عیدوں کا بھی مفصل بیان ہے اور آخری وعظ حضرات امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی مفصل شہادت پر مشتمل ہے۔ ان وعظوں میں اہل سنت کی تائید اور مخالفین کی تردید بڑے مدلل اور حسن پیرائے میں کی گئی ہے اور قرآن و حدیث اور ارشاداتِ سلف کے ساتھ ساتھ سبق آموز حکایات و نتیجہ لطائف بھی سنائے گئے ہیں۔

ناشر

کتب خانہ "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

قیمت پانچ روپے
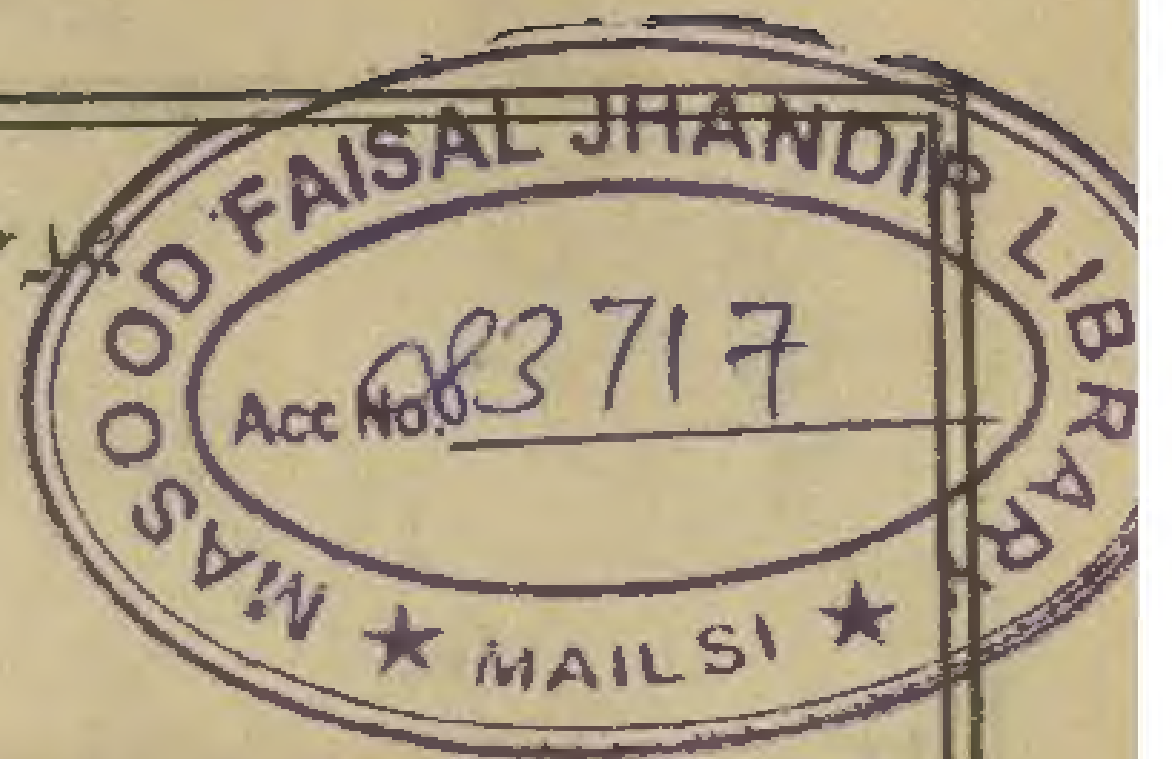
مُصنّف

سُلطان الواعظین مولانا ابُوالنّور محمّد بشیر صاحب مدیر ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں

مہتمم

صاحبزادہ عطاء المصطفےٰ جمیل و صاحبزادہ ضیاء المصطفےٰ

ایڈیشن پہلا

مطبع

اشرف پریس - ایبک روڈ۔ انارکلی لاہور

قیمت

پانچ روپے

منگوانے کا پتہ

کتب خانہ "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَیْکُمْ بِمُجَالَسَۃِ الْعُلَمَآءِ وَاسْتِمَاعِ کَلَامِ الْحُکَمَآءِ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحْیِی الْقَلْبَ الْمَیِّتَ بِنُوْرِ الْحِکْمَۃِ کَمَا یُحْیِی الْاَرْضَ الْمَیْتَۃَ بِمَاءِ الْمَطَرِ۔

(منبہات ابن حجر ص۵)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لازم پکڑو تم علماء کے پاس بیٹھنا اور حکیموں کا کلام سننا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ مرے ہوئے دل کو حکمت کے نور کے ساتھ اس طرح زندہ فرماتا ہے جیسے مری ہوئی زمین کو مینہ کے پانی کے ساتھ زندہ فرما دیتا ہے۔

ع

جانور فربہ ہو راہِ نوش سے
آدمی فربہ ہو راہِ گوش سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ ـــ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ؕ

پہلی نظر

کتاب" واعظ "کو خدا کے فضل اور اس کے حبیب کے صدقہ میں کچھ ایسی ہمہ گیر قبولیت حاصل ہوئی ہے. کہ جس کسی نے اُس کی چند سطریں بھی پڑھ لیں۔ وہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اور اُسے منگوائے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس کے پڑھنے والوں نے اس کی تعریف و تحسین میں جو متعدد خطوط دفتر میں بھیجے ہیں، ان میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے. کہ اپنے موضوع کی یہ ایک لاجواب اور بےمثل کتاب ہے۔

" اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ " کے مطابق میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہوں .کہ کتاب " واعظ" عوام و خواص میں قابلِ رشک طور پر مقبول ہو چکی ہے ۔ اور آج آپ اکثر شعلہ بیان مقررین، اور جادُو اثر واعظین کے مواعظ و تقاریر کو اسی کتاب " واعظ" کے مطالعہ کا خوش کن نتیجہ پائیں گے ۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ اکثر خطباء و مقررین اور امامانِ مساجد نے اس کتاب کو منگوا کر اس سے کافی استفادہ فرمایا ہے۔ اور وہ اپنے "جمعوں" " جلسوں". اور دیگر دینی اجتماعات میں اسی کتاب کے مواعظ سنا کر خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں.

اور یہ سب صدقہ ہے حضور محسنِ اعظم سرور عالم صلے اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ منبع البرکات کا، کہ جن کی محبت و الفت کا درس دینے والے ہر واعظ کی زبان میں کچھ ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے. کہ جو بھی اُسے سنتا ہے ۔ وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے. کتاب " واعظ" کا بھی چونکہ بنیادی موضوع اور

مرکزی نقطہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و سلم کی محبت و اطاعت ہی ہے۔ اس لئے اس پیارے موضوع کی بدولت یہ کتاب بھی ہر ایک کے لئے "پیاری کتاب" بن چکی ہے۔ ؎

مَا اِنْ مَّدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَّدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

"واعظ" کے ہزاروں پڑھنے والوں میں سے اکثر احباب کا زبانی بھی، اور بذریعہ خطوط بھی یہ اصرار تھا۔ کہ "واعظ" کے ان بارہ وعظوں کے علاوہ مزید اور وعظ بھی مرتب کئے جائیں۔ اور انہیں واعظ کے "دوسرے حصہ" کے نام سے شائع کیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کے لئے دینی و مذہبی معلومات حاصل کرنے اور اپنے دلائل پر مطلع ہونے کا ایک اور مفید ذریعہ ہاتھ آجائے۔ اور واعظین و مقررین کے لئے مزید سرمایۂ تبلیغ مہیا ہو جائے۔ میں چونکہ بیحد عدیم الفرصت رہتا ہوں۔ "ماہ طیبہ" کی ترتیب و ترسیل ہی کا ایک اتنا بڑا کام ہے۔ کہ اسی سے فراغت نہیں پاتا۔ علاوہ ازیں احباب کے اصرار پر مختلف جلسوں میں شرکت کرنے کے لئے باہر بھی جانا پڑتا ہے۔ اس لئے اپنی اس عدیم الفرصتی کے باعث میں واعظ کا یہ دوسرا حصہ جلدی مرتب نہ کر سکا۔ تاہم میری یہ خواہش ضرور رہی۔ کہ واعظ کا دوسرا حصہ بھی جلدی اشاعت پذیر ہو جائے۔ الحمدُللہ! کہ آج احباب کرام کا یہ شوق پورا ہو رہا ہے۔ اور کتاب واعظ کا یہ دوسرا حصہ بھی میں ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ جس میں بارہ نئے۔ مفید اور دلچسپ وعظ درج ہیں۔ اور پہلے حصہ کے وعظوں کی طرح یہ بھی مدلّل اور باحوالہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و سلم کے صدقہ میں پہلے حصہ کی طرح یہ حصہ بھی قبولیتِ عامہ حاصل کرے گا۔

ابُوالنُّور محمّد بشیر

فہرست مضامین

"واعظ" کے پہلے حصہ میں بارہ وعظ گزر چکے اور اب یہ دوسرا حصہ تیرہویں وعظ سے شروع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ باری تعالیٰ

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا ‏ وصف کیا خاک لکھے خاک کا پُتلا تیرا
طُور ہی پر نہیں موقوف اجالا تیرا ‏ کون سے گھر میں نہیں جلوہ زیبا تیرا
کیا خبر ہے کہ علی العرش کے معنی کیا ہیں ‏ کہ ہے عاشق کی طرح عرش بھی جویا تیرا
ہیں ترے نام سے آبادی و صحرا آباد ‏ شہر میں ذکر ترا دشت میں چرچا تیرا

اب جما تا ہے حسنؔ اس کی گلی میں بستر
خوبرویوں کا ہے محبوب ہے پیارا تیرا

نعتِ رسُول
صلی اللہ علیہ وسلم

جن و انسان و ملک کو ہے بھروسا تیرا ‏ سرورا! مرجع کل ہے درِ والا تیرا
دہر میں آٹھ پہر بٹتا ہے باڑہ تیرا ‏ وقف ہے مانگنے والوں پہ خزانہ تیرا
یہ نہیں ہے کہ فقط ہے یہ مدینہ تیرا ‏ تو ہے مختارِ دو عالم پہ ہے قبضہ تیرا
عملِ نیک کہاں نامۂ بدکاراں میں ‏ ہے غلاموں کو بھروسہ مرے آقا تیرا

اونچے اونچوں کو ترے سامنے ساجد پایا
کس طرح سمجھے کوئی رتبۂ اعلیٰ تیرا

(مولانا حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مدحِ چار یار

رضی اللہ عنہم

تھا شبِ ہجرت محمد کا رفیقِ کار کون؟
ہے سوائے حضرتِ صدیق یارِ غار کون؟
کس کو ربِّ دو جہاں نے یاد اتقیٰ سے کیا؟
ہے سراپا پیکرِ قربانی و ایثار کون؟

شان میں کس کی اشداء علی الکفار ہے
یعنی ہے فاروق سا وہ قاتلِ کفار کون؟
گوشہ گوشہ میں جہاں کے جس نے کی تبلیغ دیں
امتِ مرحوم کا ہے وہ سپہ سالار کون؟
کنجیاں بیت المقدس کی ملیں جس کو معًا
یعنی تھا وہ جانشینِ سیدِ ابرار کون؟

رشک کرتے ہیں ملک جس کی حیا و حلم پر
وہ بجز عثماں ہے ایسا دین کا سردار کون؟
کوئی بتلائے کہ ذی النورین ہے جس کا لقب
یعنی ہے ایسا وہ دامادِ شہِ ابرار کون؟

مرحب و عنتر کا قاتل کون ہے اے مدعی!
بہرِ حق انصاف کر ہے حیدرِ کرار کون؟
مدحِ یارانِ نبی کی مے کے ساغر سے صبا
دیکھنا یہ ہے نہیں ہوتا یہاں سرشار کون؟

کتابُ واعظ کا دُوسرا حِصّہ

کتاب واعظ کے پہلے حصّہ میں بارہ ۱۲ وعظ گزر چکے۔ اور
اب یہ دوسرا حصّہ تیرھویں ۱۳ وعظ سے شروع ہوتا ہے'

تیرھواں ۱۳ وعظ

اِحسانِ عظیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ؕ وَالصَّلٰوۃُ وَ
السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ
فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (پ۴ ع ۸) بیشک

اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر، کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے ۔ (کنزالایمان)

حضرات! آج میں چاہتا ہوں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس جہان میں تشریف آوری کے متعلق کچھ بیان کروں۔ اور حضور کی ولادت طیبہ کا ذکر کروں۔ اور آج کی اس محفل پاک کا مقصد ہی یہ ہے۔ کہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ پاک سنا اور سنایا جائے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسی محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں۔ اور حضور کا ذکر خیر سنتے اور سناتے ہیں۔

مسلمانو! یہ جو ہمارے منہ میں زبان ہے۔ اس کے متعلق ایک شاعر نے بڑا ہی اچھا اور ایمان افروز شعر کہا ہے۔ آپ بھی اسے سنیں گے۔ تو یقیناً محظوظ ہوں گے۔ شاعر لکھتا ہے کہ

منشا یہی ہے سلسلۂ قیل و قال کی

یعنی یہ جو ہمارے منہ میں زبان ہے۔ اور اس سے ہم گفتگو و کلام کر لیتے ہیں۔ تو اللہ نے یہ زبان اور اس سے کلام و گفتگو کرنے کی طاقت کیوں بخشی؟ اس قیل و قال اور کلام و گفتگو کی آخر منشا کیا ہے؟ تو شاعر نے

اس کا جو جواب لکھا ہے۔ وہ بڑا ہی ایمان افروز ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

منشا یہی ہے سلسلۂ قیل و قال کی
ہوتی رہے شمار ترے حُسن و جمال کی

یعنی یارسول اللہ! یہ زبان و سلسلۂ کلام و گفتگو اسی لئے عطا فرمایا گیا ہے۔ کہ اس زبان سے آپ ہی کے حسن و جمال کا ذکر اور آپ ہی کی سیرت و صورت کا بیان ہوتا رہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھی بات فرمائی ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے شاعروں کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ شاعری ہو۔ تو ایسی ہو۔ ورنہ آج کل کی شاعری تو سرتاپا تضییعِ اوقات کا موجب اور خرافات ہی کا پلندہ ہوتی ہے۔ اور ایک شاعر ہی نے جس کا نام حالی ہے۔ اپنے مسدس میں اس قسم کے شاعروں کے متعلق لکھا ہے کہ ؏

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

ہاں تو بھائیو! آج مجھے ذکر رسول کرنا ہے۔ اور سرکار ابد قرار حضور احمد مختار صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا بیان سنانا ہے۔ ذرا شوق سے پڑھئے تو ؎

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ——— صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
ان کے ظہورِ پاک کا یوم سعید آج ہے!
منتظرانِ دید کو مژدۂ دید آج ہے!
رحمتِ حق کی خلق کو عام نوید آج ہے!
عید اسی کی ہے طفیل اصل میں عید آج ہے!
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ——— صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ذکرِ رسولِ پاک سے دل میں تڑپ ہے جوش ہے!
باعثِ راحتِ زباں وجہِ نشاطِ گوش ہے
محو ہے اس میں جو کوئی صاحبِ عقل و ہوش ہے
حیف جو ایسے ذکر سے کوئی زباں خموش ہے
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ——— صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خضرِ طریقِ معرفت ہے تو انہیں کا ہے کلام

راحتِ روح اُن کا ذکر قوتِ قلب اُن کا نام
خاتمہ ان کے نام پر ہے یہی حسنِ اختتام
اُن پر درود رات دن ان پہ سلام صبح و شام
صلِّ علٰے محمدٍ ـــــ صلِّ علٰے محمدٍ

مسلمانو! آپ نے قرآن پاک کی آیت شریفہ سنی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بہت بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں پر اپنا وہ احسان جتایا ہے اور وہ اللہ کا احسانِ عظیم حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ اور آپ کی تشریف آوری ہے۔

اللہ تعالےٰ کی بیشمار نعمتیں

میرے بھائیو! پہلے یہ بات سن لو۔ کہ خدا تعالیٰ کی ہم پر بے شمار نعمتیں ہیں۔ اور اس کی ایک ایک نعمت اتنی گراں قدر اور بے مثل ہے۔ کہ ہزاروں، کروڑوں روپے خرچ کرنے پر بھی اس جیسی نعمت نہیں مل سکتی۔

ایک بزرگ کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے پاس ایک سائل آیا اور سوال کرتے ہوئے کہنے لگا۔ جناب! میں بڑا مفلس و نادار ہوں۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ اور کچھ دیجئے۔ اس بزرگ نے سائل سے فرمایا۔ کہ کیا واقعی تم نادار ہو؟ وہ بولا ہاں صاحب بالکل نادار ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم خدا کی ناشکری کر رہے ہو۔ اور غلط کہتے ہو۔ کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں۔ وہ بولا۔ جناب میں ناشکری نہیں کر رہا۔ اور غلط نہیں کہہ رہا۔ سچ کہہ رہا ہوں۔ کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اُس بزرگ نے فرمایا۔ اچھا تو مجھ سے پانچ سو روپیہ نقد لے لو۔ تم اپنا ایک ہاتھ کاٹ کر مجھے دے دو۔ سائل نے کہا۔ صاحب! میں یہ سودا کرنے کو تیار نہیں۔ کہ آپ کو پانچ سو کے بدلے اپنا ایک ہاتھ دے دوں۔ روپیہ تو چند دنوں میں ختم ہو جائے گا۔ مگر میں عمر بھر کے لئے بیکار ہو جاؤں گا۔ بزرگ نے فرمایا۔ اچھا ایک ہزار لے لو۔ اپنی ایک ٹانگ ہی کاٹ کر دے دو۔ وہ بولا۔ جناب آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں میں آپ سے ہزار لے لوں۔ اور ٹانگ دے کر ہمیشہ کے لئے لنگڑا بن جاؤں۔ یہ

کب ممکن ہے۔ مہربانی فرمائیے۔ اور ایسی گفتگو نہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا دو ہزار نقد لے لو۔ اپنی ایک آنکھ ہی نکال کر دے جاؤ۔ سائل نے کہا۔ میں سمجھ گیا۔ آپ کچھ دینا نہیں چاہتے۔ جبھی اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ کون بیوقوف ہے۔ جو آپ کو دو ہزار کے لالچ میں اپنی آنکھ نکال دے گا۔ تسبلہ! اگر آپ کچھ دے سکتے ہیں۔ تو دیجئے۔ ورنہ صاف جواب دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تو تجھے یہ سمجھانا مقصود تھا۔ کہ آئندہ یہ کبھی نہ کہنا۔ کہ میں نادار ہوں۔ اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ بے وقوف دو ڈھائی ہزار کا تو یہی تمہارے پاس مال ہے۔ جو تم کسی قیمت پر بھی دینا نہیں چاہتے اور اسی طرح باقی دوسری اللہ کی عطا فرمودہ نعمتوں کی قیمت تو اگر اندازہ لگاؤ تو کروڑوں روپوں سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔ پھر اس قدر گراں قدر اور انمول نعمتیں اللہ سے پاکر یوں کہنا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ کیا یہ اللہ کی ناشکری نہیں؟ بیوقوف! سوال اگر کرنا ہے۔ تو کرو۔ مگر یہ مت کہو۔ کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ یہ سن کر وہ سائل بڑا شرمندہ ہوا۔

دیکھا آپ نے اس بزرگ نے کس حکمت سے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ ہمیں کبھی اللہ کی ناشکری نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں لاکھوں نعمتیں ہیں ہم پر۔ جو بن مانگے اور بن قیمت کے اس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہم پر فرمائی ہیں۔ پس ہمیں ہر حال میں اس کا شکر کرنا چاہیئے ؎

نعمتیں اللہ کی ہیں تجھ پر بڑی
شکر کرتا رہ اے بندے ہر گھڑی

ایک اپاہج بزرگ

علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب نزہۃ المجالس میں ایک اپاہج اور نابینا بزرگ کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک روز ایک ایسے شخص پر ہوا جو نابینا بھی تھا۔ اور اپاہج بھی۔ مگر وہ اپنی زبان سے یوں کہہ رہا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلٰی بِهٖ کَثِیْرًا مِّنْ خَلْقِهٖ۔

یعنی اس خدا کا شکر ہے۔ جس نے مجھے اس آزمائش سے عافیت عطا فرمائی۔ جس میں اس نے اپنی بہت سی مخلوق کو مبتلا کر رکھا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کیوں صاحب! وہ کونسی آزمائش ہے جس سے اللہ نے آپ کو بچا رکھا ہے۔ وہ بولا! اے اللہ کے نبی! میں ان لوگوں سے بہت اچھا ہوں۔ جن کے دل معرفت الٰہی سے خالی ہیں۔ میں اس کا جس قدر بھی شکر کروں کم ہے۔ کیونکہ میرا دل اس کی معرفت سے معمور ہے (ص۴۵ ج۱)

سبحان اللہ! کیا عارفانہ درس ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہرحال شکر لازم ہے۔ ہر شخص یہ دیکھے۔ کہ بہت سی مخلوق ایسی ہے۔ جو اس سے کمتر ہے اور یہ اس سے بہتر ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نماز جمعہ ادا کرنے جامع مسجد میں گئے۔ تو آپ کے جوتے کسی نے چرالئے۔ آپ فرماتے ہیں، کہ میں نے جب اپنے ننگے پیر دیکھے۔ تو رنج ہوا۔ لیکن اسی وقت میں نے ایک ایسا شخص بھی دیکھا۔ جس کے دونوں پیر ہی نہ تھے۔ میں یہ دیکھ کر فوراً سجدے میں گر گیا۔ اور اللہ کا شکر کیا۔ کہ الحمد للہ میرے جوتے ہی گئے ہیں۔ پیر تو سلامت ہیں۔

جذبۂ شکر

مسلمانو! خوب یاد رکھو۔ کہ دنیوی سازو سامان اور مال و متاع کی طرف جب دیکھو۔ تو کبھی ان لوگوں کی طرف نہ دیکھو جو آپ سے زیادہ مالدار اور امیر ہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی طرف دیکھو۔ جو دولت میں آپ سے کم ہیں۔ مثلاً آپ کی تنخواہ اگر ایک سو روپیہ ہے۔ تو آپ ان لوگوں کی طرف نظر نہ کریں۔ جن کی تنخواہ پانچ سو ہے۔ اس طرح پھر ناشکری کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ہاں ان لوگوں کی طرف دیکھیں۔ جن کی تنخواہ بیس یا پندرہ روپے ماہانہ ہے۔ اس طرح خدا کا شکر کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ایک صاحب پالکی میں بیٹھے ہوئے چار مزدوروں کے کندھوں پر سوار جا رہے ہوں۔ تو آپ اس پالکی میں سوار کو نہ دیکھیں۔ بلکہ ان اٹھانے والے چار مزدوروں کو دیکھیں۔ اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ کہ اگر میں وہ پالکی میں بیٹھا ہوا امیر نہیں ہوں۔ تو اللہ کا شکر ہے۔ کہ ان مزدوروں میں سے بھی نہیں ہوں۔ جنہوں نے اپنے کندھے پر پالکی کو اٹھا رکھا ہے۔

یہ تو ہوا دنیوی مال و متاع کا قصہ۔ اور جب کبھی آپ اپنی عبادت نماز روزہ وغیرہ کا خیال کریں۔ تو کبھی ان لوگوں کی طرف نہ دیکھیں۔ جو عبادت کے

معاملہ میں سست اور غافل ہیں۔ بلکہ ان کی طرف دیکھیں۔ جو آپ سے بھی زیادہ عابد و ذاکر ہیں۔ مثلاً آپ اگر پانچ نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ تو آپ ان لوگوں کی طرف نہ دیکھیں۔ جو نماز پڑھتے ہی نہیں۔ یا پڑھتے تو ہیں۔ مگر پوری نہیں پڑھتے اس طرح آپ کے دل میں غرور و فخر پیدا ہوگا۔ اور عبادت ضائع ہو جائیگی۔ ہاں ان لوگوں کی طرف دیکھیں۔ جو آپ سے بھی زیادہ متقی و عابد ہیں۔ آپ اگر پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ تو وہ چھٹی نماز، نماز تہجد بھی باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں، اس طرح آپ کے دل میں تواضع و انکسار پیدا ہوگا۔ اور خدا کی رحمت کے آپ مستحق ہو جائیں گے۔ مختصر یہ کہ دنیوی مال و متاع کا معاملہ ہو۔ تو اوپر نہ دیکھئے نیچے دیکھئے اور دینی عبادت و معرفت کا معاملہ ہو۔ تو نیچے نہ دیکھئے اوپر دیکھئے۔

تندرستی

میرے بھائیو! اللہ کی نعمتوں کا بھی کوئی شمار ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ۱۳ ع ۱۷)

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو۔ تو شمار نہ کر سکو گے؛

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت تندرستی ہی دیکھئے، کہ کس قدر بڑی نعمت ہے۔ غور فرمایئے۔ کہ جب کبھی مثلاً پیٹ میں درد ہی شروع ہو جائے تو انسان کس قدر بے چین ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت وہ بڑے سے بڑے ڈاکٹر کو بھی بلانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور چاہے سینکڑوں روپے بھی علاج پر خرچ ہوتے ہوں۔ وہ خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ درد کی حالت میں وہ چاہتا ہے کہ ہزار روپیہ بھی کوئی لے لے۔ مگر مجھے اس درد سے نجات دے دے۔ اور مجھے وہی صحت مل جائے۔ جو مجھے حاصل تھی۔ اب اس موقعہ پر ذرا غور سے کام لیجئے۔ اور سوچئے کہ یہ جو ہم تندرستی کے عالم میں رہتے ہیں۔ اس تندرستی کا ایک ایک لمحہ کس قدر قیمتی اور گراں قدر ہے۔ کہ اس زمانۂ تندرستی میں اگر ایک دو گھنٹے بیماری کے آ حائل ہوں۔ تو وہ دو گھنٹے کس قدر شاق اور تکلیف دہ نظر آتے ہیں۔ اور ہم ہزاروں روپے بھی خرچ کر کے ان ایک دو گھنٹوں کو اپنی صحت و تندرستی کی راہ سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ تو یہ ہر وقت جو ہمیں تندرستی حاصل رہتی ہے۔ اس

وقت کا ایک ایک لمحہ گویا ہزاروں، لاکھوں کی قیمت کا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے ہزاروں، لاکھوں لمحے ہمیں حاصل ہیں۔ جو بغیر کسی خرچ کے اللہ نے ہمیں عطا فرما رکھے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ عمر بھر میں جو ہمیں تندرستی حاصل رہی۔ اس تندرستی کا ہی اگر ہم شکریہ ادا کرنا چاہیں۔ تو خدا کی قسم عمر بھر میں ہم صرف یہی ایک شکریہ کما حقہ ادا نہیں کر سکتے۔ اور سنیئے!۔

سانس یہ جو ہم سانس لیتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ اگر سانس اندر کو کھینچ لیں۔ مگر یہ سانس پھر باہر نہ نکل سکے۔ تو ہماری موت۔ اور اگر سانس باہر تو نکال لیں۔ لیکن پھر اندر نہ کھینچ سکیں۔ تو بھی ہماری موت۔ گویا ایک ایک سانس بھی جو ہم لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی گراں قدر اور بیش قیمت نعمت ہے۔ اور اگر ہم ایک ایک سانس میں اس کی ایک ایک سانس ہی کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیں۔ تو عمر بھر اسی ایک نعمت ہی کا شکریہ پورا ادا نہیں کر سکتے۔ پھر جو اس کی دوسری بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کر سکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مرغی کا شکر ادا کرنا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ مرغی پانی پیتی ہے۔ تو ایک ایک گھونٹ کے بعد اپنا منہ اوپر اٹھا کر پانی دینے والے مولا کا شکریہ ادا کرتی جاتی ہے۔ مگر افسوس! غافل انسان پر کہ اسکا لاکھوں من غلہ اور ہزاروں ٹن پانی کھا پی گیا۔ مگر کبھی اس نے اپنے خالق و مالک کا شکریہ ادا نہ کیا۔

کیوں صاحب! کیا کبھی تہذیب نو کے پروردہ کو کھانا کھانے کے بعد آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَ سَقَانِیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ — یقیناً نہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ پھر کیا یہ انتہائی غفلت و ناعاقبت اندیشی ہوئی۔ یا نہ؟ لوگو! اللہ کا شکر ادا کرو۔ خدا فرماتا ہے وَاشْکُرُوْلِیْ وَ لَا تَکْفُرُوْنَ۔ میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ اور کفر نہ کرو۔ اور خدا تعالیٰ اتنا بڑا مہربان ہے۔ کہ جو اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس پر وہ مزید مہربانیاں فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ یعنی اگر تم

شکر کروگے۔ تو میں اور زیادہ دوں گا۔"

سبحان اللہ! کیا شانِ کرم ہے۔ افسوس کہ آج ہم اپنے اسلامی اسباق کو بھول بیٹھے ہیں۔ ورنہ بہت سی مشکلات جو آج ہمارے درپیش ہیں۔ یہ پیدا ہی نہ ہوتیں۔ ؎

درسِ قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

احسانِ عظیم

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر بیشمار نعمتیں ہیں۔ اور ایسی نعمتیں کہ جن کی عظمت وقیمت کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ مگر اے مسلمانو! قرآن سارا پڑھ جاؤ۔ آپ کو کہیں بھی یہ نہ ملے گا۔ کہ کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی نعمت کو لفظ احسان کے ساتھ بیان فرما کر اپنا احسان جتایا ہو۔ کہ ہم نے تم پر یہ احسان کیا کہ تم کو دو ہاتھ دیئے۔ تم پر احسان کیا۔ کہ تم کو دو آنکھیں دیں۔ تم پر احسان کیا۔ کہ تمہیں دو ٹانگیں دیں۔ تمہیں زندگی دی۔ تمہیں عقل دی یہ نعمت دی اور وہ نعمت دی۔ قرآن پاک میں کہیں کسی نعمت کو لفظ احسان کے ساتھ جتایا نہیں گیا۔ ہاں ہاں میرے بھائیو! صرف ایک ہی ایسی نعمت ہے اور ایک ہی اس کا ایسا عطیہ ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے لفظ احسان کے ساتھ ذکر فرما کر اس احسان کو جتایا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ مسلمانوں تم پر میں نے یہ احسان فرمایا۔ وہ کونسا احسان ہے؟ اور کس احسان کو اللہ نے جتایا ہے؟ تو سنئے! وہ احسانِ عظیم حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ اور آپ کی تشریف آوری ہے۔ یہ آیت جو میں نے ابتدائے وعظ میں آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ مسلمانوں پر یہ میرا احسان ہے۔ کہ میں نے اُن میں اپنا محبوب بھیج دیا۔ ؎

وہ نعمت اپنے بندوں پر ہوتی ہے ربّ اکرم کی
چمک اٹھا مقدر۔ جاگ اٹھی تقدیر عالم کی
جلو میں انبیائے ذی حشم بھی ہیں ملائک بھی!
سواری آرہی ہے کس شہنشاہِ معظّم کی!

ادب سے سر جھکا لو آسماں والو زمیں والو
سواری آتی ہے خیر البشر کی فخرِ آدم کی

اے خداوند دو عالم! تیرا شکر کس زبان سے ادا ہو۔ کہ تو نے ہم گنامگاروں پر اس قدر بڑا احسان فرمایا۔ کہ اپنا خاص محبوب ہمیں عطا فرما دیا۔ اور پھر اپنا یہ محبوب عطا فرما کر ہمیں یہ بھی سنا دیا۔ کہ

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔ میرا محبوب جو تمہیں دے وہ لے لو۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا

وہ کنواری پاک مریم وہ نفختُ فیہ کا دم
ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا
وہی سب سے افضل آیا

دافع البلاء

حضرات! آپ نے یہ شعر سنے۔ یہ اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے شعر ہیں۔ آپ نے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم عطایا اور دافع بلایا فرمایا ہے۔ اور بالکل حق فرمایا ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی قاسم نعم اور دافع البلاء ہیں۔ اور یہ بات خود اسی آیت کریمہ سے جو میری موضوع بیان ہے۔ ظاہر ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کی بعثت شریفہ کو اپنا بہت بڑا احسان فرمایا۔ اور اس احسان کو جتایا ہے۔ اب ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اور اہل بصیرت کو اس پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دیکھیے اگر ایک ننگا اور بھوکا سائل کسی رئیس کے دروازے پر آئے اور اس سے بھیک مانگے۔ اور وہ رئیس ترس کھا کے اسے ایک سو کا نوٹ نکال کر دے۔ اور یوں کہے کہ لو میں تجھ پر احسان

کرتا ہوں۔ جاؤ اس نوٹ سے جا کر اپنے لئے کپڑے بھی سلا لو۔ اور اپنا پیٹ بھی
بھر لو۔ چنانچہ وہ سائل خوشی خوشی وہ نوٹ لے لے۔ اور بازار جا کر اس نوٹ سے
اپنے لئے کپڑے بھی سلائے۔ اور کھانا بھی پیٹ بھر کے کھائے۔ تو اس صورت
میں واقعی اس رئیس کا اس بھوکے ننگے پر یہ ایک احسان عظیم ہوگا۔ کہ اسے ایک
گراں قدر عطیہ دے کر اس کی مشکلات کو دفع کر دیا۔ اور اگر وہ رئیس بجائے نوٹ
کے ایک ردی کاغذ کا ٹکڑا۔ یا جعلی نوٹ اسے دے۔ اور کہے کہ لو یہ نوٹ اور جا
کر اپنی ضرورت پوری کر لو۔ تو وہ بھکاری اس جعلی نوٹ کو لے کر بازار جائے۔ اور
بجائے اس کے کہ نوٹ سے اُسے کچھ فائدہ ہو۔ الٹا وہ پکڑا جائے۔ کہ یہ جعلی نوٹ
کیوں چلا رہے ہو۔ تو فرمایئے۔ یہ اس رئیس نے اس سائل پر احسان کیا یا ظلم ؟
اور کیا اس صورت میں وہ رئیس اس سائل سے یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ میں نے تم پر
بڑا احسان کیا۔ کہ تمہیں یہ جعلی نوٹ دیا، اگر یوں کہے گا۔ تو وہ سائل جواب یہ
دے گا۔ کہ یہ احسان اچھا کیا آپ نے۔ کہ بجائے کسی فائدہ پہنچنے کے مجھے
نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ تو بھائیو! میرا مطلب یہ ہے کہ احسان جتانا
تو اسی صورت میں موزوں ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ عطیہ کار آمد اور مفید و نافع
ہو۔ اور اگر وہ عطیہ نہ کوئی فائدہ دے سکے۔ نہ کسی کام آسکے۔ تو وہ عطیہ عطیہ
ہی نہیں۔ اور نہ وہ عطیہ احسان کہلا سکتا ہے۔ پس اب غور فرمایئے۔ کہ خدا
تعالیٰ نے ہمیں اپنا محبوب عطا فرمایا ہے۔ اور اپنے اس عطیہ کو اپنا بہت بڑا
احسان بتاتا ہے۔ تو اگر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہمارے کسی کام آ
سکتے ہیں۔ نہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ تو پھر خدا کا احسان جتانا بالکل
غیر موزوں بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر تو خدا تعالیٰ گویا یوں فرما رہا ہے۔ کہ میں نے
مسلمانوں پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ کہ انہیں ایک ایسا وجود عطا فرمایا۔ جس کا
نام محمد ہے۔ اور جو کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ اور ایک ایسا رسول دیا جو
عاجز و ناکارہ اور ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہے (معاذ اللہ) کہو بھائیو! خدا لگتی
کہنا۔ کہ کیا اس صورت میں خدا کا احسان جتانا بن سکے گا؟ احسان جتانا تو
درکنار کیا اس صورت میں خدا کا ہم پر یہ احسان بن بھی سکے گا؟ حاشا و کلا

ہرگز نہیں۔ حقیقت جو ہے۔ وہ یہ ہے۔ اور اس کا احسان اگر بن سکتا ہے۔ اور احسان جتانا اگر موزوں ہو سکتا ہے۔ تو اس صورت میں جب کہ حضور احمد مختار صلے اللہ علیہ وسلم کو بقول اعلیٰحضرت یوں مانا جائے کہ ؎

روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں ڈوبی ناؤ تراتے یہ ہیں
جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
رب معطی ہے یہ ہیں قاسم رزق اسکا ہے کھلاتے یہ ہیں
اس کی بخشش ان کا صدقہ دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں
رافع نافع دافع شافع کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

انا اعطینٰک الکوثر!
ساری کثرت پاتے یہ ہیں

خدا کے فضل سے مسلمانوں کا اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے حضور نافع بھی ہیں۔ شافع بھی ہیں، اور بلاؤں کے دافع بھی ہیں۔ اور اسی عقیدہ کے مطابق لَقَدْ مَنَّ اللہُ عَلَے المُؤمِنِیْنَ کا ارشاد بھی صحیح سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ورنہ اس ارشادِ باری کا کوئی معنیٰ نہیں بن سکتا۔ میرے بھائیو! الف، ب شرط ہے۔ کہ ایک سو کا نوٹ تو ہمارے ہزار کام آئے۔ کئی مشکلات دور کر دے۔ اور کئی فائدے پہنچائے۔ مگر وہ جو محبوب خدا ہیں۔ وہ کسی کام نہ آئیں؟ توبہ! توبہ!! استغفر اللہ! ؎

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
...... یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

احمدِ مختار میرے بھائیو! اللہ نے جو یہ احسان فرمایا۔ اور اسے جتایا ہے۔ بالکل حق ہے۔ واقعی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود اللہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے۔ یہ وہ وجود باجود ہے۔ اور وہ ذات بابرکات ہے۔ کہ جس سے مخلوق کی بلائیں ٹل گئیں۔ مشکلات دور ہو گئیں۔ اور جس سے ہزاروں لاکھوں فوائد و منافع حاصل ہوئے۔ اور یہ میں ہی نہیں کہتا۔ خود احسان فرمانے والا مولا تعالےٰ اپنے اس مقدس خطبہ کے

متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ کہ

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ـــ (پ ۹ ع ۹)

وہ (اللہ کا رسول) انہیں بھلائی کا حکم دے گا۔ اور برائی سے منع فرمائے گا۔ اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے۔ اتارے گا"

دیکھا آپ نے خدا تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھلائی کا حکم دینے والا۔ برائی سے منع فرمانے والا۔ ستھری چیزیں حلال فرمانے والے۔ اور گندی چیزیں حرام کر دینے والا۔ اور مشکلات کے بوجھ اور گلے کے پھندوں کو اتار دینے والا فرمایا کیوں جناب! ستھری چیزوں کو حلال فرمانا۔ اچھے کاموں کا حکم فرمانا یہ نفع ہے یا نہیں؟ اور برے کاموں سے روکنا اور گندی چیزوں کو حرم فرما دینا۔ یہ دفع بلا ہے یا نہیں؟ اور بوجھ و پھندوں کو اتارنا ازالہ مشکلات ــ اور مشکل کشائی ہے یا نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔ تو پھر اعلیحضرت نے حق ہی تو فرمایا ہے کہ ؎

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا!
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا

اور میں نے اپنی ایک نظم میں عرض کیا ہے۔ کہ ؎

مشکل جو آپڑی کبھی — تیرے ہی نام سے ٹلی
مشکلکشا ہے تیرا نام — تجھ پر درود اور سلام
در پر ترے جو آئے گا — جھولیاں بھر کے جائے گا
جود و کرم ہے تیرا عام — تجھ پر درود اور سلام

مُنعِم و مُغنی

میرے بزرگو اور بھائیو! خدا ئے کریم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مُنعِم و مُغنی بھی فرمایا ہے۔ یعنی انعام فرمانے والے اور

مخلوق کو دولت مند کر دینے والے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ۔

(پ۲۲ ع ۲) اور اے محبوب یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی۔ اور تم نے اُسے نعمت دی۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ؛۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ

(پ۱۰ ع ۱۶) اور انہیں کیا برا لگا۔ یہی نا کہ اللہ و رسول نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا "

دیکھئے! ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو مُنْعِمْ و مُغْنِیْ فرما رہا ہے پہلی آیت میں حضور سے خطاب فرما کر فرمایا۔ کہ اے محبوب! اُسے اللہ نے نعمت بخشی۔ اور تو نے اسے نعمت بخشی ، یہ نعمت بخشنے میں اللہ نے اپنے محبوب کو اپنے ساتھ ملا کر جو یوں فرمایا۔ کہ" تو نے اُسے نعمت بخشی" کیا یہ ارشاد باری پکار پکار کر اس حقیقت کا اعلان نہیں کر رہا ؟ کہ ہمارے حضور منعم ہیں. نعمت بخشنے" ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ منصب عطا فرمایا ہے۔ کہ وہ مخلوق پر نعمت فرمائیں۔

اور دوسری آیت میں بھی اس حقیقت کا صاف اعلان فرما دیا ۔ کہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول نے دولتمند اور غنی کر دیا۔ گویا ہمارے حضور باذنِ اللہ مُغنی بھی ہیں۔ اور مخلوق کو دولت مند بھی فرماتے ہیں۔ اسی لئے اعلیحضرت نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا ہے کہ ؎

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا تیرا دے ڈال صدقہ نور کا

اعلیحضرت کی شاعری بھی کیا ہی ایمان افروز شاعری ہے. کہ پڑھتے ہوئے روح وجد میں آجاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

جو بھی آتا ہے لئے جاتا ہے توڑا نور کا

اس مصرعہ میں لفظ " توڑا " قابلِ غور ہے. توڑا "حصہ" کے معنی میں بھی

آتا ہے۔ اور" نقصان" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس مصرعہ میں تو لفظ توڑا "حصہ" کے معنی میں ہے۔ اور جو دوسرا مصرعہ ہے۔ اس میں بھی لفظ " توڑا " آیا ہے۔ لیکن وہاں " توڑا " بمعنے نقصان ہے۔ چنانچہ پورا شعر اس طرح ہے ؎

جو بھی آتا ہے لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! کیا بات ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں جو بھکاری بھی درِ مصطفےٰ پر حاضر ہوتا ہے۔ اپنا حصہ پا لیتا ہے۔ کوئی خالی نہیں جاتا۔ اور سب اپنا اپنا حصہ لے رہے ہیں۔ مگر بارگاہِ رسالت کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔

نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

بھائیو! ہم اسی در کے بھکاری ہیں۔ اور رہیں گے۔ انشاء اللہ! مانگتے ہیں۔ اور مانگتے رہیں گے ؎

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے، نہ حاجت اگر کی ہے
منگتے کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیات جو میں نے ابھی ابھی آپ کو سنائی ہیں۔ ان کے متعلق کوئی صاحب یوں کہہ دیں۔ کہ صاحب یہ آیات تو خاص ایک موقعہ کے لئے نازل ہوئی ہیں۔ پہلی آیت میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ میں عَلَيْهِ کا مرجع خاص ایک شخص ہے۔ اور وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت بھی خاص لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں گزارش کریں گے۔ کہ قرآن پاک کی دیگر آیت بھی نازل تو خاص موقعوں پر ہی ہوتی رہی ہیں۔ لیکن کسی خاص موقعہ یا خاص شخص کے لئے کسی آیت کے نزول کا یہ معنی تو نہیں ہوتا کہ اس کا حکم بھی خاص اسی موقعہ کے لئے رہتا ہے۔ اس طرح تو پھر سارا قرآن ہی متروک

ہو جائے گا۔ قرآن پاک کی آیاتِ حجاب و تیمم وغیرہ خاص موقعوں اور خاص افراد کے لئے اتریں۔ مگر حکم ان کا قیامت تک کے لئے ہے۔ اسی طرح اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اور اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ اگرچہ خاص موقعوں پر اتریں۔ مگر ہیں یہ قیامت تک کے لئے۔ اور جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت منعم و مغنی تھے۔ اسی طرح آج بھی ہیں۔ صحابہ کرام پر اگر حضور کا انعام تھا۔ تو آج ہم پر بھی حضور ہی کا انعام ہے۔ حضور اگر اس زمانے کے لئے مغنی تھے۔ تو آج بھی حضور مغنی ہیں۔ اور ہم آج بھی اعلیحضرت کی طرح علے الاعلان یہ کہتے ہیں کہ ؎

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا!
بحرِ موجِ سماحت پہ لاکھوں سلام

کیوں صاحب! اگر انعام فرمانا۔ اور دولت مند کرنا یہ اللہ ہی کا کام ہے۔ اور اس کی عطا سے بھی کسی دوسرے کو مُنْعِم و مُغْنِی ماننا شرک ہے تو پھر اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اور اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کی آیات کو تو قرآن میں نہ ہونا چاہیئے تھا۔ پھر یہ کہنا کہ یہ آیات تو خاص موقعوں اور خاص افراد کے لئے تھیں۔ بالکل فضول بات ہے۔ کیونکہ جو بات شرک ہے۔ وہ کسی خاص موقعہ پر اور کسی خاص فرد کے لئے جائز تو نہیں ہو جاتی؟ اس طرح تو پھر معترض گویا یہ کہتا ہے۔ کہ یہ "شرک" صرف ایک موقعہ اور ایک فرد کے لئے جائز تھا۔ اور اب ہمارے لئے نہیں۔ تو اگر یہی بات ہے۔ تو بہت ہی بڑی جہالت کی بات ہے۔ پس ان آیات سے بغیر کسی ایچ پیچ کے یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باذن اللہ منعم بھی ہیں اور مغنی بھی۔ پڑھئے درود شریف اور کہئے میرے ساتھ ساتھ ؎

صلے اللہ علیہ وسلم　　صلے اللہ علیہ وسلم
صلے اللہ علیہ وسلم　　صلے اللہ علیہ وسلم
صاحبِ خلوت ختمِ نبوت　　مالکِ جنت محسنِ اُمت
ساقیٔ کوثر کون؟ محمدؐ　　صلے اللہ علیہ وسلم
اول و خاتم سب کے معلم　　فخرِ آدم و جانِ دوعالم

نور کے پیکر کون؟ محمدؐ	صلے اللہ علیہ وسلم
آنکھ کے تارے دل کے سہارے	پیارے پیارے حق کے دلارے
خلق کے سرور کون؟ محمدؐ	صلے اللہ علیہ وسلم
شانِ جلالی۔ فیضِ جمالی	سیّد عالی جگ کے والی
ماہِ منوّر کون؟ محمدؐ	صلے اللہ علیہ وسلم
صلے اللہ علیہ وسلم	صلے اللہ علیہ وسلم

شرک؟

حضرات! سن لیا آپ نے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم باذن اللہ محسن و مُنعم اور مُغنی ہیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی صاحب اِسے شرک سمجھیں۔ تو یہ ان کی اپنی شرک نوازی ہوگی۔ اس ہمارے پیارے عقیدے کو شرک سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر کوئی صاحب قرآن پاک کی وہ آیات جو بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ پڑھنے لگیں۔ اور ان آیات سے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر محبوبانِ حق کے اختیار کی نفی ثابت کرنے لگیں۔ تو ہم اس پر ایک لطیفہ عرض کریں گے۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ ایک عورت قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔ اور سامنے ہی اس کے سالن کی دیگچی رکھی ہوئی تھی۔ قرآن پڑھتے ہوئے اس نے دیکھا۔ کہ بلی آئی ہے۔ اور دیگچی میں منہ ڈال کر سالن خراب کرنا چاہتی ہے۔ عورت نے سوچا۔ کہ تلاوت کرتے ہوئے سالن کی خاطر اٹھنا ٹھیک نہیں پھر یہ بھی خیال آیا۔ کہ سالن بلی خراب کر جائے یہ بھی ٹھیک نہیں۔ تھی وہ بڑی ہشیار، چالاک۔ تلاوت کرتے ہوتے وہ اس آیت تک پہنچی۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ تو اس نے۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ کو پڑھتے ہوئے "ھِ" اور "شْ" پر زور دیتے ہوئے "ھِ الشَّجَرَۃَ" پڑھا۔ تو ہش کی کچھ ایسی آواز پیدا ہوئی۔ کہ وہ بلی ڈر کر بھاگ گئی۔ دیکھا آپ نے اس چالاک عورت کے فن کو۔ اللہ بس کی اس تفسیر کو؟

کچھ اس قسم کی تفسیریں آج بھی ہو رہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ سارا قرآن یہ کہہ رہا ہے۔ کہ زمین سے تیل ہی نکالو۔ کوئی کہتا ہے کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے

کہ یہ جو آج تک ساری امت نمازیں پڑھتی چلی آئی۔ روزے رکھتی۔ اور قربانیاں دیتی آئی ہے یہ سب عجمی سازش ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ انبیاء و اولیاء سب بیکار ہیں۔ اور کوئی کچھ۔ اور کوئی کچھ کہتا ہے۔ یہ سارے خیالات اپنے دنیوی سائل کو بچانے کی خاطر ہیں۔ ورنہ قرآن پاک میں ان باتوں کا قطعاً ذکر نہیں۔

ایک سوال اور اسکا جواب

حضرات! آپ نے سن لیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ کو مسلمانوں پر اپنا ایک احسان فرمایا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لانا تو دو عالم کے لئے باعث رحمت اور احسان ہے۔ اس لئے کہ آپ رسولِ دو جہان ہیں۔ اور آپ کی بعثت بعثتِ عامہ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ـــــ اور

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ ـــــ اور

قُلْ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ـــــ

پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" میں حضور کی تشریف آوری کو صرف مسلمانوں ہی پر احسان فرمایا ہے؟ حالانکہ آپ کی تشریف آوری سب پر احسان ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ دیکھئے قرآن پاک کے متعلق قرآن ہی میں ارشاد ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی یہ قرآن متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ یہاں قرآن پاک کو صرف متقی لوگوں کے لئے ہدایت فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن سارے عالم کے لئے ہدایت ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ یعنی یہ قرآن سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ تو قرآن کی پہلی آیت میں جو صرف متقی لوگوں کے لئے ہدایت فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اگرچہ قرآن سب سبھی کے لئے ہدایت۔ مگر اس ہدایت سے فائدہ ان لوگوں نے اٹھایا۔ اور ہدایت پائی جو متقی تھے۔ اس لئے اسے ہدایت کہ بھی متقی لوگوں ہی کے لئے گیا۔ یعنی اگرچہ ہے یہ کتاب سارے عالم کے لئے ہدایت۔ مگر اس ہدایت سے مستفید ہونے والے صرف متقی افراد

ہی ہیں۔ اس لئے یہ ہدایت بھی متقیوں ہی کے لئے ہے۔ اسی طرح ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اگرچہ ہے سارے عالم کے لئے اور ہر کسی کے لئے۔ مگر اس تشریف آوری اور خدا کے احسان سے فائدہ مسلمانوں ہی نے اٹھایا۔ اور ایمان والے ہی اس سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہوئے، اسلئے آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ احسان بھی مسلمانوں پر ہی جتایا۔

پس و اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو نسبت مسلمانوں سے اور اپنے خدموں سے ہے وہ کسی اور سے نہیں، اور جو عقائد مسلمانوں کے اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہیں - وہ کسی اور کے نہیں۔ حضور کی شفاعت اپنے غلاموں ہی کے لئے ہے۔ دوسروں کے لئے نہیں۔ اور حضور کے غلام ہی حضور کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں۔دوسرے نہیں۔ حضور اپنے غلاموں ہی کے لئے مالکِ جنت اور قسیم جنت ہیں۔ دوسروں کے لئے نہیں۔ اور حضور کے غلام ہی حضور کو مالک و قاسم تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے نہیں ؎

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

حضرات! میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود اللہ کا ہم پر ایک احسانِ عظیم اور اس کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اللہ کی ہم پر بے شمار نعمتیں ہیں۔ ہم اگر ان کا شمار کرنا چاہیں۔ تو ہرگز نہیں کر سکتے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (پ۱۳ ع ۱۷) — اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو۔ تو شمار نہ کر سکو گے۔" مگر یہ نعمتیں بھی ہمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے صدقے میں حاصل ہوئیں خدا کی قسم! اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود نہ ہوتا۔ تو نہ لیل ونہار ہوتے۔ نہ اشجار و اثمار ہوتے۔ نہ کوئی گل و گلزار ہوتا۔ نہ وجودِ بہار ہوتا۔ یہ دنیا کی نعمتیں اور اس کی ساری رونقیں؟ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ ؎

یہ نباشک وہ کلی چٹک یہ زبان چہک لب جُو مہک
یہ مہک جھلک یہ چمک دمک سب اسی کے دم کی بہار ہے
وہی جلوہ شہر بشہر ہے، وہی اصلِ عالم و دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے

حضور کا صدقہ

میرے بھائیو! اللہ کی یہ ساری نعمتیں حضور ہی کا صدقہ ہیں جن سے ہم مستفید ہو رہے ہیں۔ بلاتشبیہہ ایک مثال عرض کروں۔ دیکھئے ایک شخص اپنے پیارے بیٹے کا صدقہ غریب بچوں میں بانٹنا چاہتا ہے۔ تو وہ ایک روپیہ بھنا کر اس کے پیسے اپنے پیارے بیٹے کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے بیٹا! لو یہ سو پیسے ہیں۔ تم اپنے ہاتھ سے ان غریب بچوں میں یہ سب پیسے تقسیم کر دو۔ چنانچہ وہ بیٹا وہ پیسے لے کر اُن غریب و محتاج بچوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ بلاتشبیہہ اب میری یہ گزارش ہے۔ کہ اللہ تعالٰے نے اپنی جملہ نعمتوں اور خزانوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا صدقہ قرار دے کر انکی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں دے کر حضور کے ہاتھوں ہم میں اپنی نعمتیں تقسیم کرائیں۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا۔ کہ

بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِیْ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ — (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲)

یعنے میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا۔ کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں۔ اور مجھے سونپ دی گئیں "

اور پھر اسی صفحہ پر دوسری حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ

اُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْیَضَ —

یعنی مجھے سرخ و سفید دونوں خزانے عطا فرمائے گئے "

سرخ و سفید سے مراد سونا، چاندی ہے۔ تو ان ارشادات نبوی سے معلوم ہوا۔ کہ زمین کے جملہ خزانوں کی کنجیاں اللہ نے حضور کے ہاتھ میں دے دیں، اور خیال تو فرمائیے۔ کہ زمین کے خزانوں کی بھی کوئی انتہا ہے۔ جو کچھ زمین پر ہے۔ انسان و حیوانات، جمادات و نباتات اور سونا چاندی، موتی جواہرات وغیرہ۔ یہ

سب زمین کے خزانے ہی تو ہیں۔ اور ان سب خزانوں کی کنجیاں حضور خود فرماتے ہیں۔ کہ میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ تو کیوں بھائیو! جس کے ہاتھ میں کسی کمرے کی کنجی رکھ دی جائے۔ تو کیا اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا؟ کہ اس کمرے میں جو کچھ ہے اس پر تمہیں پورا اختیار حاصل ہے۔ اور تم مالک ہو جیسے چاہو اسے برتو؟ یقیناً یہی مطلب ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ حضور ان تمام اللہ کی نعمتوں اور خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔ اور اللہ کی نعمتوں کو آپ ہی تقسیم فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں:۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی ۔ (بخاری شریف صلا مسلم شریف ص۳۳۳ ج۱)

یعنی اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ اور میں تقسیم کرتا ہوں "

فَاِنِّیْ اَنَا اَبُو الْقَاسِمِ اُقَسِّمُ بَیْنَکُمْ ۔ (مسلم شریف ص۲۰۶ ج۲)

"یعنی میں ابو القاسم ہوں۔ کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں"

ان ارشادات میں صاف تشریح ہے۔ اس بات کی کہ حضور صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم تقسیم فرمانے والے ہیں۔ کیا تقسیم فرمانے والے ہیں؟ ہر وہ چیز جو اللہ عطا فرماتا ہے۔ حضور اسی کی تقسیم فرماتے ہیں۔ ؎

لا و ربِّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

خواب میں

اگر کسی صاحب کو یہ شبہ گزرے کہ زمین کے خزانوں کی کنجیوں والی حدیث جو پڑھی گئی ہے۔ اس میں تو حضور اپنا خواب بیان فرما رہے ہیں۔۔۔ پھر خواب کی بات سے استدلال کے کیا معنی؟ تو میری گزارش ہے۔ کہ یہ خواب ما و شما کا خواب نہیں۔ یہ وہ خواب ہے۔ کہ جس پر سارے عالم کی بھی بیداری قربان کر دی جائے تو کم ہے۔ یہ خواب نبوت کا خواب ہے۔ اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ و سلم کا خواب ہے۔ جس میں حضور نے جو کچھ دیکھا عین حقیقت ہے۔ ورنہ بتائیے۔ اگر یہ ویسے ہی (معاذ اللہ) بے حقیقت بات تھی تو حضور نے بیان کیوں فرمائی۔ اور بیان بھی اپنے فضائل میں فرمائی۔ چنانچہ محدثین کرام نے بھی اس حدیث کو " باب فضائل سید المرسلین " میں درج کیا

ہے۔ اور پوری حدیث اس طرح ہے :۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ۔ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِیْ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ میں کلمات جامعہ کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ (یعنی میرے مختصر ارشاد میں علم و حکمت کے دریا جاری ہوتے ہیں) اور میں رعب کے ساتھ مدد کیا گیا ہوں ۔(یعنی دشمن پر میرا رعب و دبدبہ طاری ہو جاتا ہے) اور خواب میں میں نے دیکھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں ۔ اور مجھے سونپ دی گئیں "

دیکھیئے ! حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے فضائل کا تذکرہ فرما رہے ہیں ۔ پہلے یہ فرمایا ۔ کہ مجھے کلمات جامعہ عطا فرمائے گئے ۔ پھر فرمایا مجھے رعب و دبدبہ عطا فرمایا گیا ۔ پھر فرمایا ۔ کہ مجھے زمین و آسمان کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں ۔ اب اگر یہ تسلیم ہے کہ حضور واقعی کلماتِ جامعہ کے مالک ہیں ۔ اور آپ واقعی رعب و دبدبہ کے مالک ہیں ۔ تو یہ بھی تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ آپ زمین کے خزانوں کے بھی مالک ہیں ۔ اور اگر اس آخری فضیلت میں کچھ چوں و چرا کی گئی ۔ تو لازماً پہلی دو باتوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا ۔ اور پوری کی پوری حدیث ہی کو چھوڑنا پڑے گا ۔ مگر مسلمان تو ایسا کر نہیں سکتا ۔ لہذا حقیقت اور واقعہ وہی ہے ۔ جو میں بیان کر چکا ۔ اور جو اعلیحضرت فرما چکے کہ ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں ، کہ زماں نہیں

بھائیو ! نبیوں کا خواب بالکل حق اور حقیقت ہوتا ہے ۔ دیکھیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب ہی میں تو بیٹے کی قربانی کا حکم پایا تھا ۔ اور اس خواب ہی کے حکم کے مطابق آپ اپنے صاحبزادے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو

گئے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے خوش ہو کر یہ فرمایا تھا ــــ یَا اِبْرَاہِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا ــ یعنی اے ابراہیم تم نے خواب کو پورا کر دکھایا۔

دیکھا آپ نے؟ یہ ہیں نبیوں کے خواب۔ اور آج ہمارے جو خواب ہیں۔ اُن پر انبیار کے خوابوں کا قیاس کرنا بڑی جہالت کی بات ہے۔ کیوں صاحب! اگر آج کوئی صاحب یہ خواب دیکھیں۔ کہ انہیں اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ تو کیا وہ یقین کریں گے؟ کہ انہیں وقعی یہ خدائی حکم ہوا ہے۔ توبہ! توبہ!! ہرگز نہیں۔ یقیناً یہ ایک لغو خواب ہوگا۔ مگر اسی قسم کا خواب جب حضرت خلیل نے دیکھا۔ تو وہ واقعی امر الہٰی تھا۔ اور حقیقت تھی۔ اور حق تھا۔ یونہی آج اگر کوئی صاحب خواب میں دیکھیں۔ کہ انہیں کسی مملکت کی بادشاہی، اور اس کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں ہیں۔ تو صبح اٹھ کر کیا وہ یقین کرلیں گے۔ کہ وہ اب اس مملکت کے بادشاہ ہیں۔ اور کیا وہ اپنے دوستوں میں اپنی بڑائی و فضیلت کے ثبوت میں یہ خواب سنانے لگیں گے؟ توبہ! توبہ!! ہرگز نہیں۔ بلکہ یقیناً وہ اس خوب کو تبخیرِ معدہ کا نتیجہ سمجھیں گے۔ مگر اسی قسم کا خواب جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ کہ زمین بھر کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قبضہ میں دے دی گئیں۔ تو یقیناً وہ حق تھا حقیقت تھی۔ اور واقعہ تھا۔ اور ہر مسلمان کا اس پر ایمان ہے۔ اور اسی لئے وہ علے الاعلان یوں کہتا ہے کہ ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا!!
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ واختیار میں

ہمارے خواب

حضرات! انبیار کرام علیہم السلام کے مبارک خوابوں کا ذکر آپ نے سنا۔ ان برگزیدہ ہستیوں کے جملہ خواب حق و صواب ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے خواب؟ ان کے متعلق بھی آپ نے سنا کہ یہ بعض اوقات تبخیر معدہ کے باعث بھی آنے لگتے ہیں۔ لیکن ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ بعض اوقات ہمارے خواب سچے بھی ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اچھے خواب ہوتے ہیں۔ خصوصًا ایک خواب تو ایسا ہے کہ جب بھی دیکھو

اور جو بھی دیکھو وہ حق ہی ہوتا ہے۔ وہ کونسا خواب ہے؟ سنئے وہ مبارک خواب وہ ہے۔ جس میں کسی بیدار نصیب کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ و سلم کی زیارت نصیب ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ رَأٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَأٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۹۴) یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا۔ اس نے واقعی مجھی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری مثل بن ہی نہیں سکتا ؟

معلوم ہوا کہ جس خوش نصیب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہو جائے۔ تو اسے واقعی حضور ہی کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اور خواب میں تشریف لانے والے صرف حضور ہی ہوتے ہیں۔ اور شیطان میں یہ طاقت نہیں۔ کہ وہ حضور کی مثل بننے لگے۔

اپنی مثل

اس موقعہ پر یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ حدیث شریف کے مطابق شیطان بھی حضور کی مثل نہیں بن سکتا۔ پھر اگر کوئی شخص حضور کی مثل بننے لگے۔ اور یوں کہنے لگے۔ کہ حضور میری ہی مثل تو ایک بشر تھے۔ تو کیوں نہ کہا جائے۔ کہ یہ شخص اُس سے بڑھ گیا ہے۔

میرے بھائیو! انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اپنی مثل کبھی نہ سمجھو۔ اور نہ کہو۔ یہ عادت منکروں کی ہے۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

شاہ را منگر تو اے ناداں بطین
ایں نظر کرد است شیطانِ لعین

یعنی اے بیخبر! سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ و سلم کو تو محض ایک خاکی وجود ہی نہ دیکھ۔ یہ نظر تو وہ ہے۔ جس سے شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ یعنی اسے محض ایک خاکی وجود ہی نظر آیا۔ اور نور اسے نظر نہ آیا تھا۔ پھر فرمایا ؎

ہمسری با انبیاء برداشتند!

اولیاء را ہمچو خود پنداشتند!
گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر!
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں نہ دانستند ایشاں از عمےٰ
ہست فرقے درمیاں بے انتہا

یعنی منکروں نے انبیاء کرام سے ہمسری شروع کردی۔ اور اولیاء کرام کو اپنی مثل سمجھنا شروع کردیا۔ اور یوں کہنے لگے۔ کہ وہ بھی بشر اور ہم بھی بشر۔ وہ بھی کھاتے پیتے ہیں۔ اور ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔ ان بے خبروں نے اپنی بے بصیرتی سے یہ نہ جانا۔ کہ ان میں اور ہم میں بے انتہا فرق ہے ''

پھر آگے چند مثالیں پیش فرمائیں۔ فرمایا ؎

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل!
زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل!

یعنی بھڑ اور شہد کی مکھی دونوں ایک ہی پھول کو چوستی ہیں مگر ایک سے زہر پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسری سے شہد ؎

ہر دو نے خوردند از یک آبخور
آں یکے خالی و آں پر از شکر

یہ مثال بڑی اچھی ہے۔ دیکھئے بانس اور گنّا۔ یہ دونوں ہم شکل ہوتے ہیں۔ ان کا قد برابر۔ شکل ایک سی۔ موٹے ایک سے۔ اور درمیانی ٹکڑے جسے پنجابی میں پتّیاں کہتے ہیں۔ دونوں ایک جیسی نظر آتی ہیں۔ اور دونوں ایک ہی زمین میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہی کنوئیں سے پانی پیتے ہیں۔ لیکن بانس اندر سے خالی اور گنا مٹھاس سے پُر ہوتا ہے۔ پھر اگر بانس جو اندر سے بالکل خالی ہے۔ اگر میٹھے گنّے کی مثل بننے لگے۔ تو کس قدر ظلم ہے۔ چنانچہ پھر فرمایا ؎

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا
واں خورد گردد ھمہ نورِ خدا

یہ منکر جو کچھ کھاتا ہے۔ اس کی نجاست اور پلیدی بن جاتی ہے۔ اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تناول فرمایا - اس کا نور ہی نور بن گیا۔ سبحان اللہ پھر فرمایا ؎

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد!!
واں خورد گردد ہمہ نورِ احد!!

یہ جو کچھ کھاتا ہے۔ اس سے بخل و حسد ہی پیدا ہوتا ہے اور انہوں نے جو کچھ تناول فرمایا۔ اس سے اللہ کا نور ہی ظاہر ہوا - اور پھر فرمایا ؎

آں منافق با موافق در نماز!!
از پئے استیزہ آید در نیاز

یعنی منافق کی نماز بھی بظاہر مسلمان کی نماز کی طرح ہی ہوتی ہے۔ مگر ان دونوں نمازوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسلمان کی نماز جنت کی کنجی ہے۔ اور منافق کی نماز جہنم کی چابی -

خدا کی سَو سَو رحمتیں نازل ہوں مولانا رومی پر کہ کیسی عام فہم مثالوں سے مسئلہ سمجھا دیا۔ میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے بھی ہم ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ پھر حضور سے ہمسری اور یہ قول کہ میاں وہ بھی بشر اور ہم بھی بشر ؎

وہ رحمۃ للعالمیں اور تو سراپا بغض و کیں
پھر کس طرح آئے یقیں تو بھی بشر وہ بھی بشر
شر تو ہے وہ خیر البشر یکساں کہاں ہیں خیر و شر
ہے فرق ان میں کس قدر تو بھی بشر وہ بھی بشر؟
تو رینگتا ہے خاک پر اور عرش پر اُن کا گزر
اب دل میں خود انصاف کر تو بھی بشر وہ بھی بشر؟
وہ مظہرِ صدق و صفا تو پیکرِ مکر و دغا
کچھ سوچ بھی بہرِ خدا تو بھی بشر وہ بھی بشر؟
وہ خواجۂ کون و مکاں اور بے نیازِ ایں و آں

پھر بھی تجھے ہے یہ گماں — تو بھی بشر وہ بھی بشر
وہ جلوۂ نورِ قدم — یکساں تری بود و عدم
پھر مان لیں کیونکر یہ ہم — تو بھی بشر وہ بھی بشر

مت دہریوں کو چھوڑ کر طوقِ تکبر توڑ کر!!
کہہ حامدؔ دونوں جوڑ کر وہ نورِ حق ہیں ہیں بشر

میرے بزرگو! میں آگے چل کر آپ کو بتاؤں گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو نورِ حق ہیں۔ محض ہماری ہدایت کے لئے جامۂ بشریت زیبِ تن فرما کر تشریف لائے مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آپ کو اپنی مثل بشر کہا جائے۔ اور اگر کہا یہ جائے۔ کہ جب وہ جامۂ بشریت میں ملبوس ہو کر آپ بھی کہہ رہے ہیں۔ تشریف لائے۔ پھر اپنی مثل بشر کہنے میں کیا ڈر ہے؟ اس کے جواب میں میری گزارش ہے۔ کہ

لطیفہ دودھ پیتے بچے کو سب شیر خوار کہتے ہیں۔ یعنی دودھ پینے والا۔ تو کیوں صاحب! اگر ایک بچہ اپنے باپ جان کو دیکھے کہ وہ ہر روز رات کو نصف سیر دودھ بازار سے منگوا کر پیتے ہیں۔ تو وہ اپنے باپ جان کو بھی اپنی مثل شیر خوار سمجھنے اور کہنے لگے۔ تو کیا یہ ٹھیک ہے؟ اور آپ ہی بتائیے اگر کوئی صاحب باپ بیٹے دونوں ہی کو شیر خوار کہنے لگیں۔ تو کیا ان کا یہ قول درست قرار پائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سب ان کی ہنسی اڑائیں گے اور یہ کہیں گے کہ صاحب! کوئی عقل کی بات کیجئے۔ کیوں صاحب! یہ کیا بات؟ جب شیر خوار دودھ پینے والے کو کہتے ہیں۔ تو اس معنی میں تو بچہ کے ابا جان بھی شیر خوار ہی ہوئے۔ مگر پھر بھی ان کو شیر خوار کہنا پرلے درجے کی حماقت ہے تو اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔ کہ ایک امتی کا اپنے نبی کو کھاتے پیتے دیکھ کر یہ کہنا۔ کہ یہ بھی میری ہی مثل بشر ہیں۔ کس طرح درست ہو سکتا ہے

اُخروی نعمتیں حضرات! میں یہ بیان کر رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دنیوی خزانوں کی کنجیاں ہمارے حضور کو سونپ دی ہیں۔ ممکن ہے۔ کسی صاحب کو یہ شبہ پیدا ہو۔ کہ چلو مان لیا۔ اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں تو حضور کو دے دی گئیں۔ مگر اخروی نعمتوں پر آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے میرے

بھائیو! کان کھول کر سن لو۔ کہ ہمارے حضور کو اللہ تعالیٰ نے دونوں عالم کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں۔ چنانچہ حضور کا اپنا ارشاد سنئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَ اَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَ اَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَ اَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَ اَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَيِسُوْا اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۴)

"یعنی میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔ جب لوگ مبعوث ہوں گے۔ اور میں ان کا پیشوا ہوں گا۔ جب وہ پیش ہونگے۔ اور میں ان کی طرف سے بولنے والا ہوں گا۔ جب وہ خاموش ہوں گے۔ اور میں ان کا شفیع ہوں گا جب وہ محبوس ہونگے اور میں ان کو بشارت دینے والا ہوں گا۔ جب وہ مایوس ہوں گے۔ عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی —— اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا"

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ دیکھئے حضور نے کس وضاحت سے کل کے روز بھی اپنی عظمت و فضیلت کا ذکر فرمایا ہے۔ کل بھی حضور ہی سب کے پیشوا، حضور ہی سب کے شفیع، اور حضور ہی سب کے لئے منجی اور بشارت دینے والے ہوں گے۔ بس ساری حدیث میں سے مجھے بالخصوص یہ ارشاد آپ کو سنانا ہے۔ کہ

اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ

عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

یہ کرامت و عزت کیا ہے؟ اور یہ کنجیاں جو کل قیامت کے روز حضور کے قبضہ میں ہوں گی۔ کن جگہوں اور کن دروازوں کی ہوں گی؟ لیجئے سنئے!

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:۔

"بزرگی دادن و کلید ہائے بہشت و ابواب رحمت آں روز بدست من است۔ (اشعۃ اللمعات صـ۲۴۴ جلد ۴)

یعنے "عزت دینا اور جنت و رحمت کے دروازوں کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی"

کیوں صاحب! اس ارشاد نبوی سے یہ ثابت ہوا یا نہیں؟ کہ اخروی نعمتوں کی کنجیاں بھی حضور کو سونپ دی گئیں ہیں۔ اور کل عزت و جنت کی کنجیاں ہمارے حضور ہی کے قبضہ میں ہوں گی۔ اور ظاہر ہے کہ جس کے قبضہ میں کنجی ہو وہ مالک و مختار ہوتا ہے۔ لیجئے آپ تقویۃ الایمان ہی سے پوچھ لیجئے۔ دیکھئے وہ کیا "فرماتی" ہے۔

"جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے۔ اسی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب چاہے کھولے۔ اور جب چاہے نہ کھولے" (تقویۃ الایمان صـ۲۹)

اب کون ہے جو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک کونین، اور مختار دو عالم ہونے کا انکار کر سکے؟ ؎

یوں نہ نکلیں آپ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر!!

مسلمانو! اپنا ایمان رکھو۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دارین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں۔ اور آپ مختار دو عالم ہیں ؎

خالق کل نے آپ کو مالکِ کُل بنا دیا!!
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے "اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ" کی تفسیر بھی ہو گئی۔ کہ آپ دین و دنیا کی نعمتوں کے تقسیم فرمانے والے ہیں۔

اصل بات

ہاں تو میں سن یہ رہا تھا۔ کہ اللہ کی ساری نعمتیں حضور کا صدقہ ہیں۔ اور اگر حضور نہ ہوتے۔ تو نہ یہ نعمتیں ہوتیں۔ اور نہ ہی ہم ہوتے۔ تو سمجھا تو! اللہ کی یہ بے شمار نعمتیں جس وجود باجود کی طفیل

اور صدقہ ہی ہمیں ہیں — وہ وجود باجود کیوں نہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا احسان عظیم ہوگا؟ بھائیو! اللہ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ ہم نے تم پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ کہ ایک ایسا رسول تمہیں عطا فرمایا۔ جس کے صدقہ میں تمہیں سب کچھ ملا۔ اور کل قیامت کو بھی جس کے ہاتھوں تمہیں عزت۔ اور جنت ملے گی۔

اعضاء بدن

میرے بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عظیم ہونا ہرطرح ثابت ہے۔ یہ دیکھئے۔ جو بدن کے اعضاء ہیں۔ یہ بھی اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے نعمتیں ہیں۔ مگر یہ اعضاء اسی وقت تک نعمت ہیں۔ جب تک ہم ان سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے مطابق کام لیتے رہیں گے۔ اور جب ہم نے ان سے مطابق تعلیم نبوی کام لینا چھوڑا۔ اور ہدایت مصطفوی کے خلاف کام لیا۔ تو یہ نعمتیں بھی زحمتیں بن کر رہ جائیں گی۔ مثلاً یہ ہاتھ پاؤں اور زبان وغیرہ اللہ کی نعمتیں ہیں۔ مگر ان کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ اس کی زبان سے کسی کو ایذاء پہنچے۔ اور نہ اس کے ہاتھ سے۔ پاؤں سے جب تو نیکی کے کام کی طرف چلے۔ ہاتھوں سے کچھ پکڑے۔ تو جائز و مشروع چیز کو پکڑے۔ زبان سے کچھ کہے تو اچھی اور نیک بات کرے۔ اگر اپنے اعضاء سے اس نے موافق تعلیم نبوی کام لیا۔ تو یہ اس کے لئے نعمت اور اگر ان سے اس نے خلاف شرع کام لیا۔ تو یہی اعضاء کل قیامت کے روز اس کے خلاف گواہی دینے کو بول اٹھیں گے۔ اور اس کے دشمن بن جائیں گے۔

زبان

میرے بزرگو! سارے اعضائے بدن میں سے صرف ایک زبان ہی کو لے لیجئے۔ کہ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر اسی وقت تک جب تک کہ اسے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں رکھا جائے اور حضور کا ارشاد اس کے متعلق یہ ہے۔ کہ

مَنْ صَمَتَ نَجٰی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۲) یعنی خاموشی میں نجات ہے۔

مطلب یہ کہ جس نے اپنی زبان کو جھوٹ ۔ بہتان ۔ چغلی ۔ غیبت اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھا ۔ وہ نجات پا گیا ۔ یہ مرد ہے خاموشی سے ۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں ۔ کہ بات کرنے کی چار قسمیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ایسی بات کی جائے ۔ جس میں بالکل نقصان ہی ہو ۔ دوسری قسم یہ کہ اس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی ۔ تیسری یہ کہ اس میں نہ نفع ہو ۔ اور نہ نقصان ۔ اور چوتھی قسم یہ کہ اس میں صرف نفع ہی ہو ۔ اب دیکھئے کہ ان چاروں قسموں میں سے پہلی تینوں قسمیں نہ کرنے کے لائق ہیں ۔ صرف چوتھی قسم ہے ۔ جو کرنی چاہیئے ۔ تو معلوم ہوا ۔ کہ باتوں کا صرف ایک حصہ اختیار کرنے کے لائق ہے ۔ اور تین حصے چھوڑ دینے کے لائق ہیں ۔ یہی مطلب ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ خاموشی میں نجات ہے ۔

میرے بھائیو! یہ زبان اللہ کی بڑی نعمت ہے ۔ مگر جب حضور کی غلامی سے نکل جائے ۔ تو بڑی آفت بن کر رہ جاتی ہے ۔ حدیث میں آتا ہے ۔ کہ بدن کے جملہ اعضاء ہر صبح اس زبان سے التجا کرتے ہیں ۔ کہ اے زبان! ہمارے لئے اللہ سے ڈرنا ۔ اور دن خیریت سے گزارنا ۔ ہم سب تیرے بس میں ہیں ۔ اگر تو سیدھی رہی ۔ تو ہم خیریت سے رہیں گے ۔ اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی ۔ تو ہماری بھی خیر نہیں ۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۴۰۵ پر موجود ہے ۔ اور بڑی معنی خیز ہے سب اعضاء اس زبان سے ملتجی ہوتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ کہ ہماری عزت و ذلت تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۔ بالکل ٹھیک ہے ۔ دیکھ لیجئے ۔ مثلاً ایک عالم نے گھنٹہ بھر وعظ فرمایا ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کی ۔ قرآن پڑھا ۔ حدیث پڑھی ۔ تو زبان کی اس تقریر کی بدولت اس عالم کے ہاتھ پیر چومے جانے لگے ۔ ان کے لئے متعدد سواریاں بھی آگئیں ۔ تاکہ پیروں کو چلنا نہ پڑے ۔ اور اسی طرح دیگر کئی ایک سہولتیں میسر ہونے لگیں ۔ اور اگر کسی شخص نے اسی زبان سے کسی دوسرے کو گالی دے دی ۔ تو اس زبان کی بدولت لڑائی چھڑ گئی ۔ گالی کھانے والے نے ایک ایسا ڈنڈا رسید کیا ۔ کہ گالی دینے والے کا سر پھٹ گیا ۔ یا ٹانگوں پر مارا تو ٹانگ ٹوٹ گئی ۔ ہاتھ پر لگا ۔ تو ہاتھ ٹوٹ گیا ۔ دیکھ لیجئے ۔

ہی تو زبان تھی۔ لیکن یہ گربۂ مسکین گالی دے کر خود تو منہ کی پناہ گاہ میں جا چھپی اور سختی ہاتھ، پیر اور سر کی آگئی۔ دیکھا آپ نے؟ اسی لئے یہ سارے اعضاء اس کی منت کرتے ہیں۔ کہ بڑی بی! ہماری عزت و ذلت تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو چاہے تو ہمیں چھوا دے۔ اور اگر چاہے تو پٹوا دے۔

ایک حکایت

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ پچھلے وقتوں میں ایک تاجر تھا۔ جس نے ایک خوشنوا طوطی پال رکھی تھی۔ یہ طوطی بڑی میٹھی بولیاں بولتی تھی۔ ایک بار یہ تاجر کسی دوسرے ملک میں تجارت کے سلسلہ میں گیا۔ تو جاتے ہوئے طوطی نے اسے یہ کہا۔ کہ اس ملک کے فلاں شہر کے باغ میں بہت سی طوطیاں رہتی ہیں۔ آپ اس باغ میں پہنچ کر میرا اُن سب سے سلام کہہ دیں۔ اور میرا یہ پیغام بھی ان سب کو سنا دیں۔ کہ اے آزاد فضاؤں میں رہنے والی طوطیو! کچھ میری بھی خبر ہے۔ جو پنجرے میں بند ہے۔ تاجر نے کہا۔ اچھا میں تمہارا یہ پیغام انہیں پہنچا دوں گا۔ چنانچہ جب وہ اس ملک میں پہنچا۔ تو اس باغ میں بھی گیا۔ وہاں جاکر واقعی اس نے دیکھا کہ بہت سی طوطیاں موجود ہیں۔ اس نے انہیں اپنی طوطی کا سلام و پیام پہنچا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا۔ کہ اُن میں سے ایک طوطی درخت پر سے گری۔ اور تڑپتی ہوئی مر گئی۔ تاجر بڑا حیران ہوا کہ اسے کیا ہوا۔ بہر حال جب وہ اپنے گھر واپس آیا۔ تو اس کی طوطی نے پوچھا۔ فرمایئے! میرا پیغام دیا تھا۔ آپ نے ان طوطیوں کو؟ وہ بولا کہ بھئی! سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیا بات ہوئی۔ میں نے تمہارا پیغام دیا۔ تو ایک طوطی درخت پر سے گری اور تڑپ کر مر گئی۔ تاجر نے جو یہ قصہ اپنی طوطی کو سنایا۔ تو اِدھر یہ طوطی بھی پنجرے میں تڑپنے لگی۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ تاجر بڑا حیران ہوا۔ کہ یہ قصہ کیا ہے؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اور پھر پنجرے کا دروازہ کھولا۔ اور طوطی کی نعش اٹھا کر باہر پھینک دی۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ جب اس نے طوطی کو مردہ سمجھ کر باہر پھینکا۔ تو وہ طوطی فوراً اٹھی اور اڑ کر ایک دیوار پر جا بیٹھی۔ اور کہنے لگی۔ اے تاجر صاحب! لیجئے اصل قصہ سنئے۔ میں مری نہ تھی۔ اور نہ وہ

طوطی ہی مری تھی۔ جسے آپ نے باغ میں تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ بلکہ اس طوطی نے جب آپ سے یہ معلوم کیا۔ کہ میں پنجرے میں قید ہوں۔ تو اس نے در پردہ مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ ؎

اس نے مرکر یہ بتایا تھا مجھے قید میں ڈالا تجھے گفتار نے

کر عمل تو مصطفےٰ کے قول پر ہے اگر چھٹنا زباں کو بند کر

حضرات! اس طوطی نے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے اسی ارشاد پر کہ " مَنْ صَمَتَ نَجیٰ " — خاموشی میں نجات ہے" عمل کیا اور قید سے نجات پالی۔

بدزبانی میرے عزیزو! آج کل اس زبان کی آفت عام ہے۔ جہاں دیکھو! لڑائی جھگڑا۔ فتنہ و فساد۔ گالی گلوچ اور جھوٹ۔ غیبت۔ بہتان۔ یہ سب باتیں اسی زبان ہی کی زیادتیاں ہیں۔ مسلمانو! اس زبان کو قابو میں رکھو۔ اور اس زبان کو قرآن کی تلاوت کا۔ ذکرِ حق کا۔ نعتِ رسول کا مدائح اولیاء کا اور دیگر نیک باتوں کا عادی بناؤ۔ اور بد زبانی سے بچو۔ یہ زبان ایک دودھ کا برتن سمجھئے۔ جسے بڑی احتیاط اور صفائی کیساتھ رکھا جاتا ہے۔ بھلا غور تو فرمائیے۔ کہ اگر کوئی بے وقوف دودھ کے برتن میں پیشاب کر دے۔ تو کتنا بڑا ظلم ہے؟ اسی طرح جس نے اس زبان سے بد زبانی کی۔ سمجھ لیجئے۔ اس نے گویا دودھ کے برتن میں پیشاب کر ڈالا۔

بد زبانی کے سلسلہ میں عورتیں یاد آگئیں۔ خدا محفوظ رکھے اس مرض کا یہ بہت شکار ہیں۔ اور ان کی زبانیں تو قینچی کی طرح۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ "تیز گام" کی طرح چلتی ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

اور ایسی تیز گام کہ "شوہر" کا اسٹیشن آجائے۔ تو بھی نہیں رُکتی۔ بلکہ بڑے بڑے جنکشن بھی اسے نہ روک سکیں۔

لطیفہ اور پھر ان کی منطق؟ توبہ ہی بھلی۔ کہتے ہیں۔ ایک بیوی اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ رہی تھی۔ اور انتہائی بیباکی سے اپنے شوہر کو لتاڑ رہی تھی۔ اتنے میں وہاں گاؤں کا چوہدری آگیا اور اسے ڈانٹا۔

یہ صورت دیکھ کر اس عورت نے جھٹ پینترا بدلا۔ اور رونے لگی۔ اور روتے ہوئے کہنے لگی۔ چوہدری جی! میں بالکل بے قصور ہوں۔ اور میری تو یہ دعا ہے کہ اگر یہ (شوہر) جھوٹا ہے۔ تو یہ مرجائے۔ اور اگر میں جھوٹی ہوں۔ تو میں بیوہ ہو جاؤں"

دیکھا آپ نے؟ کہ اگر وہ جھوٹا ہے۔ تو وہ مرے۔ اور اگر میں جھوٹی ہوں۔ تو میں بیوہ ہو جاؤں۔ یعنی پھر بھی وہی مرے۔

اکبر الٰہ آبادی نے اسی لئے کہا ہے۔ کہ ؎

ان کے فکر و کام سے بچنا ابھی دشوار ہے
اور آفت ڈھائیں گی سائنس پڑھ کر بیبیاں

حضرات! میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم میں تشریف آوری ہم پر اللہ کا ایک عظیم الشان احسان ہے۔ اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں اسی احسان عظیم کا تذکرہ فرمایا ہے۔ میرے بھائیو! قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

دُعائے خلیل

ایک دعا کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے جب مل کر کعبہ معظمہ کی تعمیر کی۔ تو دونوں (باپ بیٹا علیہما السلام نے یہ دعا کی تھی۔ کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۔ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (پ ۱ ع ۱۵)

اے رب ہمارے! اور بھیج اُن میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔ اور انہیں تیری کتاب، اور حکمت سکھائے۔ اور انہیں پاک فرمائے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں دعائے خلیل اور بشارت عیسےٰ ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ)

دیکھ لیجئے۔ جن جن لفظوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ وہی الفاظ اس آیت کریمہ میں بھی موجود ہیں۔ جو میں نے ابتداء وعظ میں پڑھی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مطابق ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ یہاں ایک نکتہ بھی سن لیجئے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ

درود شریف جو نماز میں ہم درود پڑھتے ہیں۔ اس میں حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ اور ہم یوں پڑھتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ۔ اس درود پاک میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ اور درود شریف میں حضور کے ساتھ حضرت خلیل بھی شامل کئے جاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یعنی سارے نبیوں میں سے صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو درود شریف میں شامل کرنا کس وجہ سے ہے؟ تو سنئے! مفسرین کرام و بزرگان دین نے اس کی بڑی پیاری وجہ لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لئے دعا کی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتِ محمدیہ پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہے۔ کہ ان کی دعا سے ہمیں اللہ کا محبوب ملا۔ تو چونکہ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پڑھنے کے لئے جو درود شریف تعلیم فرمایا۔ اس میں امت محمدیہ کے محسن حضرت ابراہیم کو بھی شامل فرما لیا۔ تاکہ امت کی طرف سے اپنے محسن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی ہدیہ درود شریف پیش ہو جائے اور ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ پر عمل ہو جائے۔

محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے دوستو! خوب یاد رکھو۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے محسن ہیں۔ سب کو آپ پر اور آپ کا سب پر احسان ہے۔ خدا حضور کو دیتا ہے۔ اور حضور خدائی کو دیتے ہیں۔ حضور خدا کے محتاج اور خدائی حضور کی محتاج۔ ہمارے حضور

صلے اللہ علیہ وسلم پر بجز خدا کے اور کسی کا احسان نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیوی استاد کوئی نہیں۔ اگر آپ نے کسی سے پڑھا ہوتا۔ تو آپ اس کے ممنونِ احسان ہو جاتے۔ اور آپ کا استاد یہ کہنے لگتا۔ کہ واہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں سے پڑھ کر اب ہمیں سے اپنا کلمہ پڑھوانے لگے ہو؟ اسی واسطے اللہ نے فرمایا۔ اے محبوب! تمہارے معلّم و استاد ہم خود ہیں — اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ اور فرمایا۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی ہم نے خود آپ کو ہر بات پڑھائی اور سکھائی ؎

ایسا امّی کس لیے منت کشِ استاد ہو؟
کیا کفایت اسکو اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ نہیں

میرے بھائیو! دیکھو تو خدا تعالیٰ خود فرما رہا ہے۔ کہ اے محبوب! ہم تمہارے معلّم ہیں اب آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں۔ کہ آج اگر کوئی شخص کسی دنیوی مدرسہ سے پڑھ کر آئے۔ تو کس قدر ڈینگیں مارتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ صاحب! میں کیمرج یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ ہوں۔ مجھ سے کیا چیز چھپی ہوگی؟ میں علی گڑھ کا پڑھا ہوا ہوں۔ میں کیا نہیں جانتا؟ اجی میں مولوی قاسم صاحب نانوتوی کا شاگرد ہوں۔ پھر مجھے کیا کیا علم نہ ہوگا؟ میں مولوی رشید احمد سے پڑھا ہوا ہوں۔ میں فلاں مولوی کے پاس پڑھ کر آیا ہوں۔ پھر میرے جامع علوم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ میں علم تفسیر جانتا ہوں۔ میں علم حدیث کا پورا ماہر ہوں۔ میں منطق بھی جانتا ہوں۔ میں فلسفہ بھی جانتا ہوں۔ مجھے فقہ کا بھی علم ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں۔ تو پھر اے بھائیو! جس ذاتِ بابرکات نے خود اللہ سے پڑھا ہو۔ اور خود اللہ اعلان فرما رہا ہو۔ کہ ہم نے انہیں پڑھایا تو وہ ذاتِ بابرکات کس قدر علوم کی مالک ہوگی؟ اور اسے کس بات کا علم نہ ہوگا؟ کیوں نہ وہ ذات سارے علوم کی ماہر ہوگی؟ اور کیوں نہ اولین و آخرین کے علوم کی جامع ہوگی؟ اور یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر رہ گئی ہو؟ پھر اللہ کے شاگرد رشید کے متعلق جس کے متعلق خود اللہ کا اعلان ہو۔ کہ یہ ہمارے پڑھائے ہوئے اور سکھائے ہوئے ہیں۔ یہ کہنا۔ کہ انہیں دیوار پیچھے

کی چیز کا بھی علم نہ تھا۔ اور انہیں فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ اور وہ فلاں شے سے بے خبر تھے۔ بے انصافی و بے خبری ہے یا نہیں ؟

تو دانائے ماکان اور مایکون ہے
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

حضور کا اپنا بیان

میرے بزرگو! خدا جو حضور کا معلّم ہے۔ اس کا اعلان تو آپ نے سن لیا۔ کہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اب خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اعلان سنئے۔ حضور فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اپنا قدرت کا ہاتھ میری پشت پر رکھا۔

فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (مشکوٰۃ شریف ص۷۲)

"تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے میں نے سب کو جان لیا"

یعنے مجھے زمین و آسمان کی ہر چیز کا علم حاصل ہو گیا۔

دیکھئے! حضور" ما فی السماوت والارض" فرما رہے ہیں۔ یہاں لفظ "ما" وہی "ما" ہے۔ جو اس آیت کریمہ میں ہے۔ کہ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ یعنے اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے" یعنے زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے۔ وہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اب دیکھ لیجئے۔ کہ اس آیت میں لفظ "ما" کچھ ایسا عام ہے۔ کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس" ما" کی عمومیت سے باہر نہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ تو یہی" ما" حضور کے ارشاد میں بھی ہے۔ اور حضور فرما رہے ہیں۔ کہ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔ وہ سب میرے علم میں آگیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ ہر وہ ذرہ جو اللہ کی ملک میں ہے۔ وہ ہمارے حضور کے علم میں ہے۔ پھر اگر کسی چیز کو حضور کے علم سے باہر مانا جائے۔ تو لازماً اس چیز کو اللہ کی ملک سے بھی باہر ماننا پڑے گا۔

میرے بھائیو! حدیث شریف میں یہ ارشاد ہے۔ کہ خدا نے اپنا قدرت کا ہاتھ میری پشت پر رکھا۔ دوستو! بلا تشبیہ آج اگر کوئی استاد کسی شاگرد سے یوں کہے۔ کہ تمہاری پشت پر میرا ہاتھ ہے" تو وہ شاگرد پھولا نہیں سماتا۔

اور وہ جان لیتا ہے۔ کہ میرے استاد کی میری طرف خاص نظرِ کرم ہے۔ اور استاد کے اس دستِ کرم کی بدولت وہ شاگرد اپنے استاد سے بہت کچھ حاصل کرلیتا ہے اور اس شاگرد کی قابلیت دیکھ کر لوگ بھی یوں کہتے ہیں۔ کہ کیوں نہ ہو صاحب۔ اس کے استاد کا اس کی پشت پر ہاتھ ہے۔ تو میرے بھائیو! جس کی پشت پر خود خدا کا دستِ کرم ہو۔ اس پر کس قدر علوم کے دروازے کھلے ہوں گے؟ اور کیوں نہ وہ سارے عالم سے بڑھ چڑھ کر عالم ہو گیا ہوگا؟ آج کسی کے پاس تھوڑی سی فانی دولت بھی دیکھی جائے۔ تو سب کہتے ہیں۔ کہ اس پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اور جس ذاتِ انور کے حق میں خود اللہ یوں فرمائے۔ کہ

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً — یعنی اے محبوب!
آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے"

تو فرمایئے۔ کہ اس محبوب کے پاس کیا کچھ نہ ہوگا۔ اور وہ کیا کیا خزانے نہ رکھتا ہوگا؟ بھائیو! اپنا ایمان رکھو۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے عالم اور باذن اللہ ساری کائنات کے مالک ہیں۔ اور یہ سب کچھ کیا ہے؟ — وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمٌ — کی زندہ تفسیر ہے اور اللہ ہی کے فضل کا مظاہرہ ہے۔

یا رسول اللہ! ؎

فضل خدا کا تجھ پر سایہ — تیرا سایہ ہم نے پایا
کس نے پایا تیرا پایہ — صلے اللہ علیک وسلم
رب ہے معطی تم ہو قاسم — ہم ہیں تابع تم ہو حاکم
تیرا پرچم ہے لہرایا — صلے اللہ علیک وسلم
تیری نظر میں ذاتی راتی — علم میں تیرے ساری خدائی
تجھ کو خدا نے آپ پڑھایا — صلے اللہ علیک وسلم

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور پر کسی دنیوی استاد کا احسان نہیں ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے مطابق سارے عالم کے آپ معلم ہیں اور آپ کا معلم صرف اللہ ہے۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم

کسی ایسے ماحول یا کسی ایسی قوم میں بھی پیدا نہ ہوئے۔ جو علمی ماحول ہو۔ اور پڑھی لکھی قوم ہو۔ اس صورت میں مخالف کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ جو علوم و اسرار محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کرتے ہیں۔ یہ ان کے ماحول اور قوم کی طفیل ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں سے سن سنا کر بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ علمی گفتگو اور اسرار و رموز کا بیان علمی ماحول کی بدولت ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایک غیر سرسبز و غیر شاداب علاقہ میں جسے قرآن میں بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ فرمایا گیا ہے۔ اور ایک اَن پڑھ قوم میں جسے قرآن پاک "اُمِّيِّيْنَ" فرماتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ تاکہ پتہ چلے۔ کہ ماحول یا قوم کا حضور پر کوئی احسان نہیں۔ بلکہ سارے ماحول اور ساری قوم بلکہ ساری دنیا پر حضور ہی کا احسان ہے۔ کہ آپ نے گندے ماحول کو پاک۔ خشک زمین کو سرسبز اور جاہل قوم کو نہ صرف عالم بلکہ معلّم بنا دیا ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا!
خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

میرے عزیزو! خوب یاد رکھو۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بجز اللہ کے اور کسی کا احسان باقی نہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے مولا کے سوا کسی کے ممنون احسان نہیں ہیں۔ اسی واسطے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی بعثت کی دعا کی تھی۔ تو آپ نے اپنی ساری امت سے آپ پر درود شریف پڑھوا کر یہ بتا دیا۔ کہ احسان سب پر ہمارا ہی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام

اور اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق اگر کوئی یوں کہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اپنے زمانے میں لوگوں کو حضور کی آمد کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام

نے یہ فرمایا تھا۔ کہ میں اپنے بعد تشریف لانے والے رسول کی جن کا نام احمد ہوگا بشارت دیتا ہوں۔ تو اس کے متعلق سنئے۔ کہ بیشک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بشارت دے کر لوگوں کو حضور کی انتظار میں ڈالا۔ اور لوگ حضور کی انتظار کرنے لگے۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے میں ساری دنیا کو اور قیامت تک آنے والے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کی بشارت دی۔ اور فرمایا:۔

وَاللّٰہِ لَیَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْیَمَ — اور فرمایا:۔

یَنْزِلُ عِیْسٰے بن مریم الی الْاَرْضِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۷۲)

یعنی" اللہ کی قسم! عیسیٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہونگے"

اور اس طرح قیامت تک آنے والے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انتظار میں ڈال دیا۔ اور سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انتظار کرنے لگے۔

تو فرمایئے۔ آج جو ہر مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انتظار میں ہے۔ یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ہے یا نہیں؟ یقیناً حضور ہی کی بدولت ہے۔ تو پھر یہ بھی حضور ہی کا احسان ہوا۔ پس معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محسنِ عالم ہیں۔

تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جن الفاظ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ خدا نے اسی کے مطابق حضور کو مبعوث فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ یہ میرا رسول لوگوں پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے"

تو بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ہادی۔ ہمارے مُنجی۔ ہمارے مزکّی۔ اور ہمارے معلّم ہیں۔ دین و دنیا کی ہر نعمت لے کر آپ آئے۔ روحانی و جسمانی ہر قسم کا علاج آپ نے بتایا۔ حضور کے ہوتے ہوئے ہم کسی غیر کے محتاج رہ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر حضور کے ہوتے ہوئے ہم اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ اور اپنی مشکلات کا علاج کسی دوسرے سے چاہنے لگیں تو یہ ہماری بہت بڑی نادانی ہے۔ ؎

بھر کے گئی گئی تباہ شکوہ کریں سب کی کھوئے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

بھائیو! حضور علیہ السلام ہی کو اپنا ہادی و معلم اور مزکّی سمجھو۔ اور اپنی ہر مشکل اسی دروازہ پر پیش کرو۔ کیونکہ اسی دروازہ سے ہر مشکل حل ہوگی۔ خبردار حضور سے بے نیاز نہ ہونا۔ دیکھئے یہ قرآن خود فرما رہا ہے۔ کہ کتاب و حکمت سکھانے والے اور پاک و ستھرا فرمانے والے حضور ہی ہیں۔ قرآن بیشک منبع رشد و ہدایت ہے۔ مگر حضور کے بغیر یہ قرآن سمجھنا اور اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ دیکھئے قرآن پاک خود فرماتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (پ ۶ ع ۷)

"بیشک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب"

نور

اس آیت میں قرآن مجید اور ایک نور کے تشریف لانے کا ذکر ہے۔ یہ نور کون ہے؟ اس نور سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے (دیکھئے روح البیان ص ۳۸ ج ۱) اور دیگر کتب تفسیر۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس نور سے بھی مراد قرآن پاک ہی ہے۔ تو یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ میں "واؤ" عاطفہ موجود ہے۔ جس کا معنی ہے "اور"۔ اور یہ "اور" یہ بتا رہا ہے۔ کہ "نور" اور ہے۔ اور "کتاب مبین" اور ہے۔

دیکھئے۔ اگر یوں کہا جائے کہ جَاءَ زَيْدٌ وَّعَمْرٌو۔ آیا زید اور عمر۔ تو اس کا معنی یہی ہے۔ کہ زید اور عمر دو شخص آئے۔ زید اور عمر۔ یعنی زید اور ہے اور عمر اور۔ یہ بات نہیں۔ کہ زید اور عمر دونوں ایک ہیں۔ اسی طرح نور و کتاب بھی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ نور اور ہے۔ اور کتاب اور۔ اور وہ کتاب تو قرآن پاک ہے۔ اور نور حضور پاک ہیں۔ تو خدا نے قرآن کے ساتھ ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی تشریف لانے کی خبر دی۔ اور فرمایا کہ تمہارے پاس نور آیا۔ اور کتاب۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اگر پڑھو اور سمجھنا چاہو تو نور مصطفیٰ کی روشنی میں پڑھو۔ ورنہ اندھیرے میں اس کا سمجھنا اور پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ازالۂ شبہ

اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ آیت میں "کتاب مبین" آیا ہے۔ یعنی "روشن کتاب" تو پھر جب کتاب خود روشن ہے۔ تو پھر کسی دوسرے نور کی کیا ضرورت رہ گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دیکھئے ہماری آنکھیں بفضل اللہ بینا اور روشن ہیں۔ ان میں نور موجود ہے۔ مگر باوجود روشن ہونے کے ان آنکھوں کو دن میں سورج کے نور کی اور رات کو کسی شمع کے نور کی ضرورت ہے۔ اور انسان ان آنکھوں سے باوجود روشن ہونے کے بغیر کسی خارجی نور کے دیکھ نہیں سکتا۔ پس اسی طرح قرآن پاک باوجود روشن کتاب ہونے کے بغیر نورِ مصطفےٰ کی روشنی کے ہرگز ہرگز سمجھا نہیں جا سکتا۔ اور جس طرح آنکھ کی اپنی روشنی بغیر سورج یا شمع کی روشنی کے کام نہیں آ سکتی۔ اسی طرح قرآن پاک کی اپنی روشنی بغیر مصطفےٰ کی روشنی کے ہمارے لئے قطعاً مفید نہیں۔ اور جس کسی نے اندھیری رات میں بغیر کسی شمع کے راہ چلنا چاہا۔ وہ یقیناً گمراہ ہوا۔ اسی طرح جس کسی نے ظلمت کدۂ عالم میں بغیر نورِ مصطفےٰ کے راہ پانا چاہا۔ وہ یقیناً گمراہ ہوا۔ اور کبھی منزل مقصود کو نہ پہنچا نہ پہنچے گا۔ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اندھیرے میں

اندھیرے میں بعض اوقات آدمی رسی کو سانپ اور سانپ کو رسی سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح نورِ مصطفےٰ سے ہٹ کر لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل یہ تماشہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اور اپنی سمجھ سے قرآن پاک کے ارشادات کا اپنی سمجھ سے کچھ ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ قرآن کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ اور بتایا کچھ اور جاتا ہے۔

لطیفہ

ایک انگریز کے متعلق یہ لطیفہ مشہور ہے۔ کہ ایک مجلس مشاعرہ میں وہ بیٹھا تھا۔ کہ ایک شاعر نے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے!
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

لوگ یہ شعر سن کر واہ واہ کرنے لگے۔ تو وہ انگریز بھی واہ واہ کرنے لگا

لوگوں نے پوچھا۔ صاحب! تم اس شعر کا مطلب کیا سمجھے۔ وہ بولا۔ ہم خوب سمجھا ہے۔ شاعر بولتا ہے۔

"ہم تم امیر غریب سب جیل میں چلا گیا"

دیکھا آپ نے؟ انگریز کی شعر فہمی؟ بس اسی قسم کی بعض لوگوں کی قرآن فہمی بھی ہوتی ہے۔ قرآن پاک کا بنیادی زور اس بات پر ہے۔ کہ ایمان و عمل صالح کو اپناؤ۔ اور اپنی عاقبت سنوارو۔ مگر یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے۔ کہ قرآن یہ فرما رہا ہے کہ زمین سے تیل نکالو۔ اور تیل بیچ کر سرخی پوڈر خریدو۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ موجودہ تجربات اور سائنس کی مساعی بیکار اور غیر مفید ہیں۔ اور ہمیں ان کے نزدیک نہ آنا چاہیئے۔ حاشا و کلّا یہ مقصد ہرگز نہیں۔ اسلام نے ہمیں ان باتوں سے روکا نہیں اور اس زمانہ میں ہی کیا بلکہ ہر دور میں مسلمانوں کو دنیوی ترقی کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُمْ کے مطابق دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی تیاری بھی کرنا چاہیئے۔ مگر صرف انہیں باتوں کو پیش نظر رکھنا۔ اور روحانی ترقی و عاقبت کی بہتری کو نظر انداز کر دینا۔ اور صرف دنیوی و مادی ترقی ہی کو قرآن پاک کا بنیادی مقصد قرار دینا یقیناً اسی انگریز کی سی قرآن فہمی ہے جس نے میر کے شعر کے مطلب کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

نئی تفسیریں اس زمانہ میں اکثر نئے نئے خیالات کی حامل قرآن پاک کی تفسیریں نظر آرہی ہیں۔ اور اس دور پر فتن میں جو جی چاہتا ہے۔ قرآن کے آگے لگ جاتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ خود قرآن کے تابع بنے۔ قرآن کو اپنا تابع بنانے لگتا ہے۔

مثنوی کی ایک حکایت چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک اونٹ کہیں جا رہا تھا۔ اور اس کی نکیل کسی کے ہاتھ میں نہ تھی۔ اونٹ تنہا چل رہا تھا۔ کہ اتنے میں سے

ایک چوہا دیکھ کر اس کا یہ حال	دل میں یوں کرنے لگا اپنے مقال
تجھ کو جانے دیتا ہوں اب میں کہاں	تھام لیتا ہوں ابھی تیری عناں
اور لپک کر بگ منہ میں لے شریر	اونٹ کو وہ لے چلا کر کے اسیر

یعنے اس تنہا اونٹ کی نکیل اس چوہے نے پکڑ لی۔ اور اونٹ کے آگے آگے چلنے لگا۔ اور بڑا خوش ہوا۔ کہ میں اب اونٹ کا بھی امام و پیشوا ہوں۔ اتنے میں آگے ایک پانی کا نالہ آگیا۔ چوہے نے دیکھا۔ تو حیران رہ گیا۔ اور کنارے پر پہنچ کر رک گیا ؎

اونٹ نے پوچھا بتا اے راہبر
کیا ہوا کیوں ڈر گیا تو اس قدر

یعنے اونٹ نے پوچھا۔ کیوں مسٹر! گھبرا کیوں گئے؟ اور آگے بڑھتے کیوں نہیں؟ تو چوہا بولا۔ اونٹ صاحب! آگے پانی ہے۔ پانی سے ڈر لگتا ہے۔ اونٹ نے جواب دیا۔ ٹھہرو۔ میں نالے کے اندر جا کر دیکھتا ہوں۔ کہ پانی کتنا ہے؟ چنانچہ اونٹ نالہ کے اندر گیا۔ اور چوہے سے کہنے لگا۔ یہ دیکھو پانی تو زانوؤں تک بھی نہیں پہنچا۔ اتنا گہرا نہیں ہے۔ تم بلا خوف و خطر اندر چلے آؤ ؎

دیکھ زانو بھی میرے ڈوبے نہیں!
غرق ہو تو ایسا ممکن ہے کہیں؟

چوہے نے جواب دیا ؎

بولا چوہا خوب فرمایا جناب!
چاہتے ہو مجھ کو کرنا غرق آب!
تا بزانو آپ کے پانی جو ہو!
مجھ سے لاکھوں کو نہ دیگا کیا ڈبو؟

یعنے جناب! یہ تا بزانو تو آپ ہی کے لئے ہے نا! میرے تو سر پر سے بھی کئی فٹ اوپر ہو جائے گا۔ ؎

اونٹ یہ کہنے لگا پھر طنز سے
بس اسی برتے پہ بنتے رہبر بنے

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے یہ حکایت لکھ کر پھر اس کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ؎

خود تو گمراہ ہوں کریں پھر رہبری
ہیں ڈبوتے ایسے ہی ناویں بھری

بھائیو! کچھ ایسا ہی حال آج کل بھی نظر آ رہا ہے۔ کہ یورپ کے بل سے

پاؤ۔ تو اسے مار ڈالو۔ دیکھئے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۲۸ باب الحرم۔

دیکھا آپ نے؟ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کیا نہیں سکھایا؟ خدا کی قسم! اگر مسلمان اپنے آقا و مولے کی ہر تعلیم کو اپنا لیں۔ تو ان کی ساری مشکلات حل ہو جائیں۔ مسلمانو! ہمیں اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ کون سا عقدہ ہے۔ جو کملی والے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے وا نہیں فرمایا اور وہ کونسی مشکل ہے۔ جو حضور دافع البلاء نے دفع نہیں فرمائی ہمارے حضور دین و دنیا کے بادشاہ ہیں۔ دین و دنیا کے اسرار و رموز بیان فرماتے ہیں۔ اور دین و دنیا کی نعمتیں تقسیم فرماتے ہیں۔ بھائیو اس حقیقت کا کوئی انکار کرے۔ تو یہ اس کی اپنی خامی ہے یعنی اگر کوئی یوں کہے کہ ان سے کچھ نہیں ملتا تو ہم کہینگے کہ۔ ع

جھولی ہی تیری تنگ ہے انکے یہاں کمی نہیں

دریا مثال سنئے! دریا پانی سے معمور اور بھرپور ہے۔ وہاں پانی کی کیا کمی ہے؟ جو شخص دریا کے پاس جائے گا۔ مستفید و سیراب ہو کر آئے گا۔ اور دریا کسی سائل و محتاج کو خالی نہ لوٹائے گا۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ دریا سے مستفید ہونے کے لئے دریا پر آنے والا اپنے ساتھ کوئی ظرف بھی لائے۔ ظرف لائے اور بھر کرلے جائے اور یہ ظرف پر منحصر ہے۔ کہ جس قدر بڑا ظرف ہوگا۔ دریا کی اسی قدر بڑی عطا بھی ہوگی۔ اگر ایک شخص پیالہ لے کر گیا ہے۔ تو اسے پیالہ بھر پانی ملے گا۔ اور اگر کوئی ڈول لے کر گیا ہے۔ تو اسے ڈول بھر پانی ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص بڑا ٹینک لے کر گیا ہے۔ تو وہ ٹینک ہی بھر کر لائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا شخص گیا جس کے پاس کوئی ظرف نہیں۔ تو وہ اپنے ہاتھ کا چلّو بنا کر بڑھے گا۔ تو اسے چلّو بھر ہی پانی مل جائے گا۔ مگر اے میرے بھائیو! اگر کسی کے پاس ہاتھ بھی نہ ہوں۔ اور وہ ہو ہی لنڈا منڈا۔ تو فرمائیے! دریا میں سے اسے کیا ملے گا؟ کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن کیوں؟ کیا دریا کے پاس پانی نہیں؟ نہیں! نہیں!! دریا کے پاس تو اس قدر پانی ہے۔ کہ سینکڑوں لاکھوں ٹینک بھی آ جائیں۔ تو دریا کے فیض سے بھرپور ہو کر جائیں۔ اس لنڈے منڈے کے اپنے ہی پاس لینے

کا کوئی ظرف نہیں۔ لہذا اس لنڈے منڈے کو دریا سے گویا یہی جواب ملیگا کہ

ع ~ مجبولی ہی تیری تنگ ہے میرے یہاں کمی نہیں

بجلی کا بلب

اور سنئے! آپ نے اپنے گھر میں وائرنگ کرائی۔ اور بجلی کا کنکشن بھی آپ کو مل گیا۔ اور پاور ہاؤس سے بجلی بھی آپکی تاروں میں پہنچ گئی۔ مگر ایک بلب ایسا ہے۔ جس کے تار جل چکے ہیں۔ تو فرمایئے! آپ نے سوئچ دبایا۔ تو کیا اس بلب میں بجلی آئے گی؟ اور بجلی رساں پاور ہاؤس کے فیض سے وہ بلب مستفید و مستنیر ہوگا؟ اور جلے گا؟ روشن ہوگا؟ ہرگز نہیں! مگر کیا یہ خامی پاور ہاؤس میں ہے؟ نہیں! نہیں!! ہرگز نہیں!!! — یہ خامی پاور ہاؤس میں نہیں، وہ تو سارے صحیح بلبوں کو فیض دے رہا ہے۔ ہاں یہ خامی خود بلب کے اندر ہے۔ اور اس تار جلے بلب کو گویا پاور ہاؤس یہی کہہ رہا ہے کہ ع

مجبولی ہی تیری تنگ ہے میرے یہاں کمی نہیں

بھائیو! اسی لائن میں ایک زیرو کا بلب بھی ہے۔ جو ہے تو بہت معمولی اور چھوٹا۔ مگر جستک صحیح اور اس کی تار سلامت ہے۔ تو وہ جس وقت بھی بٹن دبایئے۔ فوراً روشن ہو جائے گا۔ اس میں روشنی کم سہی۔ لیکن روشنی تو ہے۔ اور وہ بہر حال اس پانچ سو کے بڑے بلب سے جس کے تار جلے ہوئے ہیں۔ اچھا ہے۔ یہ چھوٹا سہی۔ لیکن مفید و کارآمد ہے۔ اور وہ بڑا سہی۔ لیکن محض نمائشی اور نام کا بلب ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ أَعْجَبَكُمْ (پ ۲ ع ۱۱)

اور بیشک۔ مسلمان غلام ایک مشرک آدمی سے اچھا ہے۔ اگرچہ وہ مشرک بظاہر بھاتا ہو"

یعنی ایک مشرک آدمی اگرچہ بظاہر بڑا اچھا اور بھاتا ہوا ہو۔ لیکن ہے وہ اسی پانچ سو کے تار جلے بڑے بلب کی مانند۔ کہ اس کے اندر ایمان کی تار موجود نہیں۔ اور اندھیر ہی اندھیرا ہے۔ اور ایک مسلمان غلام جو بظاہر غریب اور سادہ پوزیشن کا مالک ہے۔ لیکن ہے وہ اس زیرو کے بلب کی مانند۔ کہ

ان میں کتنے ہی باقی نور موجود ہو۔ اور بیشک وہ روشن دل۔ تو میرے بھائیو! آج اگر وہ آپ ... ہیں، لیکن خدا کے فضل سے آپ ایمان والے۔ اور اُن قدر بڑھ کر بلبوں سے بہرحال اچھے ہیں۔ جن کے تار اڑ چکے ہیں۔ قیمت اس بلب کی ہے۔ جس کے تار ٹھیک ہوں۔ کم قیمت والے سہی۔ مگر ہیں قیمت والے ہی۔ ہاں اے بھائیو! کسی صحیح بلب سے پوچھ کر دیکھ لو۔ کہ پاور ہاؤس سے کچھ ملتا ہے۔ یا نہیں؟ جلے ہوئے بلب کا تو یہی جواب ہوگا۔ کہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور پاور ہاؤس کا بھی اعلان ہوگا۔ ع

چھوٹی ہی تیری تنگ ہے میرے یہاں کمی نہیں

آئینہ و پتھر

ایک اور مثال سنئے۔ آئینہ کو لیجئے۔ اور سورج کے سامنے کیجئے پھر دیکھئے۔ سورج کا فیضِ نور اس میں منعکس ہو جائے گا۔ اور آئینہ بھی چمکنے لگے گا۔ اور وہ بھی تاریکی میں روشنی پیدا کرنے لگے گا۔ اور زبانِ حال سے پکار اٹھے گا۔ کہ سورج میں بڑا فیض ہے۔ اور وہ بڑا فیض رساں ہے۔ یہ دیکھو۔ اس نے مجھے چمکا دیا۔ لیکن اگر آپ ایک پتھر کو ہاتھ میں پکڑ کر سورج کے سامنے کریں گے۔ تو کیا اس پتھر میں بھی سورج کا نور منعکس ہوگا؟ اور کیا وہ پتھر بھی چمک اٹھے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ پتھر کا پتھر ویسے کا ویسے ہی سیاہ رہے گا۔ پھر اگر پتھر آئینہ سے یوں کہنے لگے۔ کہ اے آئینے! تم تو کہتے ہو کہ سورج بڑا فیض رساں ہے۔ وہ اس کے حضور رہنے والے کو چمک بخشتا ہے۔ اور روشنی حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر میں نے تو یہ بات نہیں دیکھی۔ اس کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔ لیکن کچھ بھی تو نہیں ملا۔ کوئی روشنی روشنی نہیں۔ تو میرے بھائیو! جانتے ہیں آپ کہ آئینے کا جواب کیا ہوگا؟ یہی نا کہ ع

چھوٹی ہی تیری تنگ ہے اس کے یہاں کمی نہیں

تو مسلمانو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبع الفیوض والبرکات ہیں۔ دین و دنیا کی نعمتیں حضور کی ذات گرامی سے ملتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ واقعہ ہے۔ حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ قصیدہ بردہ شریف میں حضور سے

اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔ کہ ؎

فَإِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ

یعنی یارسول اللہ! دنیا و آخرت دونوں حضور کے جود و کرم کا ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کے تمام علوم آپ کے علوم کا ایک پارہ ہیں۔

اور حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات ص۳۹۶ جلد۱ میں لکھتے ہیں کہ ؎

اگر خیریتِ دنیا و عقبےٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہرچہ خواہی آں تمنا کن

یعنی اگر دنیا و آخرت کی نعمت و بھلائی کی آرزو ہے۔ تو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی درگاہِ عالی میں حاضر ہو کر جو چاہو مانگ لو۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد دین و دنیا کی صدہا حکمتوں پر مشتمل ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ

ایک آریہ کا اعتراف

متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں لاہور سے ایک ہندو اخبار "ملاپ" نکلتا تھا۔ اس کے آریہ ایڈیٹر کا نام غالب خوشحال چند خورسند تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے اخبار میں لکھا۔ کہ میں انارکلی بازار سے گزرا۔ تو انارکلی چوک میں میں نے ایک کلینڈر فروش کو دیکھا۔ جو کلینڈروں کو زمین پر بچھائے ہوئے بیچ رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ ایک کلینڈر پر سوامی دیانند کا فوٹو بھی تھا۔ اور چونکہ چوک میں ہجوم بہت تھا۔ اس لئے میں نے کئی لوگوں کے پیروں کے نیچے سوامی جی کا فوٹو آتے دیکھا۔ اور مجھے اس بات کی بڑی کوفت ہوئی۔"

مہاشہ جی نے یہ لکھ کر پھر آگے بڑی مزے کی بات لکھی۔ لکھتے ہیں۔ کہ:-

"مانا پڑتا ہے حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکمت و سیاست کو۔ کہ فوٹو کھچوانا جائز ہی نہ رکھا۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اگر وہ فوٹو کو جائز رکھتے۔ تو آج ان کا فوٹو بھی ہوتا۔ اور اسی طرح کلینڈروں میں وہ بھی چھپتا۔ اور اس کی

توہین ہوتی ؟

دیکھا آپ نے ؟ ایک غیر مسلم بھی حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی تعلیم کی خوبیوں کا اعتراف کر رہا ہے۔

ایک مشاعرہ

فوٹو کی بات چل نکلی ہے۔ تو ایک مجلس مشاعرہ کا حال بھی سنتے چلئے۔ کہتے ہیں ایک مشاعرہ میں طرح مصرعہ یہ تھا۔

اس لئے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

مطلب یہ کہ شاعر بیان کرے۔ کہ اس نے محبوب کی تصویر کیوں نہیں کھچوائی ؟ چنانچہ ایک شاعر اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ کہ ؎

مانگتا ہے دام کاتب پاس اک پائی نہیں
اس لئے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

یعنی مصوّر تصویر کھچوانے کے پیسے مانگتا ہے۔ اور میرے پلے پائی بھی نہیں اس لئے ہم نے محبوب کی تصویر نہیں کھچوائی۔

دوسرے صاحب اٹھے۔ اور بولے کہ

میں ہوں مشتاقِ تکلم اور یہ گویائی نہیں
اس لئے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

یعنی میں محبوب سے ہمکلام ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن تصویر بول نہیں سکتی۔ ہم نے اس لئے محبوب کی تصویر نہیں کھچوائی۔

تیسرے صاحب اٹھے۔ اور بولے کہ

کاتبِ قدرت سے بڑھ کر کلک آرائی نہیں
اس لئے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

یعنی خداوند کریم سے بہتر اور کون مصور ہوگا۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ۔ یہ اسی کی شان ہے۔ ہم ہیں کون جو تصویر کھچواتا پھروں۔ اس لئے ہم نے محبوب کی تصویر نہیں کھچوائی۔

چوتھے صاحب اٹھے۔ اور فرمایا۔ اور خوب فرمایا کہ

بت پرستی دینِ احمد میں کہیں پائی نہیں

اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا۔ اور کیسی اچھی بات کہی۔ شاعری ہو۔ تو ایسی ہو۔ جس سے قوم و ملت کو کچھ فائدہ بھی پہنچے۔ ورنہ ایسی شاعری جس میں سراپا دروغ و کذب ہی ہو۔ محض بیکار بلکہ گناہ ہے۔ جیسے کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ

؎ رات کو اس قدر رویا ہوں میں ہجر یار میں!
سو سمندر تو سو نالے لاکھ ندیاں بہ گئیں

دیکھا آپ نے؟ گویا یہ جو دنیا میں سیلاب اور فلڈ آتے ہیں۔ یہ کوئی عاشق ہی ہے۔ جو رونے لگتا ہے۔ اور اب کے جو جاپان میں مہیب و خوفناک سیلاب آیا ہے۔ شاید وہاں کوئی دو چار عاشق مل کر روئے ہیں۔ بقول حالی اسی قسم کے وہ شاعر ہیں۔ جو ع

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

کے مصداق ہیں۔

ہاں تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حکمت و دانش سے کون بڑھ سکتا ہے۔ ہر دانائی اور ہر حکمت کی بات حضور ہی کی ذات گرامی سے حاصل ہوئی ہے۔

جمعہ کا اجتماع

اسی اخبار تیج نے جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ ایک اور بھی مزے کی بات لکھی تھی۔ ایک مرتبہ جب کہ کانگرس اور لیگ کا زور شور تھا۔ اس نے لکھا کہ ہم کانگرس والے جب کوئی جلسہ کرنا چاہیں تو ہزار جتن کرنا پڑتے ہیں۔ پوسٹر چھپواؤ۔ ڈھنڈورا پٹواؤ۔ اخبارات میں اعلان کرو وغیرہ وغیرہ۔ باوجود اتنی کوشش کے پھر بھی خاطر خواہ اجتماع نہیں ہوتا۔ مگر حضرت محمد صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان مسلمانوں کے لئے چودہ سو سال سے ہر آٹھویں روز ایک اجتماع مقرر کر دیا ہے۔ جسے یہ لوگ جمعہ کہتے ہیں۔ چنانچہ لیگ والے بڑے مزے میں ہیں کہ نہ انہیں پوسٹر چھپوانے کی ضرورت۔ نہ ڈھنڈورا پٹوانے کی حاجت ہر آٹھویں دن بنا بنایا ایک عظیم اجتماع مسجد میں انہیں مل جاتا ہے۔ جہاں جا کر یہ اپنا پروگرام پورا کر لیتے ہیں۔

دیکھا آپ نے ہمارے حضور کی ہر بات کس طرح دین و دنیا کی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ اور جس کا مخالفین کو بھی اعتراف ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم میں دین و دنیا کے فوائد مضمر ہیں ؎

کس چیز کی کمی ہے مولا تیری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبےٰ تیری گلی میں

اسی لئے ہم کہتے ہیں۔ کہ مسلمان اپنے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کا در مبارک در چھوڑ کر کیوں اِدھر اُدھر بھٹکے ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کو اپناؤ۔ اور اپنے دونوں جہان سنوار لو۔ تمہارے ہاتھ میں اگر حضور کا دامن ہے تو سمجھ لو۔ دونوں جہان تمہارے دامن میں ہیں ؎

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست!
دین و دنیا شد تہِ دامانِ اوست!

یاد رکھو۔ سب سے بڑی دولت حضور کی غلامی ہے۔ جسے یہ دولت مل گئی اسے پھر کوئی گھاٹا نہیں۔ اور جسے یہ دولت میسر نہیں۔ وہ چاہے۔ بالے نام امیر کبیر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سراسر گھاٹے میں ہے۔ اور اس گھاٹے کا اس کو کل پتہ چلے گا۔

رشوت و غبن کا حرام مال

بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمیں دوسروں کا حق دبانے۔ ناجائز طور پر کمانے اور رشوت و غبن کا حرام مال کھانے سے روکا ہے۔ تو اسی لئے کہ اگرچہ اس طرح بظاہر تمہارے پاس مال آجاتے گا۔ لیکن اس میں تم گھاٹے میں پڑ جاؤ گے تمہارا ضمیر مردہ ہو جائے گا۔ تمہارا جوہرِ انسانیت فنا ہو جائے گا۔ اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ تمہاری عاقبت برباد ہو جائے گی۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اسی

سلسہ کی ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص کو مٹی کھانے کی عادت تھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک دوکاندار کے پاس شکر خریدنے کے لئے گیا۔ تو دوکاندار نے کہا۔ صاحب! شکر حاضر ہے۔ لیکن یہ دیکھ لیجئے کہ میرے باٹ لوہے کے نہیں ہیں۔ مٹی کے ہیں۔ اگر ان مٹی کے باٹوں سے شکر لینا منظور ہو۔ تو دے دیتا ہوں مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ خریدار چونکہ مٹی کھانے کا شوقین تھا۔ اس لئے وہ مٹی کے باٹ سن کر دل میں بڑا خوش ہوا۔ اور سے (اردو منظوم ترجمہ)

دل میں اپنے یہ کہا مٹی تری ہے مرے نزدیک مصری کی ڈلی

اور پھر کہنے لگا۔ مجھے منظور ہے۔ چنانچہ دوکاندار نے ایک پڑے میں مٹی کے باٹ رکھے۔ اور پھر شکر نکالنے اندر جو گیا۔ تو سے

وصیان پاکے اس طرف عطار کا دل نہ قابو میں رہا گِل خوار کا
وہ کترنے باٹ دانتوں سے لگا دوزخ اپنا خاک سے بھرنے لگا
پھر بچا کے آنکھ اک چھوٹی ڈلی توڑ کے جھٹ جیب میں اپنے رکھی
دیکھتا عطار کن انکھیوں سے تھا دل میں کہتا تھا کہ ہاں شیر اور کھا
تو نہ ڈر میں دل کا کچھ کھوٹا نہیں اور چوری کر مجھے ٹوٹا نہیں
دیکھ لینے کا مرے ڈر ہے تجھے میں یہ ڈرتا ہوں کہیں تو کم نہ لے

یعنی وہ شخص اس کے مٹی کے باٹ کھانے لگا۔ اور سمجھا یہ کہ میں فائدہ میں ہوں۔ اور دوکاندار کا نقصان ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس میں اس کا اپنا ہی نقصان تھا اس لئے کہ جتنی مٹی کھاتا جائے گا۔ اتنی ہی شکر کم تلے گی۔ اور کم ملے گی۔ پس اسی طرح اے بھائیو! دوسروں کا مال کھانے والا یہ نہ سمجھے کہ میں فائدہ میں ہوں۔ ہرگز فائدہ میں نہیں۔ بلکہ جس قدر غبن کرے گا۔ اسی قدر اپنی نیکیاں برباد کریگا۔ جس قدر پرایا مال دبائے گا۔ اسی قدر متاع اُخروی کھوئے گا۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ اس کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ سے

نعمتیں دنیا کی جس میں ہیں مزے
تو نہیں کھاتا وہ کھاتی ہیں تجھے

پس اے عزیزو! اس قسم کی حرکتوں سے بچو۔ کسی سے دھوکا نہ کرو۔

کسی کو فریب نہ دو۔ مسلمانوں کا یہ کام نہیں۔

مسلمان کی شان

مسلمان کی شان تو یہ ہے۔ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ حضرت فاروق اعظم کی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ سیاست و حکمت کے بادشاہ تھے۔ دیکھئے مسلمان کی شان آپ نے جامع مانع دو لفظوں میں فرما کر دریا کو کوزے میں بند فرما دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان وہ ہے۔

اَلَّذِیْ لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ

"جو نہ کسی کو دھوکا دے اور نہ کسی سے دھوکا کھائے"

سبحان اللہ! کیا بات فرمائی ہے یعنی دیندار ہو تو ایسا کہ کسی دوسرے کو دھوکا نہ دے۔ اور ہوشیار ہو تو ایسا کہ کسی دھوکے باز کے دھوکے میں نہ آئے یعنی اس کا دین بھی کامل ہو۔ اور دنیا بھی اس کی درست ہو۔ کسی کو دھوکا نہ دینا یہ کمالِ دین کی علامت ہے۔ اور کسی کے دھوکے میں نہ آنا۔ یہ کمالِ دنیا کی نشانی ہے۔ یعنی مسلمان دین و دنیا کا بادشاہ ہے۔ وہ دیندار بھی ہے۔ ہشیار بھی۔ نمازی بھی ہے۔ غازی بھی۔ عابد بھی ہے اور مجاہد بھی۔ چنانچہ ہمارے اسلاف نے یہ نمونہ بن کر دکھایا۔ اور اسی لئے وہ اکنافِ عالم پر چھا گئے۔ اور بڑے بڑے باجبروت بادشاہوں کو انہوں نے جھکا لیا۔ ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے جو میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے
جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا!
جہاں ٹھہرے درو دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی اُن کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں پر بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے آقا و مولےٰ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دین و دنیا کے رمزو رموز سکھائے۔ اور ہمیں دو جہان میں کامیاب بننے کا درس دیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔

کہ ایسا خیر خواہ۔ غمخوار۔ اور رؤف و رحیم پیغمبر ہمیں عطا فرمایا۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان فرمایا ہے۔ کہ مسلمان پر یہ میرا بہت بڑا احسان ہے۔ کہ ایسا رسول میں نے انہیں عطا فرمایا

مسلمانو! اب ایک آخری بات بھی سن لو۔ خدا تعالیٰ کا یہ احسان اس لئے بھی ہے۔ کہ اس نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو لباس بشریت میں ملبوس کرکے ہمارے پاس بھیجا۔ خوب یاد رکھو۔ کہ حضور کی حقیقت کو تو حضور کا خالق ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم اتنا جانتے ہیں کہ حضور نور تھے۔ اور نور ہیں۔ اور نورٌ علےٰ نور ہیں۔ اور یہ جو بشریت مقدسہ ہے۔ یہ ایک لباس و نقاب ہے۔ اور یہ جو حضور نے اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ فرمایا۔ اس میں بھی ایک حکمت و راز ہے۔ اور وہ سلطان محمود کی ایک حکایت سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔

سُلطان محمُود کی حکایت

سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کا دستور تھا۔ کہ وہ اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے رات کو شہر کی گشت لگایا کرتے تھے۔ تاکہ حالات کا مطالعہ کریں۔ چنانچہ ایک دفعہ وہ نصف رات کے وقت منہ پر نقاب ڈالے ہوئے شہر میں پھر رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک چوک میں چار چور بیٹھے ہوئے دیکھے۔ چوروں نے جو سلطان کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہ ڈر کر اٹھے اور بھاگنے لگے۔ سلطان نے دیکھا۔ کہ یہ ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔ تو آپ نے دور ہی سے پکارا۔ کہ ڈرو مت۔

اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ

چوروں نے جو یہ آواز سنی۔ تو وہ اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کا معنی یہ سمجھے۔ کہ یہ بھی کوئی ہماری مثل چور ہی ہے۔ چنانچہ وہ اس غلط ترجمہ پر مطمئن ہو کر پھر بیٹھ گئے۔ اور سلطان محمود بھی ان میں تشریف لے آئے۔ اور ان سے آکر دریافت کیا۔ کہ تم مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں تھے؟ وہ بولے۔ کہ ہم نے سمجھا۔ کوئی سپاہی یا چوکیدار ہے۔ اس لئے ہم نے بھاگنے کی کی۔ سلطان نے فرمایا۔ اور پھر بیٹھے کیوں گئے؟ وہ بولے۔ تم نے جو کہا۔ اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ۔ سلطان

نے فرمایا تو میرے اس کہنے سے تم کیا سمجھے؟ وہ بولے۔ یہی کہ تم بھی ہماری مثل ایک چور ہی ہو۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے اس غلط ترجمے اور غلط فہمی کو؟ بہرحال سلطان نے پھر ان سے دریافت فرمایا۔ کہ تم اس وقت گھر سے کیوں نکلے ہو؟ تو وہ بولے، کہ اُسی غرض سے جس غرض سے تم نکلے ہو: لیجئے اور سنئے ان لوگوں کی غلط فہمی۔ ان لوگوں نے یہ سمجھا۔ کہ ہم جو چوری کی غرض سے نکلے ہیں۔ تو یہ بھی چوری ہی کی غرض سے نکلا ہے۔ حالانکہ میرے بھائیو! گھر سے نکلے تو واقعی وہ بھی تھے۔ اور یہ بھی لیکن۔ ان کا نکلنا اور مقصد سے تھا۔ اور ان کا نکلنا اور مقصد سے وہ نکلے تھے چوری کے لئے۔ اور یہ نکلے تھے رعایا کی حفاظت کے لئے۔ بلاتشبیہ! اے مسلمانو! کھایا پیا ہم نے بھی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے بھی کھایا پیا۔ لیکن ہمارے کھانے پینے کا مقصد اَور۔ اور حضور کے کھانے پینے کا مقصد اور۔ ہم کھاتے پیتے جینے کے لئے ہیں۔ اور حضور نے کھایا پیا ہمیں کھانا پینا سکھانے کے لئے۔ ہم نہ کھائیں پئیں۔ تو مرتے ہیں۔ اور حضور نہ کھاتے پیتے۔ تو ہم پر یہ کھانا پینا جائز کیسے ہوتا۔ اور کھانے پینے کے آداب کون سکھاتا؟ پس حضور نے بھی کھانا پینا تناول فرمایا۔ اور ہم نے بھی کھایا پیا۔ لیکن ؎

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا ؎ واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

ہم کھاتے پیتے ہیں۔ تو اس کی نجاست بن جاتی ہے۔ اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ و سلم نے جو کچھ تناول فرمایا۔ اس کا نورِ خدا بن گیا۔ ہاں تو چوروں نے کہا۔ کہ ہم بھی اُسی غرض سے نکلے ہیں۔ جس غرض سے آپ نکلے ہیں سلطان نے فرمایا۔ تو آج کس کا گھر لوٹنا ہے؟ وہ بولے تو آج تم ہی بتاؤ۔ کہ کس کا گھر لوٹیں۔ سلطان نے کہا۔ تو آج سلطان محمود کا خزانہ لوٹو۔ چور یہ سن کر حیران رہ گئے۔ کہ یہ تو بڑا دل گردے کا مالک اور دلیر ہے۔ اور کہنے لگے۔ یہ تو بڑا اہم کام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ میں جو ساتھ ہوں۔ پھر ڈر کس بات کا؟ چوروں نے کہا۔ تو اچھا ہم تمہارے پیچھے پیچھے ہیں۔ جہاں چاہو

لے چلو۔ دیکھا آپ نے کہ انہوں نے سلطان کو دلیر بھی کہا۔ تعریف بھی کی۔ اور
ان کے پیچھے پیچھے چل کر متبع بھی بن گئے۔ لیکن کیا فائدہ جب کہ سلطان کو
سمجھنے وہ اپنی مثل ہی رہے۔ بہرحال وہ لوگ جب اٹھے۔ تو سلطان نے
ان سے پوچھا۔ کہ تم لوگوں میں کوئی کمال بھی ہے۔ یا یونہی اتنا بڑا کارنامہ سرانجام
دے لوگے۔ چوروں میں سے ایک بولا۔ مجھ میں یہ کمال ہے۔ کہ جسے رات کو ایک
نظر دیکھ لوں۔ صبح میں اسے پہچان لیتا ہوں۔ دوسرا بولا۔ اور میں جانوروں کی
بولیاں سمجھتا ہوں۔ تیسرا بولا۔ اور میں اونچے سے اونچے مکان پر کمند ڈال کر
خود بھی چڑھ جاتا ہوں۔ اور ساتھیوں کو بھی چڑھ لیتا ہوں۔ چوتھا بولا۔ اور میں
اپنی قوتِ شامہ سے زمین کو سونگھ کر یہ بتا دیتا ہوں۔ کہ مال کہاں مدفون ہے۔ اب
وہ چاروں سلطان سے پوچھنے لگے۔ اور آپ میں کونسا کمال ہے؟ سلطان بولے
کہ تم لوگ جب پھانسی چڑھنے لگو گے۔ تو میں اپنی یہ داڑھی ہلاؤں گا۔ تو تمہاری
پھانسی معاف ہو جائے گی۔

سبحان اللہ! کیا بات فرمائی۔ بلاتشبیہ کل قیامت کے روز گنہگار جب
گرفت میں آئیں گے۔ تو حضور شافع النشور صلے اللہ علیہ وسلم کی جب بابِ
شفاعت میں داڑھی مبارک ہلے گی۔ تو ہم گنہگاروں کی سزائیں موقوف ہو جائیں گی۔

بہرحال آگے بڑھے۔ تو انہیں دیکھ کر ایک کتا بھونکا۔ وہ دوسرا چور جو
جانوروں کی بولیاں سمجھتا تھا۔ حیران ہو کر بولا۔ سنو یہ کتا کہہ رہا ہے کہ ان
پانچوں میں بادشاہ بھی موجود ہے۔ وہ کہنے لگے۔ یار ہوش کی دوا کرو۔ ہم میں
بادشاہ کا کیا کام؟ وہ بولا۔ مانو یا نہ مانو۔ مگر خدا کی قسم کتا کہہ یہی رہا ہے۔

خیر آگے بڑھے اور شاہی محل پر کمند ڈالنے والے نے کمند ڈالی۔ اور
سب اوپر چڑھ گئے۔ سونگھنے والے نے سونگھ کر بتایا۔ اور سب نے
شاہی خزانہ لوٹا۔ اور پھر سب شہر سے باہر نکل کر اس خزانے کو تقسیم کرنے
لگے۔ سلطان نے اس وقت فرمایا۔ کہ فی الحال اس کی تقسیم مناسب نہیں۔ ممکن
ہے پولیس سارے شہر کی تلاشی لے۔ اور مال برآمد ہو جائے۔ اس لئے فی الحال
سارا مال یہیں دبا دیتے ہیں۔ اور دو چار ماہ کے بعد اطمینان سے یہاں آکر

اسے تقسیم کرلیں گے۔ سب نے کہا۔ بہت اچھا۔ پھر سلطان نے کہا۔ ذرا اپنے اپنے پتے بتا دو۔ تاکہ ملنے میں سہولت رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے پتے لکھوا دیئے۔ اور پھر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ صبح سلطان نے اٹھتے ہی پولیس کو وہ چاروں پتے دئے۔ اور چاروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔ کہ یہ مخبری کس نے کی۔ اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ ہم تو پکڑے گئے۔ مگر اس پانچویں ہمارے ساتھی کو پولیس نے کیوں نہ پکڑا۔ مختصر یہ کہ چاروں کو پھانسی کا حکم ہو گیا۔ اور چاروں کو جب تختۂ دار پر لے چلے۔ تو سلطان نے حکم دیا۔ کہ ان چاروں کو میرے حضور حاضر کیا جائے۔ چنانچہ چاروں بارگاہِ سلطانی میں حاضر کئے گئے۔ جب حاضر ہوئے۔ تو وہ چور جو یہ کہتا تھا۔ کہ میں جسے ایک بار رات کو دیکھ لوں۔ صبح اسے پہچان لیتا ہوں۔ اس نے جو سلطان کو تخت پر شاہی لباس میں ملبوس بیٹھا دیکھا۔ تو مسکرایا۔ اور آگے بڑھ کر سلام کیا۔ اور کہنے لگا۔

"حضور! اب داڑھی ہلاؤ بھی۔ تاکہ ہماری پھانسی معاف ہو"

سلطان یہ سن کر ہنسا۔ اور فرمایا! پہچان گئے؟ وہ بولا۔ کہ ہاں حضور! واقعی رات کو آپ ہمارے ساتھ ہی تھے۔ ہم میں حاضر تھے ناظر تھے۔ مگر ہم نہ سمجھ سکے۔ پھر سلطان نے حکم دیا۔ کہ ان سب کو چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ رہا کر دئے گئے۔ اور پھر وہ سارے چور وہیں تائب ہو گئے۔ اور سب کے سب اللہ کے مقبول بن گئے۔

بھائیو! اب ذرا سوچو۔ کہ اگر رات کو سلطان محمود اپنی اصلی شکل و صورت میں نکلتے۔ اور ان سے یوں نہ کہتے۔ کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ تو اس صورت میں کیا چور وہیں بیٹھے رہتے؟ ہرگز نہیں۔ وہ بھاگ جاتے۔ اور کبھی چوری ترک کرنے کا انہیں موقعہ نہ ملتا۔ اس لئے حکمت یہی تھی۔ کہ سلطان منہ پر نقاب ڈالے اور " اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ " فرماتے ہوئے ان میں تشریف لاتے۔ اور ان میں رات بھر رہتے۔ اور پھر صبح انہیں موقعہ دے کر ان سے توبہ کراتے اور اللہ کے مقبولوں میں ان کو شامل کرتے۔

بالتشبیہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم جب یہاں دنیا میں تشریف لائے۔

تو خدا نے فرمایا۔ کہ محبوب! تم ان چوروں کافروں کی اصلاح کے لئے تشریف لے جا رہے ہو۔ پیارے نقاب بشریت اوڑھ کر جاؤ۔ اور اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ فرماتے ہوئے جاؤ۔ تاکہ یہ لوگ تم سے غیر مانوس نہ ہوں۔ اور تمہارے پاس بیٹھیں۔ تمہاری باتیں سنیں۔ اور تمہارے ارشادات سے مستفید ہوں۔ اور پھر ان کو موقعہ ہے۔ کہ یہ اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر اللہ کے بندوں میں شامل ہو سکیں؛

چودھواں وعظ

محفلِ میلاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۃ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۃ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۃ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ
مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ
مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ

اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (پ۳ ع۱۷)

حضرات! ربیع الاول شریف کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے۔ جس مہینے میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی۔ اور آپ کے نورانی قدموں نے اس ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنایا۔ اسی ماہِ مبارک کی بارھویں تاریخ کو حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ظہور ہوا۔ اور دنیا کا گوشہ گوشہ اس نور سے پُر نور ہوا۔ اور منظر یہ نظر آنے لگا کہ ؎

نور اندر نور باہر کوچہ کوچہ نور ہے!
بلکہ یوں کہئے کہ سب دنیا کی دنیا نور ہے

عیدِ میلاد

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! یہ جو ہم دو عیدیں مناتے ہیں عید الفطر اور عید البقر۔ (چھوٹی عید اور بڑی عید)۔ یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ میٹھی عید اور نمکین عید۔ اور یہ جو رمضان شریف میں ہمیں لیلۃ القدر عطا ہوئی جس کی شان قرآن نے یوں بیان فرمائی ہے۔ کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ یعنی یہ رات ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ جو ہمیں شبِ قدر عطا ہوئی۔ جس کے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ بنی کلب کے ریوڑ کی بکریوں کی پشتوں پر جتنے بال ہیں۔ اللہ تعالیٰ اتنے ہی گنہ گاروں کو اس رات میں بخش دیتا ہے۔ اور یہ جو ہمیں رمضان شریف کا مہینہ اور اس کے مبارک دن ملے۔ یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں۔ غور کر لیجئے۔ کہ اسی ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کے صدقہ میں ملیں۔ بھائیو! خود ہی سوچ لو۔ کہ اگر ربیع الاول شریف کی بارھویں تاریخ نہ ہوتی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو کیا ہمیں چھوٹی یا بڑی عید ملتی؟ لیلۃ القدر حاصل ہوتی؟ شبِ قدر ملتی؟ رمضان شریف ملتا؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! اگر مدینہ کا چاند طلوع

نہ فرماتا۔ تو نہ عید الفطر کا چاند کوئی دیکھتا۔ اور نہ عید بقر کا۔ نہ رمضان شریف کا چاند نظر آتا۔ اور نہ شب قدر والے مہینے شعبان کا۔ حضور ماہ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع فرمایا۔ تو عیدیں بھی آئیں۔ اور قدر و منزلت کی راتیں بھی بن گئیں۔ "اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست" کے مطابق یہ سب بہاریں، یہ سب مسرتیں، اور یہ ساری عیدیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے میلاد پاک کے صدقہ میں ہیں۔ اسی لئے اعلیحضرت نے فرمایا ہے کہ ؎

وہی جلوہ شہر بشہر ہے وہی اصلِ عالم و دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے
یہ صبا سنک وہ کلی چٹک یہ زباں جھک لبِ جُو چھلک
یہ جھک جھلک یہ چمک دمک سب اسی کے دم کی بہار ہے

اور یہ "عید میلاد" ہی کا صدقہ ہے۔ کہ ہم نے دوسری دو عیدیں بھی پائیں۔ ؎

یہ بہاریں یہ پھبن ان میں کہاں سے آتیں
گر نہ پاتیں مرے پیارے کا تَوَسُّلْ عیدیں
عید میلاد نہ ہوتی تو نہ ہوتیں یہ بھی!!
اپنی ہستی پہ کریں غور و تامل عیدیں

اور اسی لئے حضرتِ حسنؔ نے بھی فرمایا ہے کہ ؎

ایک سے بے میں وہ دونوں ایک ہے میں یہ ایک
دونوں عیدوں سے نہیں کم عید میلاد رسول

میرے بزرگو! عید میلاد کے دن فرش و عرش پر خوشی منائی جاتی ہے۔ دنیا بھر میں یہ دن ایک خاص شان سے منایا جاتا ہے۔ اور اس دن میلاد شریف کی محفلیں اور جلسے منعقد کئے جاتے ہیں اور یہ سب باتیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم اور حضور کی شانِ عظیم کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ میرے دوستو! بعض لوگ محفل میلاد کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور یہ ان کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم میں ہر وہ کام جس کی شریعت میں ممانعت

نہیں جائز بلکہ مستحسن اور موجبِ اجرِ عظیم ہے۔ یہ محفل میلاد شریف بھی اسی قبیل سے ہے۔

محفلِ میلاد اس محفل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور حضور کی سیرت و حالات اور آپ کی سیرت مطہرہ و صورت منورہ کا بیان ہوتا ہے۔ اور سب سننے اور سنانے والے اپنے آقا و مولیٰ کے پیارے پیارے اور ایمان افروز کمالات و حالات سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ فرمایئے اس میں کیا قباحت ہے؟ یہ تو مسلمان کے لئے موجبِ صد مسرت و برکت ہے۔ آیئے ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو سمجھ لیجئے دیکھئے! محفل میلاد میں ہوتا کیا ہے؟ یہی نا! کہ

(۱) اجتماع عام ہوتا ہے۔

(۲) اس میں خوش الحانی سے قرآن خوانی ہوتی ہے۔

(۳) پھر خوش آوازی سے نعت خوانی ہوتی ہے

(۴) پھر ذکر ولادتِ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خدا و رسول کے احکام و ارشادات پر وعظ ہوتا ہے۔

(۵) پھر قیام کر کے درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔

(۶) اور پھر شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔

کیوں صاحب! ان باتوں کے سوا محفل میلاد میں اور کیا ہوتا ہے؟ پھر منع کرنے والوں سے پوچھئے۔ کہ ان امور میں سے کونسی ایسی بات ہے۔ جو ناجائز یا بدعت ہے۔ اور جس کی شمولیت سے یہ محفل ناجائز اور بدعت ہو گئی؟ ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ یہ سارے امور جائز بلکہ موجب صد خیر و برکت ہیں۔ آیئے ان امور کے جواز و استحسان پر ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں۔ تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے۔ کہ محفلِ میلاد میں کوئی ایسی بات نہیں جو منع ہو۔ بلکہ ہر بات اچھی اور موجبِ ثواب و برکت ہی ہے۔

اجتماعِ عام سب سے پہلے اجتماع عام کو لیجئے۔ آیئے! قرآن پاک کو پہلے

دیکھیئے۔ کہ خود خدا تعالیٰ نے ایک روحانی اجتماع میں ذکرِ رسالت فرمایا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ (پ۳ ع ۱۷)

"اور جب اللہ نے سب نبیوں سے ان کا عہد لیا۔ کہ میں جو تمہیں کتاب و حکمت دوں۔ اور پھر تمہارے پاس تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمانے والا رسول (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و سلم) تشریف لے آئے۔ تو تم اس (سید الانبیاء) پر ضرور ضرور ایمان لانا۔ اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا (یہ فرما کر پھر خدا نے فرمایا) کیوں تم نے (اس بات کا) اقرار کر لیا؟ اور اس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کی کہ ہاں ہم نے اقرار کر لیا۔ خدا نے فرمایا۔ تو تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں"

کیوں بزرگو! یہ خدا کا وعظ وارشاد اور عہد و پیمان لینا جملہ انبیاء کرام کے ایک اجتماع میں ثابت ہو رہا ہے یا نہیں؟ صاف صاف ارشاد ہے۔ کہ خدا نے جملہ نبیوں سے عہد لیا۔ تو یہ جملہ نبی ایک اجتماع کی شکل میں خدا کے سامنے حاضر تھے۔

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! غور کرلو۔ کہ ہماری ان محفلوں میں ہزار دو ہزار یا کئی ہزار کا اجتماع ہوتا ہے۔ مگر یہ سب سے پہلا اجتماع جو عالمِ ارواح میں ہوا۔ پورے ایک لاکھ چوبیس ہزار کا تھا۔ اور ہمارے ان اجتماعات میں بیان کرنے والے اگر علماء ہوتے ہیں۔ تو اس پہلے روحانی اجتماع میں بیان فرمانے والا خود خداوند کریم تھا۔ اور دیکھ لیجئے۔ ہماری ان محفلوں میں "ذکرِ رسول" ہوتا ہے۔ تو اس پہلے روحانی اجتماع میں بھی "ذکرِ رسول" ہی ہوا تھا۔ آج بعض لوگ ہمیں یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ صاحب آپ کا تو ہر وعظ میں وہی ایک ہی

موضوع ذکرِ رسول اور فضائلِ مصطفےٰ ہی رہتا ہے۔ کوئی اور بات بھی کیا کیجئے۔
لیجئے لوگوں سے ہم کہتے ہیں۔ کہ اس پہلے روحانی اجتماع میں بھی خدا کا موضوع
بھی "ذکرِ رسول" ہی تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے دیکھ لیجئے۔ بجز اس ذکر کے دوسری
کوئی بات ہی نہیں کی۔ پھر کیا وہاں بھی یہی فرمائیے گا۔ کہ اے خدا! کچھ اور
بھی فرمایا ہوتا۔ اتنے بڑے بڑے نبیاء کے بڑے اجتماع میں کوئی دوسری بات
بھی کی ہوتی۔ بھائیو! سمجھ لو کہ جہاں "ذکرِ رسول" ہوا۔ وہاں ہر خیر و خوبی کا ذکر
ہو گیا۔ اور جہاں "ذکرِ رسول" نہیں۔ سمجھ لیجئے۔ کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔

اور سنیئے! — اس آیت کریمہ سے شانِ رسالت کی اہمیت بھی ظاہر
ہو رہی ہے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ کس اہتمام سے اپنے سارے نبیوں سے اس بات
کا عہد لے رہا ہے۔ کہ وہ اس کے محبوب پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا
اقرار کریں۔ ایک اور آیت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے اقرار
کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے روزِ ازل میں تمام ارواح یعنی ہر نیک
و بد اور مسلم و غیر مسلم سب کی روحوں سے ارشاد فرمایا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ
کیا میں تمہارا رب نہیں؟ — قَالُوْا بَلٰی — سب نے جواب دیا۔ ہاں!
اے مولا! تو ہمارا رب ہے۔ دیکھئے۔ ایک اجتماع یہ بھی تھا۔ جس میں صرف
"ذکرِ توحید" ہی تھا۔ اس اجتماع میں نیک و بد مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز
نہ کی گئی۔ بلکہ ہر شخص اور ہر فرد کو اس اجتماع میں مخاطب فرمایا گیا۔ اور
سمجھئے! پہلے [illegible] ذکرِ رسول [illegible]
ہے۔ یعنی جو اجتماع "ذکرِ رسول" کے لئے منعقد کیا گیا۔ اس میں [illegible]
[illegible] تو سب سے [illegible] جو بالکل معصوم
اور ہر قسم کے گناہ سے [illegible] و منزہ ہیں۔ یعنی اس اجتماع میں صرف
انبیاء کرام علیہم السلام کو شریک کیا گیا۔ اور اس میں اشارہ تھا۔ اس امر کی
طرف کہ ذکرِ توحید اور اللہ اللہ کرنے والے تو نیک و بد سبھی ہیں۔ مگر
ذکرِ رسول کرنے اور سننے والے اللہ کے نیک بندے ہی ہیں۔ یہ اشارہ
تھا۔ اس امر کی طرف کہ ایسی مجلس میں جس میں ذکرِ رسول نہ ہو۔ نیک و بد

مسلم و غیر مسلم سبھی شریک ہو سکتے ہیں۔ مگر جو محفل محفل میلاد شریف ہوگی۔ اس میں وہی شریک ہوگا۔ جو ازلی خوش قسمت اور نیک و صالح ہوگا۔

پھر یہ بھی دیکھیئے کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمانے کے بعد جب سب نے "بلٰے" کہہ دیا۔ تو بات ختم۔ مگر اللہ رے شانِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کہ جب محبوب کی باری آئی۔ تو دیکھئے۔ کتنی لمبی آیت ہے۔ کس قدر اہتمام و استحکام سے دریافت فرمایا جا رہا ہے۔ اور کس قدر وعدے لئے جا رہے ہیں۔ اور فرمایا جا رہا ہے۔ اے نبیو! (علیہم السّلام) میرا محبوب آئے، تو دیکھو اس پر ضرور ضرور ایمان لانا۔ اور دیکھو ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ یہ فرما کر پھر فرمایا جا رہا ہے۔ کیوں اے نبیو! (علیہم السلام) تم نے اس بات کا اقرار کر لیا؟ اور میرا ذمہ لے لیا؟ انبیاء کرام علیہم السلام نے اسکے جواب میں جب ہاں فرمائی۔ تو بات ختم نہ ہوئی۔ بلکہ پھر فرمایا فَاشْهَدُوْا۔ اچھا تم اب ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ کہ تم سب نے میرے محبوب پر ایمان لانے اور اس کی مدد کرنے کا وعدہ کر لیا ہے، اس گواہی کے بعد پھر بھی بات ختم نہ فرمائی۔ بلکہ پھر فرمایا گیا۔ کہ وَ اَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ——— اور یاد رکھو میں خود بھی اس بات کا گواہ ہوں۔" دیکھا آپ نے "ربوبیت" کا ذکر فرمایا۔ تو "قالوا بلیٰ" پر بات ختم۔ اور محبوب کی رسالت کا ذکر ہوا۔ تو پختہ عہد و پیمان۔ پھر بار بار تاکید اور پھر ایک دوسرے کی گواہی مزید برآں پھر اپنی گواہی بھی شامل فرما دی گئی۔ دیکھا آپ نے کہ "ذکر رسول" کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ کہ "ذکر رسالت" اگر نہیں تو لاکھ توحید توحید کی رٹ لگائی جائے۔ بالکل بیکار ہے ؎

ہزار عالم و فاضل ہزار زاہد ہو!
اگر ہے شاہِ رُسل سے جدا تو کچھ بھی نہیں

حضرات! میرے اس بیان سے ثابت ہو گیا۔ کہ محفل میلاد کا اجتماع کوئی نئی بات نہیں۔ اگر کوئی آپ سے دریافت کرے کہ ایسا اجتماع زمانہ نبوی میں دکھاؤ۔ تو آپ جواب میں یہ کہئے۔ کہ زمانۂ نبوی تو کیا یہ اجتماع تو زمانۂ نبوی سے بھی پہلے بلکہ ہر نبی کے زمانہ سے بھی پہلے منعقد ہو چکا ہے

اور مزید تسلی کے لئے آپ اس اجتماع کا ثبوت زمانہ نبوی میں بھی سے لیجئے۔ مشکوٰۃ شریف کے ص۵۰۵ پر ایک طویل حدیث موجود ہے۔ جس میں خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کے اجتماع میں اپنا ذکرِ ولادت شریف کرنا مذکور ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے ابتدائی لفظ یہ ہیں:۔

جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَخَرَجَ ـــ یعنے ایک جگہ بہت سے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتماع تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

اور پھر آپ نے ان میں اپنے فضائل بیان فرمائے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی "ذکرِ رسول" کے لئے اجتماع ہوا۔ لہذا ایسا اجتماع جو محفل میلاد میں نظر آتا ہے۔ کوئی نئی بات یا منع نہیں۔ بلکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

خوش الحانی سے قرآن خوانی

دوسری بات جو محفل میلاد میں نظر آتی ہے وہ خوش الحانی کے ساتھ قرآن خوانی ہے

بھائیو! قرآن خوانی کی برکات سے کون انکار کر سکتا ہے؟ "قرآن خوانی" کو غنیمت سمجھو۔ اور موجبِ صد خیر و برکت سمجھو۔ اور خدا را ایسی مجلسوں، اور محفلوں کو جن میں قرآن خوانی ہوتی ہے۔ برا نہ کہو۔ قرآن پاک کی تلاوت وسماعت سے تو ہزار بلائیں دور ہوتی ہیں۔ پھر یہ کیا ظلم ہے۔ کہ ایسی مجلسیں جن میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہو۔ روک دی جائیں۔ اور انہیں بدعت قرار دیا جائے۔ بھائیو! خوب یاد رکھو کہ قرآن پڑھنے اور سننے سے دنیوی اور اُخروی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

قرآن خوانی کی برکتیں

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَ يَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ (ترغیب منذری ص۳۲) ـــ یعنے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جو لوگ قرآن پڑھنے اور سننے سنانے کے

لئے جمع ہوں۔ تو ان پر اللہ کی طرف سے فضل و سکون نازل ہوتا ہے۔ اور رحمتِ حق انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔

دیکھئے اس حدیث شریف میں قرآن پاک سننے اور سنانے کیلئے جمع ہونا کس قدر موجبِ اجر و ثواب بیان فرمایا گیا ہے۔ اور محفلِ میلاد میں قرآن پاک بھی سنا اور سنایا جاتا ہے۔ اور اسی پاک مقصد کے لئے وہاں اجتماع بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ محفل کیوں ایسی محفل نہ ہو۔ جس پر اللہ کی طرف سے فضل و کرم کی بارش ہوتی ہے۔ اور جسے فرشتے گھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ کی رحمت جس پر نازل ہوتی ہے ؎

سلام اس پر کہ جس کے نام سے دل چین پاتے ہیں
سلام اس پر فرشتے ذکر جس کا سننے آتے ہیں
سلام اس پر کہ جس کا تذکرہ قرآں کرتا ہے
سلام اس پر کہ جس کا ذکر خود رحمٰن کرتا ہے

پڑھئے تو درود و سلام اور میرے ساتھ مل کر کہئے کہ ؎

ذاتِ والا پہ بار بار درود! — بار بار اور بے شمار درود!
روئے انور پہ نور بار درود! — زلفِ اطہر پہ مشکبار درود!
ان کے ہر جلوہ پر ہزار سلام! — ان کے ہر لمحہ پر ہزار درود!
مرقدِ پاک کروڑ بار سلام — اور سراپا پہ بے شمار درود!

ہاں تو میرے بھائیو! محفلِ میلاد میں قرآن خوانی بھی ہوتی ہے اور یہ ایک بڑی باعثِ برکت چیز ہے۔ مسلمان کی ساری عزتیں اور رفعتیں اسی قرآن پاک سے وابستہ ہیں۔ پہلے مسلمانوں نے عروج پایا تو اسی قرآنِ پاک کی بدولت۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ ؎

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر!
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اگلے لوگ قرآن پاک سے شغف رکھتے تھے۔ اور ان کے ایک ایک بچہ

کر تلوار تھی۔ تو دوسرے ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا۔ گویا وہ دین و دنیا کے بادشاہ تھے اور اس قرآن و تلوار کے اجتماع میں ایک راز یہ بھی ہے۔ کہ جب قرآن پاک پر کوئی گستاخ حملہ آور ہو۔ تو مسلمان کا تلوار والا ہاتھ اٹھے۔ اور تلوار سے اس گستاخ کو اس کی بیباکی سے روک لے۔ اور جب تلوار ناجائز موقعہ پر اور کسی بے گناہ پر اٹھنے لگے۔ تو مسلمان کا قرآن والا ہاتھ اٹھے۔ اور قرآن اس تلوار کو بے موقعہ اور بے گناہ پر چلنے سے روک دے۔ دیکھ لیجئے۔ ہمارے مشرقی پنجاب اور جموں کے مسلمان بھائیوں کے پاس قرآن تو تھا۔ مگر تلوار نہ تھی۔ تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ دشمنوں نے قرآن پاک کی بے حرمتی کر ڈالی۔ اور یورپ کے پاس تلوار تو ہے۔ مگر قرآن نہیں۔ تو اس کا بھیانک نتیجہ یہ نظر آ رہا ہے۔ کہ نہتوں اور بے گناہوں پر بم برس رہے ہیں۔ اور اس ظلم وستم اور جور و استبداد کو لوگ ترقی و تہذیب کا نام دے رہے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ دنیا کے حکام اگر قرآن پاک کی تعلیم کو پیش نظر رکھیں تو دنیا بھر سے ظلم وستم مٹ جائے۔ اور ساری دنیا امن و چین کی زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ آج کل کی تہذیب میں مادہ پرستی کے سوا اور کچھ بھی ہی نہیں۔ اور یہ لوگ روحانیت اور مذہب سے بالکل بیزار ہو چکے ہیں۔ اور جو لوگ روحانیت و مذہب کے نام لیوا ہیں۔ یہ مادہ پرست چاہتے ہیں کہ انہیں مٹا دیا جائے۔ مگر ہو یہ رہا ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں یہ لوگ خود ہی مٹ رہے ہیں۔ اور دین و مذہب کا مذاق اڑانے والے خود ہی بموں سے اڑ رہے ہیں

نئی تہذیب

میرے بھائیو! اس نئی تہذیب نے دنیا کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ جب سے یہ نیا دور شروع ہوا ہے۔ اور یہ نئی تہذیب لیلا تشریف لائی ہیں۔ دنیا کا کیا حال ہو رہا ہے؟ نہ دن اطمینان سے گزرے۔ نہ رات چین سے کٹے۔ مانا ہے۔ کہ اس نئے دور میں ریل گاڑیاں۔ موٹر کاریں۔ ہوائی جہاز اور راکٹ وغیرہ اور ریڈیو — وائرلیس وغیرہ بہت کچھ ترقی یافتہ چیزیں سامنے آگئی ہیں۔ مگر بھائیو! یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے دلی اطمینان کھو ڈالا ہے۔ اور اطمینان بغیر دین کے

اطمینان ہی تھا۔ جب وہ ہی نہ رہا۔ تو ترقی کی ہزار چیزیں بھی سامنے ہوں تو بے کار ہیں۔ آج اس دورِ ترقی میں پیاس بھی آسانی سے اور اطمینان سے نہیں بجھائی جا سکتی۔ پیٹ بھی سہولت و ارزانی سے نہیں بھرا جا سکتا۔ دنیا بھر کے عوام کی اگر دلی آواز سنو تو سنائی یہی دے گا۔ کہ اے اللہ! یہ کاریں۔ ریلیں اور ہوائی جہاز۔ اور یہ راکٹ و سیارے۔ اور یہ ریڈیو، ٹیلی وژن اور یہ دنیوی تعیش کے جملہ سامان اور نئی تہذیب کی جملہ نزاکتیں تو واپس لے لے۔ اور وہی پرانا اور فرسودہ زمانہ جس میں ہر شخص چین اور سکھ سے دن بھر محنت کرتا۔ اور اطمینان و راحت سے رات بھر سوتا تھا۔ اور دو وقت مزے سے پیٹ بھر کے کھانا کھاتا۔ اور دینے والے مولا کا شکر ادا کرتا تھا۔ ہمیں لوٹا دے۔ الٰہی ہم اس ترقی یافتہ دور سے تنگ آ گئے۔ در یہ زندگی ہمارے لئے وبالِ جان بن گئی ہے۔ مولا! ہمیں اس ترقی سے بچ اور ہمیں وہی پرانا زمانہ عطا فرما دے۔ جس میں بیشک آج کل کی سی "ترقیاں" نہ تھیں۔ لیکن آج کل کی سی جان لیوا "تنگیاں" بھی نہ تھیں۔ ؎

آج کل بے کل ہیں کُل اہلِ جہاں!
امن و عافیت کا گویا کال ہے

میرے بھائیو! یہ بے کلی اور بے چینی جو آج دنیا بھر میں عام ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ جو قرآن نے بیان فرمائی۔ کہ

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔

یعنی جس نے اللہ کے ذکر سے منہ پھیر لیا۔ اس کے لئے زندگانی تنگ کر دی جائے گی۔

چنانچہ دیکھ لیجئے۔ آج دنیا میں بالعموم ذکرِ حق سے اعراض پایا جاتا ہے۔ اور اس کی پاداش میں بالعموم تنگ زندگی، اور بے چینی ہی نظر آ رہی ہے۔ میرے بزرگو۔ دوستو اور عزیزو! اگر چین و راحت کے طالب ہو۔ تو آؤ سب خدا کے آگے جھک جاؤ۔ اور اس کی یاد کو اپنا لو ؎

چین و راحت کا اگر طالب ہے تو

یاد اُو کن یاد اُو کُن یاد اُو

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ پہلے مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی۔ اور دوسرے ہاتھ میں قرآن۔ اور وہ دین و دنیا کے بادشاہ تھے۔ ان کی قرآن دوستی کی بدولت فرشتے بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ اور ان کی مدد کے لئے اترا کرتے تھے۔ اور ان کی شمشیر زنی کی بدولت قیصر و کسریٰ بھی ان سے لرزتے تھے۔ اور ان کے باج گزار بن جایا کرتے تھے۔ شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اسکے ساتھ قیصر کو پسینہ آئے
جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا
جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

مگر آہ! — آج یہ اوصاف ہم میں نہ رہے۔ اور وہ ہاتھ جن میں کبھی قرآن و تلوار ہوتی تھی۔ آج ان ہاتھوں میں کیا ہے؟ لیجئے حاجی حق حق کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ؎

تعیش کے لئے توبے، تزئین کے لئے ہیں ہوں
رباب و چنگ تیرا۔ میرا تسبیح و مصلےٰ ہے
وہ جن ہاتھوں میں لے حق حق کبھی تلوار ہوتی تھی
اب ان میں کنگھی آئینہ ہے یا پھر گیند بلا ہے

اور حاجی صاحب نے پنجابی زبان میں یہ بات یوں لکھی ہے کہ ؎

پھڑکے جو تلوار ہتھ وچ مشکلاں سی کھول دا
دکھیو لوہے اُس دے ہتھ وچ اج بٹیرا بول دا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ محفل میلاد میں قرآن خوانی بھی ہوتی ہے۔ اور قرآن خوانی کی برکتوں سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا؛ پھر اس محفل

کا انکار کیوں کیا جائے؟ ہاں اگر یہ کہا جائے۔ کہ اس محفل میں پڑھنے والے خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔ تو اس کے متعلق بھی ارشادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سن لیجئے۔ حضور فرماتے ہیں:-

زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ — "یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے مزیّن کرو"

دوسری جگہ فرمایا کہ:-

حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا — "یعنی اپنی آوازوں سے قرآن کی تحسین کرو۔ کہ خوش آوازی حسنِ قرآن میں اضافہ کر دیتی ہے"

یہ حدیثیں مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۱۹۱ پر دیکھ لیجئے۔ اور فیصلہ کر لیجئے۔ کہ خوش آوازی و خوش الحانی سے قرآن پاک کا پڑھنا ارشادِ نبوت کی تعمیل ہے یا بدعت؟ — ہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ "تحسینِ قرآن" کے لئے خوش آوازی بھی ہو۔ اور صحتِ لفظی بھی ہو۔ یہ نہ ہو۔ کہ قرآن پاک پڑھا تو خوش آوازی کے ساتھ جائے۔ مگر اس کے تلفظ و قرأت میں غلطیاں کی جائیں۔ میرے بھائیو! قرآن پاک کو صحت کے ساتھ پڑھنا سیکھو۔ قرآن پاک میں ذرا سی زیر زبر کی غلطی سے معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو ذرا سی غلطی سے زمین و آسمان اور کفر و اسلام کا فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں "اَنْعَمْتَ" کو "اَنْعَمْتُ" پڑھ دینے سے بڑا ہی خطرناک معنی بن جاتا ہے۔ یعنی صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ کے معنی تو یہ ہے۔ کہ "راہ ان لوگوں کی جن پر تو (اللہ) نے انعام کیا۔ اور اگر اَنْعَمْتُ پڑھ جائے گا۔ تو معنی یہ ہوگا۔ کہ "راہ ان لوگوں کی جن پر میں نے انعام کیا" دیکھئے کس قدر خطرناک معنی ہے۔ اسی طرح "ق" اور "ک" یہ دو الگ الگ حرف ہیں اور ان دونوں کے مخارج الگ الگ ہیں۔ اور اگر قرآن پڑھنے والا ان میں فرق نہ کرے۔ اور صحیح تلفظ ادا نہ کرے۔ تو معنی میں فرق پڑ جائے گا۔ مثلاً قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ — کو اگر

کُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد — پڑھا جائے۔ تو معنی کچھ اور ہی ہو جائے گا۔ "قُل" کا معنی تو ہے "کہو" — اور — کُل کا معنی ہے "کھاؤ" فرمایئے۔ اگر قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد۔ کی جگہ کُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھا جائے۔ تو کیا معنی یہ نہ ہو جائے گا۔ کہ کھاؤ اللہ ایک ہے۔

لطیفہ چنانچہ ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ کہ ایک شخص نے یہ حدیث سن لی کہ " لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔ یعنے قلب حاضر نہ ہو۔ تو نماز کامل نہیں ہوتی۔ یہاں " قلب" کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے "دل" اور چھوٹے کاف سے "کلب" کتے ہی کے کو۔ چنانچہ یہ حدیث سننے والے نے "قلب" کو "کلب" سمجھ لیا۔ اور جب بھی وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا۔ پہلے اپنے سامنے ایک کتا باندھ لیتا۔ کسی شخص نے یہ قصہ دیکھا۔ تو اس سے کہا۔ میاں تم یہ کیا کرتے ہو۔ کہ نماز پڑھتے ہوئے سامنے کتے کو باندھ لیتے ہو۔ وہ کہنے لگا۔ میں عامل بالحدیث ہوں۔ اور چونکہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ "لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ"۔ یعنے نماز کامل نہیں ہوتی۔ جب تک "کلب" حاضر نہ ہو۔ اس لئے میں کتا سامنے حاضر کر لیتا ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ میاں وہ تو بڑے قاف سے "قلب" ہے۔ جس کا معنی دل ہے۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ میں بھی اسی لئے بڑا ہی کتا باندھتا ہوں۔

میرے دوستو۔ دیکھیے آپ نے اس عامل بالحدیث کو کہ اپنے زعم میں تو وہ عامل بالحدیث تھا۔ مگر کیا وہ واقعی عامل بالحدیث ہی تھا ہرگز نہیں بھائیو! حدیث پر عمل کرنے کے لئے بھی کسی فقیہہ و مجتہد کا دامن پکڑنا پڑیگا ورنہ اپنی سمجھ سے تو وہی کتا باندھنے والی بات ہو جائے گی۔

الغرض قرآن پاک کو خوش آوازی سے پڑھنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ جو نئی ہو۔ اور حدیث سے ثابت نہ ہو۔

نعت خوانی اس کے بعد نعت خوانی کا نمبر آتا ہے میرے بزرگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو نعت خواں نہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ مسلمان ہی نہیں۔ قرآن پاک سارا حضور کی نعت ہے۔ خود خدا

حضور کا مدّاح ہے۔ حضور کی نعت نظم میں ہو یا نثر میں۔ جانِ ایمان ہے۔ اور خود نامِ نامی اسمِ گرامی مُحمّد کے معنی ہی میں نعت موجود ہے۔ یعنی "محمد" کہتے ہی اسے ہیں۔ جس کی سب نعت پڑھیں۔ اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ۔ وہ ذات جس کی پے درپے اور متواتر حمد کی جائے اسے محمد کہتے ہیں۔ "محمد" کا معنی ہے۔ "حمد کیا گیا"۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چونکہ فرش و عرش والے سبھی حمد وثنا کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے آپ کا نام ہے " محمّد"۔ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم —

محمود و مُحمّد

میرے بزرگو! قرآن پاک میں آتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس آیت کریمہ کے مطابق ہر حمد وثنا اللہ کے لئے ثابت ہے۔ اور سب مخلوق اُس کی حامد ہے۔ اور جس کے سب حامد ہوں اُسے "محمود" کہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ کا ایک نام محمود بھی ہے اب آئیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت ملاحظہ فرمایئے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بھی "محمد" ہے۔ اور یہ آپ معلوم کرچکے۔ کہ "محمّد" بھی اسے کہتے ہیں۔ جس کی سب مخلوق "حامد" ہو۔ پس ثابت ہُوا۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کی ساری مخلوق حامد ہے۔ اسی لئے اللہ کا ایک نام "محمود" ہے۔ اور اس کے محبوب کا ایک نام "محمّد" ہے۔ اور اسی لئے حضرت حسان فرماتے ہیں کہ ؎

شَقَّ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ
فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٌ

یعنی خدا نے اس نام کو اپنے نام پاک سے چیرا تاکہ روشن ہو جائے پس عرش والا (خدا) تو محمود ہے۔ اور یہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) محمد ہے

میرے بزرگو! ذرا غور کیجئے۔ کہ ہمارا اللہ "محمود" ہے۔ اور ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) محمد ہے۔ دیکھ لیجئے "محمود" اگر میم سے شروع ہوتا ہے

تو " محمد" بھی میم ہی سے شروع ہوتا ہے۔ محمود کا دوسرا حرف ح ہے۔ تو محمد کا بھی دوسرا حرف ح ہے۔ محمود کا آخری حرف اگر د ہے تو " محمد" کا بھی آخری حرف د ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف حرف " واؤ " کا جو " محمود" میں ہے۔ مگر محمد میں نہیں۔ تو بھائیو! یہ اس لئے کہ " واؤ " حرف علت کہلاتا ہے۔ تو یہ حرف " محمود" میں آکر گویا بتا رہا ہے۔ کہ " محمود" کی حمد وثنا تو علت والے بھی کر لیتے ہیں۔ مگر محمد کی حمد وثنا وہی کرے گا۔ جس میں کوئی علت نہ ہو۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ نام پاک " محمد" کے معنی ہی میں نعت موجود ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کا نام لیتا ہے۔ وہ گویا نعت پڑھتا ہے۔ یہ نام لینا اور پھر نعت خوانی کا اقرار نہ کرنا کس قدر غلطی ہے۔

میرے بزرگو! بڑے بڑے صحابہ کرام اور بزرگانِ دین نے نظماً بھی حضور کی نعت خوانی فرمائی ہے۔ اور یہاں تو یہ سٹیج ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے اپنے منبر پر صحابہ کرام حضور کی نعتیں پڑھتے رہے۔ چنانچہ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کی نعت خوانی کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور کے سامنے حضور کی نعت خوانی فرماتے۔ اور آپکی مدح وثنا میں شعر پڑھتے تھے۔

سٹیج بچھانا

چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُوْمُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ــــ (مشکوٰۃ شریف صـ۴۱۰)

یعنے حضور صلے اللہ علیہ و سلم اپنے نعت خواں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے اپنی مسجد میں منبر رکھتے۔ اور حضرت حسان اس منبر پر کھڑے ہو کر حضور کی نعت خوانی فرماتے۔

دیکھ لیجئے! اس حدیث سے سٹیج بچھانا بھی ثابت اور نعت خواں کا اس پر کھڑے ہو کر نعت پڑھنا بھی ثابت۔ اور پھر حدیث میں ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم حضرت حسان سے نعت سن کر اپنے نعت خواں کے لئے یوں دعا فرماتے:۔

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

"اے اللہ! حسان کی روح قدس سے مدد فرما"

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضور کی شعروں میں نعت پڑھی تھی۔ پہلے آپ نے حضور سے اجازت طلب کی۔ کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے میں حضور کی نعت خوانی کروں۔ تو حضور نے فرمایا:-

قُلْ لَا یُفْضِضِ اللّٰہُ فَاکَ

"اے عباس! اجازت ہے کہو جو کہنا ہے اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے"

اس کے بعد حضرت عباس نے صحابہ کے بھرے اجتماع میں ایک طویل نعت پڑھی۔ جو مواہب لدنیہ کے ص۱۷۵ جلد ۱ پر موجود ہے۔

بھائیو! دیکھ لو۔ یہ نعت خوانی بھی صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام حضور کے سامنے اور صحابہ کے مجمع میں نعت خوانی کرتے رہے۔ پھر یہ نعت خوانی بدعت کیوں ہو۔ ہاں نعت خوانی کو بدعت کہنا ضرور بدعت ہے۔

ذکر ولادت و وعظ

اب آیئے چوتھے نمبر پر وعظ و ذکر ولادت ہے۔ آپ یہ تو سن ہی چکے۔ کہ خود خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کے اجتماع میں حضور کی تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ — میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ولادت اور آپ کے اوصاف جمیلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ اور لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ میں بھی ذکر ولادت ہے۔ اور خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا ذکر ولادت فرمایا ہے چنانچہ فرمایا:-

اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ وَسَاُخْبِرُکُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَۃُ اِبْرَاہِیْمَ وَبَشَارَۃُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَدْ خَرَجَ لَھَا نُوْرٌ

اَنۡجَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ ۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۰۵)

یعنی میں اس وقت بھی اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم علیہ السلام اپنی مٹی اور خمیر میں تھے۔ اور میں تمہیں اپنی ابتدا کی خبر دیتا ہوں۔ میں دعا ابراہیم کا نتیجہ ہوں۔ اور میں ہی بشارت عیسے ہوں۔ جو آپ نے اپنی قوم کو دی۔ اور میں ہی اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں۔ جو میری والدہ نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا۔ والدہ محترمہ سے میری ولادت کے وقت ایک ایسا نور ظاہر ہوا تھا۔ جس کی روشنی سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔"

نیز فرمایا:۔

وَمِنْ كَرَامَتِیْ عَلٰی رَبِّیْ وُلِدْتُ مَخْتُوْنًا ۔ (تاریخ الخمیس صہ ۲۳۱)

یعنی میرا ایک شرف یہ ہے۔ کہ میں مختون پیدا ہوا۔

علاوہ ازیں حضور نے کئی بار اپنی ولادت طیبہ اور اپنے فضائل بیان فرمائے۔ (دیکھیئے مشکوٰۃ شریف۔ مواہب لدنیہ وغیرہ)

تو ذکر ولادت قرآن سے بھی ثابت اور حدیث سے بھی۔ پھر یہ بدعت کیسے ہو سکتا ہے؟ باقی رہا وعظ یعنی مسلمانوں کو پند و نصیحت۔ تو خدا فرماتا ہے:۔

فَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

یعنی وعظ کہو۔ کہ یہ وعظ مومنوں کیلئے نافع ہے

تو فرمایئے محفل میلاد میں یہ سب باتیں تعمیل ارشاد حق ہوئیں یا بدعت؟

قیام و سلام

باقی رہا قیام و سلام کا مسئلہ۔ تو اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں کہ درود و سلام کا پڑھنا بہت بڑا نیک کام ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ اور خدا کا یہ ارشاد مطلقاً ہے۔ بغیر کسی قید کے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا۔ کہ میرے محبوب پر صلوٰۃ و سلام بیٹھ کر ہی پڑھو خبردار قیام کر کے نہ پڑھنا۔ تو جو شخص قیام کر کے سلام پڑھنے کو ناجائز کہے۔ وہ گویا خود اپنی طرف سے ایک قید بڑھاتا ہے۔ جو بدعت ہے۔ مسلمانو! صلوٰۃ و سلام

کا پڑھنا بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، کھڑے ہو کر ہر طرح جائز و مستحسن ہے۔ ہاں بعض مواقع ایسے ہیں۔ جن پر درود شریف بیٹھ کر ہی پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً التحیات ہیں۔ اور اسی طرح بعض مواقع ایسے بھی ہیں۔ جن پر درود شریف قیام کی حالت ہی میں پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ بات خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ سَلَّمَ۔ (شرح الشفا صلالا ج ۲)

یعنی حضور صلے علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے۔ تو یوں فرماتے ۔" صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ سَلَّمَ "۔

دیکھ لیجئے۔ مسجد میں آنے والا کھڑے کھڑے ہی تو آئے گا۔ تو حضور نے گویا حالتِ قیام میں اپنی ذاتِ انور پر " صلوٰۃ و سلام " پڑھا۔ تو آج ہم بھی اگر اپنے آقا کی سنت کے مطابق قیام میں صلوٰۃ و سلام پڑھیں تو منع کیوں ہو؟

دیکھئے خطیب جب خطبۂ جمعہ میں درود شریف پڑھتا ہے۔ تو منبر پر کھڑے ہو کر ہی پڑھتا ہے۔ تو میرے بھائیو! باستثناء اُن مواقع کے جہاں مثلاً خاص بحالت قعود جس طرح التحیات میں یا خاص بحالت قیام جس طرح خطبہ میں یا مسجد میں داخل ہوتے وقت صلوٰۃ و سلام پڑھنا ثابت ہے۔ باقی اور مواقع میں صلوٰۃ و سلام کو کسی حالت سے خصوصیت نہیں۔ بلکہ بلحاظ مندوب و موجب اجر و ثواب ہونے کے سب حالتوں میں برابر ہے۔ تو کسی ایک حالت کی خصوصیت پر زور دینا، اور دوسری حالت میں صلاۃ و سلام پڑھنے سے روکنا یہ ناجائز و بدعت ہے۔

میرے بزرگو! جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ قیام کرکے بھی صلاۃ و سلام پڑھنا جائز ہے۔ تو آئیے بزرگانِ دین کا تعامل دیکھئے کیا ہے؟ حرمین شریفین بلکہ عموماً اہل اسلام کے علماء اولیاء بلا نزاع ذکر ولادت کے وقت صلاۃ و سلام چونکہ کھڑے ہو کر ہی پڑھتے چلے آتے ہیں۔ اس لئے موافقت جماعت علماء

و اولیاء کے لحاظ سے اس موقعہ پر ہم بھی صلوٰۃ و سلام، قیام کرکے ہی پڑھتے ہیں

شیرینی تقسیم کرنا اب آخری نمبر شیرینی کا ہے۔ تو بھائیو! اس کارِ خیر کے اچھے ہونے میں شبہ کیوں؟ جب کہ خود حضور کا ارشاد ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ۔ (ابن ماجہ ص۲۴۲)

اے لوگو سلام پھیلاؤ۔ اور کھانا کھلاؤ۔

اور یہ بات بھی حدیث سے ثابت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرینی سے بڑا پیار تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوے اور شہد سے بڑا پیار تھا۔

تو شیرینی کا تقسیم کرنا وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ اور یُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔ پر عمل ہے۔ اس میں بدعت کی کونسی بات ہوئی؟

لطیفہ ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا۔ کہ یہ جو آپ محفل میلاد میں لڈو تقسیم کرتے ہیں۔ کیا صحابہ کرام نے بھی کبھی لڈو تقسیم کئے۔ تو اس بزرگ نے جواب دیا کہ تم لڈو کہہ رہے ہو۔ صحابہ نے تو اپنے سر تقسیم کئے تھے۔ سبحان اللہ! کیا مزے کی بات فرمائی۔ کہ ان جانثاروں نے تو حضور پر اپنے سر بھی نچھاور کردئے۔ اور ایک یہ خیال بھی ہے۔ کہ لڈو بھی نہ بانٹے جائیں۔

بہر حال محفل میلاد میں جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ علی الانفراد ہر بات کا جواز و استحسان ثابت ہے۔ پھر اس کا مجموعہ ناجائز کیسے ہو سکتا ہے؟

ایک شبہ کا ازالہ اگر کہا جائے۔ کہ یہ سب باتیں اگرچہ الگ الگ تو جائز ہیں۔ مگر ان سب کا مجموعہ جو محفل میلاد کی شکل میں آتا ہے۔ یہ بدعت ہے۔ تو ہماری گزارش ہے۔ کہ پھر اس اصول کے پیش نظر سارا کھانا پینا بھی ناجائز اور بدعت ہوجائے گا۔ مثلاً ترکاری و سالن کا گوشت جائز۔ گھی جائز نمک مرچ جائز۔ ہلدی و پیاز جائز۔ پانی جائز۔ مگر یہ سب چیزیں مل کر سب ہی جائز

ہیں ۔ اور جب یہ جمع ہو کر ترکاری و سالن کی شکل میں آئیں۔ تو بدعت ہو گئیں۔ اسی طرح چاول ۔ گھی ۔ زعفران ۔ میٹھا یہ سب علیحدہ علیحدہ تو جائز ہیں۔ مگر جب مل ملا کر میٹھا پلاؤ بن گئیں ۔ تو بدعت ہو گئیں ۔

بھائیو! اگر محفل میلاد کا اسی اصول کے پیش نظر انکار کیا جائے گا ۔ تو پھر پہلے روٹی و سالن ۔ اور پلاؤ وغیرہ ماکولات و مشروبات کو بھی بدعت کہہ کر چھوڑنا پڑے گا ۔

پس ثابت ہو گیا۔ کہ محفل میلاد جائز اور موجب صد برکات ہے ۔ اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں۔ جو ناجائز یا بدعت ہو ۔ اس لئے سب مل کر کہئے کہ ۔

ہووے برباد وہ گھر جس میں تری یاد نہ ہو
اجڑے وہ شہر جہاں محفلِ میلاد نہ ہو

ذکر میلاد شریف

حضرات! اب میں ذکر میلاد شریف کرتا ہوں۔ اس ذکر پاک کے بعد پھر قیام و سلام ہوگا۔ اور یہ محفل اختتام پذیر ہو گی۔

خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کا نور پیدا فرما کر پھر اپنے محبوب کا نام ساق عرش پر ۔ بہشت کے دروازوں ۔ قبوں ۔ خیموں اور درختوں کے پتوں پر ۔ حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں اور جنت کی ہر چیز پر لکھ دیا اور یوں عالم ملکوت میں جابجا حضور کی رسالت و نبوت کی خبر مشتہر کر دی۔ پھر جب آدم علیہ السلام کو اللہ نے پیدا کیا ۔ اور آپ جنت میں قیام فرمانے کے بعد باہر تشریف لائے ۔ تو اسی نام مبارک کی برکتوں سے آپ نے اپنے خطا سے معافی حاصل کی ۔ چنانچہ دلائل النبوت میں ہے۔ کہ دانۂ گندم کھانے کے بعد آپ نے خدا سے عرض کی کہ اے اللہ! تجھ سے بحرمتِ محمد معافی چاہتا ہوں۔ خدا نے پوچھا کہ اے آدم! تم نے محمد کو کیسے جانا؟ تو عرض کیا۔

لَمَّا خَلَقْتَنِیْ رَفَعْتُ رَأْسِیْ اِلٰی عَرْشِكَ فَاِذَا فِیْهِ مَكْتُوْبٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ اَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا الخ

(طبرانی شریف صـ۲۷)

اے رب! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے قالب میں روح پھونکی تو میں نے عرش کے پایۂ پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی بہت ہی پیارا وجود ہے۔ جس کا نام تم نے اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہے۔ خدا نے فرمایا۔ اے آدم ٹھیک کہتے ہو۔ جاؤ میں نے محمدؐ کے صدقہ میں تجھے معاف کیا۔ (صلّی اللہ علیہ و سلّم)

الٰہی ہزاروں درود اور سلام ہوں روح محمد پہ نازل مدام
ہوئی تھی جو آدم سے واقع خطا ندامت میں روتے رہے سالہا
جب آدم نے اوپر اٹھائی نظر لکھا پایا نام نبی عرش پر
دعا کی خدا سے کہ میری خطا طفیل اس پیمبر کے بخش اے خدا
ہوئی ان پہ رحمت طفیلِ نبی! خطا ان کی اللہ نے بخش دی
محبو! یہ وہ نام محبوب ہے جو عرشِ الٰہی پہ مکتوب ہے
ہے جنت کے اوراق و اشجار پر لکھا جا بجا نامِ خیر البشر!
عبادات میں حق نے رکھا شمول ملا نام سے اپنے نامِ رسول
اذانوں میں داخل ہے نام آپ کا نمازوں میں شامل سلام آپ کا
درود ایسے محبوب سبحان پر سلام ایسے سلطانِ ذی شان پر

خدا نے یہ نور محمدی جب حضرت آدم علیہ السلام میں منتقل کیا تو حضرت آدم علیہ السلام اپنی پیشانی کے خطوط سے ایک باریک آواز سننے لگے۔ خدا سے عرض کی کہ الٰہی یہ آواز کیسی ہے۔ تو خدا نے فرمایا۔ ھٰذا تسبیحُ محمّد ولدِكَ (نعم النثرتین) یہ تمہارے فرزند محمد کی تسبیح کی آواز ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

سبحان اللہ! یہ نور محمدی ہی کی برکت تھی۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام مسجود ملائک بن گئے۔ اور شیطان بھی اسی نور محمدی کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے مردودِ ازلی بن گیا۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

گرد دید ابلیس گفت ایں فرع طیں ✽ چوں نزاند برمنِ آتش جبیں

ابلیس کو مٹی نظر آئی اور اس نے کہا کہ میں تو آگ ہوں۔ پھر یہ مٹی مجھ سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟" مردود کو مٹی ہی نظر آئی۔ مگر نور کو وہ نہ دیکھ سکا۔

ہاں تو یہ نور محمدی جب حضرت آدم کے سپرد کیا گیا۔ تو آپ سے عہد لیا گیا۔ کہ اس مقدس نور کو اپنی پشت سے ارحام پاک میں نقل کرے۔ حضرت آدم نے اقرار کیا۔ فرشتے گواہ ہوئے۔ اور اس مقدس نور سے حضرت حوا مستفید ہوئیں۔ اور حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ نور پاک اب حضرت شیث میں آگیا تھا۔ اس لئے آپ جملہ اولاد آدم سے زیادہ حسین تھے۔ یہ نور پاک پھر اسی طرح سلسلہ بسلسلہ پاک اصحاب و پاک ارحام میں منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم تک پہنچا۔ اور یہ اسی نور پاک کی برکت تھی۔ کہ حضرت ابراہیم اتنے بڑے آتش کدہ میں بے خوف و خطر چلے گئے۔ تو اے مسلمانو! مبارک صد مبارک !! ؎

ہمیں کیوں نہ ہو انبساط و سرور	کہ تشریف لایا ہے ہم میں وہ نور
کہاں ایسے عالی ہمارے نصیب	کہ بھیجے خدا ہم میں اپنا حبیب
ہماری یہ قسمت کہ ایسا رسول	نبی بن کے فرمائے ہم میں نزول
قیامت تلک بھیج یارب مدام	پیمبر پہ اپنے درود و سلام
سلام ان پہ اور ان کے احباب پر	تمام آل و ازواج و اصحاب پر

یہ نور پاک اسی طرح سلسلہ بسلسلہ منتقل ہوتا ہوا پھر حضرت عبدالمطلب کو عطا ہوا۔ آپ کے جسم سے اسی نور کی برکت سے خوشبو آتی اور پیشانی آپ کی چمکتی تھی۔ قحط سالی کے وقت قریش حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر پہاڑ پر لے جاتے۔ اور خدا کی جناب میں مینہ کے لئے التجا کرتے۔ تو اسی نور پاک کی برکت سے مینہ برس جاتا۔ حتےٰ کہ یہ نور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب تک آپہنچا۔ اس نور پاک کی تابانی و درخشانی سے حضرت عبداللہ اپنے سب بھائیوں میں بلکہ کل قریش میں اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ممتاز نظر آتے تھے۔ آپ کے حسن و جمال کا جا بجا ذکر ہونے لگا اور آپ کی خوبصورتی کل عرب میں مشہور ہوئی۔ دلائل النبوۃ و دیگر کتب میں موجود ہے کہ ایک پڑھی لکھی عورت فاطمہ بنت مرہ جو بنوخثعم قبیلہ کی تھی۔ حضرت عبداللہ کے سامنے آئی۔ اور نور محمدی کا جلوہ دیکھ کر آپ سے عرض کرنے لگی کہ اے عبداللہ

اگر تم مجھ سے نکاح کر لو تو ہم سو اونٹ اس عقد کے عوض تمہیں دیں گے۔ حضرت نے فرمایا۔ بغیر رضامندی والدین کے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ صاف جواب دے کر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جناب کا عقد حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اور یہ نور الانوار نور محمدی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے نصیب میں آیا۔ ایک دن حضرت عبداللہ پھر اسی رستہ سے گزرے۔ اور وہی عورت فاطمہ بنت مرہ آپ کو نظر آئی۔ وہ آپ کی پیشانی کو اس نور کے جلوہ سے خالی دیکھ کر حسرت و افسوس سے ہاتھ ملنے لگی۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا۔ بی بی! آج تم نے مجھ سے وہ سوال کیوں نہیں کیا جو اس دن کیا تھا۔ تو اس نے حسرت سے کہا۔ ؎

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی!
اسی کی تھی میں طالب اسی کی تھی میں دیوانی
مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے
سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے

اس نور پاک نے جب حضرت آمنہ کو منور فرمایا۔ تو اس وقت اللہ نے اپنی قدرت کا عجب جلوہ دکھایا۔　　یک بیک ایک نیا معاملہ پیش آیا۔ تمام ملکوت اور عالم جبروت میں منادی سنایا کہ تمام مقدس مقاموں کو معطر کرو۔ اور اطراف سماوات میں خوشبو لگاؤ۔ مراسم تعظیم بجا لاؤ۔ تمام دنیا کے بت اس دن سر کے بل الٹ گئے۔ اور قریش جو قحط کی شدت میں تھے۔ آپ کی برکت سے نونہال ہو گئے۔ زمین پر سبزے کی بہار ہوئی۔ ہر جانب سے خیر و برکت نمودار ہوئی۔ درختوں میں پھل آیا۔ عرب نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج ٹھہرایا ؎

عجب خیر و برکت کا آیا یہ سال	ہوا جس کے آنے سے عالم نہال
تھے اہل عرب قحط سالی سے تنگ	اڑا شدت غم سے چہرا کا رنگ
نزول ان پہ اب حق کی رحمت ہوئی	عیاں ہر طرف خیر و برکت ہوئی
چھٹے قحط کی سختیوں سے قریش	لگے ہونے ہر گھر میں سامان عیش

پھلے باغ اور خشک سالی گئی　　　کدورت دلوں سے نکالی گئی!

زمیں پر تمام آیا سبزہ نکل　　　درختوں میں خوب آیا زینت سے پھل

گئے باغِ جنت کے دروازے کھل　　　منور ہوئے ارض و افلاک کل

فرشتوں میں تھا شادمانی کا جوش　　　بشارت رساں ہر طرف تھا سروش

یہ غل تھا کہ وہ رشکِ بدرِ منیر　　　ہوئے بطنِ مادر میں رحمت پذیر

درود ایسے محبوبِ سبحان پر

سلام ایسے سلطانِ ذیشان پر

— مواہب لدنیہ میں ہے :-

نَطَقَتْ كُلُّ دَابَّةٍ فِي قُرَيْشٍ وَقَالَتْ حُمِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ هُوَ اَمَانُ الدُّنْيَا وَسِرَاجُهَا — قریش کے گھر کا ہر ایک جانور بول اٹھا۔ کہ لوگو آج رسول اللہ بطنِ مادر میں تشریف لے آئے۔ کعبہ کے رب کی قسم وہ ساری دنیا کے لئے باعثِ امن و امان ہیں۔ اور جہان کے لئے چراغ ہیں۔

— خصائص کبریٰ میں ہے :-

وَمَرَّتْ وُحُوْشُ الْمَغْرِبِ اِلٰى وُحُوْشِ الْمَشْرِقِ وَكَذٰلِكَ اَهْلُ الْبِحَارِ يُبَشِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا — (حجۃ اللہ ص۲۲۵)

مغرب کے رہنے والے وحشی جانور مشرق کے اور مشرق کے رہنے والے مغرب کے جانوروں کی طرف خوشخبری لے کر دوڑے اور اسی طرح دریائی مخلوق ایک دوسرے کو خوشخبری سناتی تھی۔

— یہ زمانہ ربیع یعنی فصلِ بہار کا تھا۔ رات اور دن معتدل تھے۔ نہ سردی کی شدت، نہ گرمی کی حدت۔ ہوا بھی معتدل تھی۔ نہ حد سے زیادہ مرطوب۔ نہ خشک و بد اسلوب — مختصر یہ مدت بکمال خیر و برکت طے ہوئی۔ اور نویں مہینہ کے اختتام کی نوبت آگئی۔ اس وقت ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ اور زمانہ بھی ربیع کا۔ یعنی فصلِ بہار کا۔ بلبلانِ چمن اور طوطیانِ گلشن میں عشرت و شادمانی کا چرچا تھا۔ اور بزمِ گلشن میں ہر مرغِ خوش الحان زبانِ ترنم

ریز سے کہہ رہا تھا۔ ؎

چمن میں خبر گرم اک گل کی ہے — خبر آمدِ سیدِ کُل کی ہے
یہ شہرہ ہے اور گرم ہے یہ خبر — کہ تشریف لاتے ہیں خیر البشر
زمیں پر یہ شہرہ ہُوا دُور دُور — کہ اب رونق افروز ہونگے حضور
ہزارا لگا ابر کا چھوٹنے — درختوں پہ شاخیں لگیں پھوٹنے
کریں اہل دربار جیسے قیام — کھڑے تھے درخت اپنے اپنے مقام
ہوئیں سبز گلشن کی سب کیاریاں — لگیں ہونے بوٹوں پہ گل کاریاں
قبا سبز ہر شاخِ گل کو ملی! — ہوئی پھول کھل کھل کے ہر اک کلی
کہیں طوطیوں کے ترانے کا شور — کہیں داستانِ عنا دل کا زور
ہوا زیب برجِ حمل آفتاب — وہ دن آئے کھلنا ہے جن میں گلاب
وہ رونق ہوئی ہر طرف جلوہ گر — بہشت آئی گویا زمیں پر اُتر!
کھڑی تھی جو سوسن بسوزِ جگر — یہ بولی زباں حال کی کھول کر
کہ اے شاہِ کونین جلد آیئے — جمال اپنا عالم کو دکھلایئے
ستاروں سے پُر زر ہُوا آسماں — بنا چاند تارے کا اک سائباں
جڑے اس میں تاروں کے موتی عجیب — لگی اس میں جھالر شفق کی عجیب
کھنچی کہکشاں کی جو زریں طناب — بچھانے لگا چاندنی ماہتاب
عجب شامیانہ تنا زر نگار — کہ ہو چترِ جمشید اس پر نثار
لگی کرنے ناہید سازِ طرب — کہ اب ہونگے پیدا وہ شاہِ عرب
طبق نور کا بھر کے شمس و قمر! — لئے دوڑے پھرتے تھے افلاک پر
ستاروں نے دیں کھول آنکھیں تمام — کہ دیکھیں گے ہم رُوئے خیر الانام

دُرود ایسے محبوبِ سُبحان پر
سَلام ایسے سلطان ذیشان پر

الغرض ایسے ایام مبارک اور زمانہ متبرک میں اول ماہِ ربیع الاول کا نصف بھی طے نہ ہوا تھا۔ کہ [illegible] کے روز دن کو صبح صادق کے وقت قبل از طلوعِ آفتاب وہ نورِ فلک، بہارِ ملک، باعثِ تخلیق آدم، مقصودِ نژادہ ہزار عالم، امام انبیاء

سید الکونین، رسول الثقلین، سلطانِ دارین حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و سلم کمال حسن و جمال اور نہایت جاہ و جلال سے پیدا ہوئے۔ ے

ولادت کی تشبیہ دوں فی المثل
اندھیرے میں چاند آیا گویا نکل
فضائے جہاں میں وہ چمکا ہے نور
ثریٰ سے ہے تا عرش جس کا ظہور

"قیام!"

اٹھو تعظیم کو سر جھکائے ہوئے　　ہاتھ باندھے ہوئے دل لگائے ہوئے
شورِ صلِ علیٰ کا مچاتے ہوئے　　صوت قدوسیوں سے ملائے ہوئے

"سلام"

اب آپ ذوق و شوق اور حضور قلب سے سب ملکر عرض کیجئے:-

یا نبی سلام علیک!　　یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک!　　صلوٰۃ اللہ علیک　　یا نبی سلام علیک
تم ہو خورشید رسالت!　　مطلع برج ہدایت
کل جہاں زیر حکومت　　ہو کی روئی بزم عنت　　یا نبی سلام علیک
شہر یارِ بحر و بر ہو　　مالک سنگ و شجر ہو
صاحب تیغ و سپر ہو　　فیض بخش بحر و بر ہو　　یا نبی سلام علیک
باعث تخلیق آدم　　وجہِ ایجاد دو عالم
زیب بخش عرشِ اعظم　　راز دارِ رب اکرم　　یا نبی سلام علیک
بیکس و بے بس کھڑا ہے　　آپ سے کچھ کہہ رہا ہے
کون مختارِ خدا ہے　　پھر دعا میں دیر کیا ہے　　یا نبی سلام علیک
مالکِ کنز نہاں ہو!　　خلق کے آرام جاں ہو
ذرے ذرے سے عیاں ہو　　گرچہ آنکھوں سے نہاں ہو　　یا نبی سلام علیک

دُعَا

اے خدا کے لاڈلے پیارے رسُول
یہ سلام عاجزانہ ہو قبُول

اِلٰهی

اس محفل پاک اور صاحبِ محفل سرورِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہم سب کی مغفرت فرما۔ بیماروں کو شفا دے، اور ہماری ہر نیک آرزو کو پورا فرما دے۔ آمین!

بشارت از بارگاہِ رحمت

یَا مَلَائِکَتِی اِشْھَدُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَھُمْ (بخاری)
"میرے فرشتو! گواہ رہو۔ میں نے ان سب کی مغفرت فرما دی"۔

نعرۂ تکبیر — اَللّٰهُ اَکْبَرُ!

نعرۂ رسالت — یا رسُول اللہ!

۱۵
پندرھواں وعظ

اطاعتِ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ؕ

(پ۵ ع۶)

(ترجمہ) "اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے۔ تو اسے ان کا ساتھ ملے گا۔ جن پر اللہ نے فضل کیا۔ یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں" (کنز الایمان)

حضرات! اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا درس دیا ہے۔ اور اس اطاعت کا جو فائدہ ہے۔ اس فائدہ کا ذکر کیا ہے۔ سب سے پہلے اس آیۃ کریمہ کا شانِ نزول سنئے! حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ایک دن وہ بارگاہِ رسالت میں بڑی پریشان حالی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پریشانی کی وجہ دریافت کی۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے حضور سے بیحد محبت ہے۔ اور میں جب تک آپ کو دیکھ نہ لوں چین نہیں آتا۔ آج مجھے ایک خیال نے بہت ستایا ہے اور اسی خیال میں پریشان ہو گیا ہوں۔ اور وہ خیال یہ ہے کہ کل قیامت کو حضور تو جنت میں انبیاء کرام کے ساتھ ہوں گے۔ اور میں حضور کا ایک غلام ہوں۔ میں خدا جانے حضور سے کتنا دُور کسی دوسرے مقام میں ہوں گا۔ تو میں خدا جانے کل جنت میں حضور کی زیارت کر سکوں گا یا نہیں؟ حضور! بس اسی خیال سے پریشان ہو رہا ہوں۔ اس صحابی نے اپنا یہ درد بیان کیا ہی تھا۔ کہ جبریل امین یہ آیت لے کر اتر آئے۔ اور خدا کا پیغام سنا دیا گیا۔ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ کل اٹھیں گے بھی رسول کے ساتھ ہی —

(در منثور صـ۱۸۲ و تفسیر خزائن العرفان)

منکرین حدیث کی تردید

میرے بھائیو! آیت کریمہ کے اس شانِ نزول سے منکرین حدیث کی تردید بھی ہو گئی۔ جو رسول کے معنی قرآن کیا کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ اگر یہاں رسول سے مراد قرآن ہوتی۔ تو ثوبان رضی اللہ عنہ کیا قرآن سے کہہ رہے تھے۔ کہ اے قرآن مجھے تجھ سے بڑی محبت ہے۔ اور میں جب تک تجھے دیکھ نہ لوں۔ مجھے چین نہیں آتا۔ اور کل قیامت میں تُو تو انبیاء کے ساتھ ہو گا۔ اور میں تجھے خدا جانے دیکھ سکوں یا نہ؟ ہرگز نہیں۔ یہ

تو ذاتِ بابرکات حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر ہے۔ اور قرآن میں بھی رسول سے مراد حضور ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

صحابہ کرام کی محبتِ رسول

اس واقعہ سے صحابۂ کرام کی محبت رسول کا اندازہ بھی کر لیجئے۔ کہ ان نفوسِ قدسیہ کو حضور کی ذاتِ گرامی سے کس درجہ محبت تھی۔ کہ وہ حضور کو بن دیکھے قرار ہی نہ پاتے تھے۔

صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ

چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کہ میری تمنا یہ ہے کہ:۔

اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ (منبہات)

یعنی حضور کے چہرۂ انور کو دیکھنا۔

ے
جان و دل اس شہِ لولاک پہ قرباں کیجے
ان کے قدموں پہ تصدق یہ دل و جاں کیجے
یہ تو کیا چیز ہے اک جاں کی حقیقت کیا ہے
لاکھ جاں فرشِ رہِ مقدمِ جاناں کیجے

سبحان اللہ! کیسے مقدر والے تھے یہ لوگ کہ ہر وقت چہرۂ پُر انوار کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اور یہی وہ شرف انہیں حاصل تھا۔ جسکی بدولت وہ تمام امت سے مدارج میں بڑھ گئے۔ یعنی ایک صحابی رسول امت کے تمام اولیاء و ابدال۔ اغواث و اقطاب سے مرتبے میں زیادہ ہے۔ اور یہ بات انہیں کیوں حاصل ہوئی؟ کیا نماز و روزہ اور کثرتِ نوافل سے؟ نہیں اس بات سے نہیں۔ اس لئے کہ یہ نماز روزہ اور کثرتِ نوافل تو اولیائے امت میں بھی پائی جاتی ہے۔ پھر کیا ایثارِ مال اور جذبۂ جہاد سے؟ یہ بات بھی نہیں۔ کیونکہ ایثار مال اور جذبۂ جہاد امت کے دیگر مجاہدین میں بھی پایا جاتا ہے۔ پھر صحابۂ کرام مراتب میں بڑھ کس بات سے گئے؟

تو بھائیو! خوب یاد رکھو۔ کہ صحابۂ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ پر انوار کی بدولت تمام امت سے بڑھ گئے۔ گویا حضور کی نعمت دیدار

پُر انوار ہی موجبِ ترقیٔ درجات ہے۔ تو بھائیو! جس پیارے منہ کی اتنی بڑی شان ہے کہ اسے بنظرِ ایمان دیکھنے والا محض دیکھنے ہی سے امت کے جملہ اولیاء و اقطاب سے بڑھ گیا۔ تو اس پیارے منہ والے کی اپنی شان کس قدر بلند ہوگی؟ اور کیوں نہ وہ پیارا ساری مخلوق میں بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ ہوگا۔ اسی لئے اعلیحضرت نے فرمایا ہے ؎

سب سے اعلےٰ و اولیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی
خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل
اور رسولوں سے اعلےٰ ہمارا نبی

اطاعت کیلئے محبت ضروری ہے

حضرات! اس آیت میں اطاعتِ رسول کا درس دیا گیا ہے۔ اور جس طاعت میں محبت شامل نہ ہو وہ اطاعت معتبر نہیں۔ دیکھئے اگر کسی ظالم کافر بادشاہ نے کسی مسلمان کو گرفتار کرکے یہ حکم دیا ہو۔ کہ میرے بت کو سجدہ کرو۔ ورنہ تجھے قتل کر دوں گا۔ تو اس مسلمان نے اگر ڈر کے مارے مجبوراً اس بادشاہ کی طاعت میں اس بت کو سجدہ کر لیا تو قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ — کی بدولت قرآن کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ اس کی اطاعت کا اور بت کو سجدہ کرلینے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور وُہ مسلمان کا مسلمان ہی ہے۔ ہاں اگر وہ بخوشی اور محبت کے ساتھ اس بت کو سجدہ کرے گا۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اطاعت محبت کے ساتھ ہوگی۔ تو معلوم ہوا اطاعتِ رسول کے لئے پہلے محبتِ رسول کا ہونا ضروری ہے۔ اگر محبتِ رسول نہیں۔ تو پھر اطاعتِ رسول کا بھی کیا فائدہ؟ یہیں سے معلوم ہوگیا ایسے لوگوں کا حال بھی جو بظاہر متبع سنت نظر آتے ہوں۔ لمبی لمبی داڑھیاں بھی رکھتے ہوں اور لمبی لمبی نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ لیکن اگر ان کے دل میں محبتِ رسول نہیں۔ تو ان کی یہ سب ذکر کی عبادتیں اور اطاعتیں ان کے منہ پر ماری جائیں گی۔ اور ان کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔ اور ان کی یہ عبادتیں ایک ایسے کھوٹے سکے کی مانند

ہوں گی۔ جس میں اصلیت نہیں ہوتی اور ایسے کاغذی خوشنما پھول کی طرح ہونگی جس میں خوشبو نہیں پائی جاتی۔ ؎

وہ عبادت ہی نہیں جس میں نہ ہو حُبِّ رسُول
جن میں بُو پائی نہیں جاتی وہ ہیں کاغذ کے پھُول

گستاخیٔ رسُول

میرے بھائیو! خوب یاد رکھو نماز روزہ اور دیگر اعمال ضروری ہیں۔ مگر ان سے بھی زیادہ ضروری اور مقدم محبتِ رسول ہے۔ اور جو شخص بظاہر نمازی و روزہ دار، مطیع و متبع سنت ہو۔ مگر گستاخ رسول ہو تو وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں۔ بے عملی تو معاف کی جا سکتی ہے۔ مگر گستاخیٔ رسول کبھی معاف نہیں کی جا سکتی۔ اور گستاخ رسول کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

مثنوی کی ایک حکایت

مولانا رومی نے ایک گستاخ رسول کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ (اردو ترجمہ منظوم) ؎

مسخرا تھا اک نہایت بے ادب
اس نے اپنی جان پر ڈھایا غضب
جان کر اک روز منہ ٹیڑھا کیا
مسخری سے نام احمد کا لیا
رہ گیا قدرت سے کج اس کا وہاں
تب سُرت مردک کو آئی ناگہاں

یعنی اس گستاخ رسول نے حضور کا نام ٹیڑھا منہ کر کے لیا تو قدرت نے اس کا منہ ویسے کا ویسا ٹیڑھا ہی کر دیا۔ مولانا رُومی نے پھر نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ؎

جب خدا چاہے تری پردہ دری
اس کے پیاروں سے کرے تو مسخری

میں کہہ رہا تھا۔ کہ اطاعت کے لئے پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ضروری ہے۔ اور بجز حبّ رسول کے اطاعت رسول فضول ہے۔

محبّت کی دو قسمیں

حضرات! یہ بھی جان لیجئے۔ کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک محبت طبعی۔ اور ایک عقلی۔ محبت طبعی تو یہ ہے۔ کہ کسی چیز کی طرف انسان طبعاً راغب ہو۔ جیسے انسان کو کھانے پینے سے محبت ہے۔ کہ خود بخود انسان کی طبیعت ہی کھانے پینے کو چاہتی ہے۔ اور محبت عقلی یہ ہے۔ کہ ایک چیز کی طرف انسان کی طبیعت راغب تو نہیں ہوتی۔ مگر جانتا ہے۔ کہ اس کے استعمال میں میرے لئے فائدہ ہے۔ اس واسطے اس کے استعمال پر مجبوراً بھی نفس کو لے آتا ہے۔ جیسے کہ بیمار کے لئے کڑوی دوا مرغوب نہیں ہوتی۔ طبیعت تو اس کی اس کڑوے گھونٹ پر آمادہ نہیں ہوتی۔ مگر عقل سے جانتا ہے۔ کہ یہ دوا پینے میں ہی شفا ہے۔ چنانچہ وہ دوا پی لیتا ہے۔ میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حسن پاک ایسا مرغوب و محبوب ہے۔ کہ طبیعت بھی اس حسن لاثانی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اور عقل بھی اس حسن بے نظیر کی گرویدہ بن جانے کا فتوےٰ دیتی ہے۔ اور یاد رکھئیے۔ اگر کسی غافل کی طبیعت حضور کے ارشادات پر عمل کرنے کی طرف راغب نہ ہو۔ تو وہ بیمار ہے۔ اور اسے مثلاً یہ بات جان لینی چاہیئے۔ کہ کچھ بھی ہو نجات اگر ہے۔ تو اسی اطاعتِ رسول اور فرمانبرداریِ مصطفےٰ میں ہے۔ اگر اطاعتِ رسول کی شافی دوا نہ پی گئی۔ تو ہرگز شفا نہ ہوگی۔ لہٰذا طبیعت کو مجبور کرکے بھی اُسے حضور کے ارشادات کے آگے جھکا دینا چاہیئے۔

نفس سرکش

میرے بھائیو! یہ نفس بڑا ظالم اور سرکش ہے۔ بالخصوص آجکل اس کی سرکشی کا یہ عالم ہے۔ کہ یہ حضور کی اطاعت سے گھبراتا ہے۔ اور طرح طرح کے حیلے بہانوں سے یہ حضور کی اطاعت سے نکل جانا چاہتا ہے۔ بھائیو! اس نفس کو پہلے مارو۔ اس نفس کا مارنا بہت بڑا کمال ہے ایک شاعر لکھتا ہے:۔

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

اس نفس سرکش کو گر ڈھیل دی جائے۔ تو پھر یہ تمام اطاعت رسول سے الگ ہوتا ہوا اطاعت حق سے بھی کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اور نفس فرعون کی طرح

اپنی خدائی کا اعلان کرنے لگتا ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

نفس ہر کس کمتر از فرعون نیست!
لیک او را عون ما را عون نیست

یعنی آج بھی ہر شخص کا نفس فرعون سے کچھ کم تو نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ فرعون کے پاس سازو سامان بہت تھا۔ اس کے نفس نے اپنی خدائی کا اعلان کر دیا۔ ہمارے پاس اتنا سازو سامان نہیں۔ ورنہ ہمارا نفس بھی وہی اعلان کر دے۔

حضرات! دیکھ لیجئے۔ آج کل کسی کو تھوڑا بہت بھی ساز و سامان مل جاتا ہے۔ اور وہ کسی اونچے عہدے پر جا پہنچتا ہے۔ تو وہ نماز روزہ پر مذاق اڑانے لگتا ہے۔ الا ماشاء اللہ! اور یہ حقیقت ہے۔ کہ یہ علماء کرام اور عوام مسلمانوں کا کچھ رعب و دبدبہ ہے۔ ورنہ بعض لوگ آج بھی ایسے ہیں۔ جو اپنی فانی امارت اور چند روزہ شان و شوکت پر اتراتے ہوئے خدا کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے خدا و رسول، اور دین و مذہب کا بظاہر نام لے لیتے ہیں۔ ورنہ دل سے یہ کسی بات کے قائل نہیں۔

بھائیو! آج کل یہ جو فتنے اور طرح طرح کی برائیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ سب اسی ظالم نفس کی کارستانیاں ہیں؟

ایک فاحشہ عورت کا قصہ

اس باب میں ایک عبرت آموز قصہ مذکور ہے۔ کہ ایک شخص کا ایک گاؤں میں گزر ہوا۔ تو اس نے دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اور چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ اس شخص نے وجہ دریافت کی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ایک شخص نے اپنی ماں کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس قاتل سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ تونے اپنی ماں کو کیوں مار ڈالا۔ تو وہ بولا میری ماں فاحشہ تھی۔ ناجائز تعلقات رکھتی تھی۔ اس لئے میں نے اُسے مار ڈالا۔ لوگوں نے کہا۔ میاں! جس شخص سے اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ اُسے مارا ہوتا۔ تو اس قاتل نے جواب دیا۔ بھائیو! اگر اس کے کسی ایک شخص سے ناجائز تعلقات ہوتے۔ تو اُسے مارتا۔ مگر اس کے تو کئی آدمیوں

سے ناجائز تعلقات تھے۔ میں کس کس کو مارتا۔ اس لئے میں نے اسی کو مار ڈالا۔ تاکہ نہ یہ رہے۔ اور نہ کوئی اس سے تعلق پیدا کر سکے۔

حضرات! اسی طرح ہزاروں برائیاں اور نافرمانیاں اسی ایک نفس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ تم کس کس برائی کو مٹاؤ گے۔ آسان علاج یہ ہے کہ اسی ایک نفس کو مار ڈالو۔ تاکہ نہ یہ رہے۔ اور نہ کوئی اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی برائی رہے۔

تو میرے بزرگو! اس نفس کا سر کچل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر اسے مجبور کرو۔ اور حضور کی محبت کو ہر محبت سے مقدم رکھو۔ یہ نفس اگر رشتہ داروں عزیزوں اور دنیوی آرائشوں کی محبت سامنے لائے۔ تو تم حضور کی محبت کو آگے کردو۔

یاد رکھو! حضور کا اپنا ارشاد بھی یہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ـــ یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اپنے باپ، بیٹے، اور تمام لوگوں سے زیادہ اُسے میرے ساتھ محبت نہ ہو"

یعنی جسے دنیا کے ہر شخص سے حضور زیادہ محبوب ہوں۔ وہ ایماندار ہے اور جو کسی دوسرے کی محبت کو حضور کی محبت کے آگے لے آئے وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ اس کا ایمان کامل نہیں۔ شاعر لکھتا ہے ؎

حبِ محبوبِ خدا اے دل جسے حاصل نہیں
لاکھ مومن ہو۔ مگر ایمان میں کامل نہیں

حدیث مذکور میں کسی اپنے عزیز سے محبت نہ رکھنے کا ارشاد نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا گیا ہے۔ کہ سب سے محبت رکھو۔ مگر میری محبت سب سے زیادہ اور سب کی محبتوں سے مقدم و بالا ہو۔ چنانچہ فتح مکہ کی جنگ میں صحابہ کرام علیہم

صحابہ کرام کی محبتِ رسول

الرضوان کو حضور نے حکم دیا۔ کہ جو مشرک سامنے آئے۔ اُسے مار ڈالو۔ چاہے وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ تو اس ارشادِ رسول پر صحابہ کرام نے جو عاشقانِ جمال

نبوی اور طالبانِ رضار مصطفٰے تھے۔ کچھ ایسا عمل کیا۔ اور اطاعت رسول کا وہ مظاہرہ کیا۔ کہ چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنوں بیگانوں میں کوئی تمیز نہ کی۔ اور اس جنگ میں جو بھی سامنے آیا۔ اس سے قتال کیا اور مارا۔ باپ دادوں۔ بھائیوں اور عزیزوں کی کچھ تمیز نہ کی۔ باپ سامنے آیا۔ تو اسے مار ڈالا۔ بیٹا آیا۔ تو اسے نہ چھوڑا۔ یہ نہ دیکھا۔ کہ یہ میرا باپ ہے یا بیٹا۔ بلکہ اس وقت یہ جذبہ کار فرما تھا۔ کہ یہ سامنے آنے والا دشمنِ رسول ہے۔ اور اس سے مقابلہ کرنے اور اسے قتل کرنے میں اطاعتِ رسول ہے۔ اور اسی سلسلہ کی کڑی ایک وہ روایت بھی ہے۔ جس میں مذکور ہے۔ کہ جنگِ احد میں ایک عورت

ایک عورت کا جذبۂ ایمانی

کا باپ بھی شہید ہو گیا۔ اور اس کا بھائی بھی۔ اور اس کا شوہر بھی شہید ہو گیا۔ اس جنگ میں شیطان نے یہ افواہ اڑا دی تھی۔ کہ "حضور شہید ہو گئے ہیں"۔ حضور کی شہادت کی خبر سے ایک کہرام مچ گیا تھا۔ مدینہ منورہ میں یہ افواہ پہنچی۔ تو مدینہ منورہ کا ایک ایک فرد بیچین ہو گیا۔ مرد اور عورتیں گھبرا گئیں۔ بہت سی عورتیں اسی صدمہ میں حقیقت حال معلوم کرنے کو باہر نکل آئیں۔ وہ عورت جس کا باپ بھائی اور شوہر تینوں شہید ہو گئے تھے۔ اسی پریشانی میں سب سے پوچھ رہی تھی۔ کہ بتاؤ حضور کا کیا حال ہے۔ کسی نے اس سے کہا۔ تیرا باپ مارا گیا۔ اس نے پروا نہ کی۔ پھر کسی نے بتایا۔ تیرا شوہر بھی مارا گیا۔ اس نے پروا نہ کی۔ پھر کسی نے بتایا۔ کہ تیرا بھائی بھی مارا گیا۔ اس نے پروا نہ کی۔ اور یہ سب خبریں سن کر سے

اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ امم

یعنی بھائیو! مجھے یہ بتاؤ۔ کہ حضور کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا۔ کہ اے عورت! فکر نہ کر۔

حضور بخیریت ہیں۔ کسی نے آپ کی شہادت کی غلط افواہ اڑا دی ہے وہ عورت بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی مجھے حضور کے پاس لے چلو۔ چنانچہ اسے حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سے

بڑھ کے اس نے رخِ روشن کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو سب ہیچ ہیں یہ رنج و الم
میں بھی میرا باپ بھی شوہر، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرات! میں بیان کر رہا تھا۔ کہ صحابۂ کرام کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ اور وہ نفوسِ قدسیہ ہر چیز سے حتیٰ کہ جان سے بھی زیادہ حضور کو چاہتے تھے۔ جیسا کہ ایک عورت کا دفعہ آپ نے سن لیا۔ اسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ

میرے بزرگو! حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں کچھ ایسا جذبہ اور ایسی تڑپ پیدا فرما دی تھی۔ کہ وہ لوگ اللہ کی راہ میں مرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اور اپنے ہر دنیوی تعلق کو پس پشت ڈال کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے مشکل سے مشکل کے وقت بھی محبوب سے منہ نہیں موڑا۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی ایک مقدس کڑی ہے۔

قریش مکہ نے ایک مرتبہ مدینہ منورہ حاضر ہو کر سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ کہ مکہ میں کچھ قبیلے اسلام لانے کو تیار ہیں۔ آپ چند معلّمین ہمارے ساتھ کر دیجئے جو وہاں پہنچ کر اپنے وعظ و تبلیغ سے گمراہوں کو راہِ راست پر لانے کا موجب ہوسکیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دس صحابہ کو بھیج دیا۔ جن کا امیر حضرت عاصم بن ثابت کو مقرر کیا۔

کفار مکہ کا مکر و فریب تھا وہ اس سازش سے مسلمانوں کو زد میں لا کر زندہ گرفتار یا شہید کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب یہ مقدس گروہ مدینہ منورہ سے چل پڑا۔ اور راستے میں ایک مقام رجیع میں یہ لوگ کچھ دیر کے لئے ٹھہرے۔ تو کفار کے دو سو جوان ہتھیار بند ہو کر ان کے مقابلہ پر آ پہنچے

گئے۔ صحابۂ کرام نے جب یہ صورت دیکھی۔ تو ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ کفار نے اس ٹیلے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مؤمنین کی اس مختصر سی جماعت کے مٹانے کو کفر امڈ آیا۔ مگر ان پرستارانِ حق نے بھی کثرتِ کفار کی پروا نہ کرتے ہوئے ان سے مقابلے کی ٹھان لی۔ اور خدا و مصطفٰے کو یاد کرکے جہاد کے لئے تیار ہوگئے۔ اور پھر کافروں کے مقابلے میں ان پاک لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مقابلہ کچھ آسان نہ تھا۔ مگر سو سو رحمتیں ان نفوسِ قدسیہ پر کہ اپنے مولیٰ کی خاطر اپنے سرتن سے جدا ہوتے وقت ـــ

فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَه

ـــ کے نعرے بلند کرتے۔ کہ ربِّ کعبہ کی قسم ہم اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ اس حق و باطل کی آمیزش کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ آٹھ صحابۂ کرام نے جامِ شہادت نوش فرما لیا۔ جن میں ان کے امیر حضرت عاصم بھی تھے۔ حضرت عاصم نے اپنے تیروں سے بڑے بڑے کافروں کو فی النار کیا۔ اور جس وقت کافروں نے ہجوم کرکے آپ پر حملہ کر دیا۔ اور آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہوگیا۔ تو آپ نے اس وقت اپنے ہاتھ اٹھا کر اپنے مولیٰ سے دعا کی۔ کہ اے پروردگار! شروع میں میں نے تیرے دین کی حمایت کی۔ اب آخر وقت میرے جسم کی تو حفاظت کر۔ یعنی ان مشرکین کے نجس ہاتھ میرے پاک بدن سے مس نہ ہونے پائیں۔ اتنے میں کافروں نے ہجوم کرکے ایک ظالمانہ حملہ سے حضرت کو شہید کر دیا۔ اب کفار نے چاہا کہ حضرت کا سرتن سے جدا کرکے بنت سعد کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ کیونکہ حضرتِ عاصم نے جنگِ احد میں اس عورت کے لڑکے کو قتل کیا تھا۔ اور اس عورت نے قسم کھا رکھی تھی۔ کہ حضرتِ عاصم کے سر کی کھوپری کا پیالہ بنا کر اس میں شراب پیئے گی ـ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ اس لئے اسی وقت اللہ تعالےٰ نے ان کے جسم مقدس کی حفاظت کے لئے شہد کی مکھیوں کا ایک بہت بڑا جھنڈ بھیج دیا۔ جس نے آتے ہی حضرت عاصم کی لاش کو گھیر لیا۔ اور کافر آپ کا سر جدا کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ پھر ایک سیاہ

بادل آیا۔ اور خوب برسا۔ خدا نے پانی کی ایک زبردست رو بھیجی۔ جو حضرت کی لاش کو جنت کی طرف بہا لے گئی۔

حضرت زید اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہما باقی رہ گئے۔ کافروں نے ان کو گرفتار کر لیا۔ اور مکہ میں حارث بن عامر کے بیٹوں کے ہاتھ حضرت خبیب کو فروخت کر دیا۔ تاکہ ان کو وہ اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر دیں۔ کیونکہ حضرت خبیب نے جنگِ بدر میں ان کے باپ کو قتل کیا تھا۔

استقامت و شہادت

ان ظالموں نے حضرت خبیب کو چند روز بھوکا پیاسا رکھا۔ اور سَو سَو کوششیں کیں۔ کہ حضرت خبیب اسلام سے برگشتہ ہو جائے۔ آپ کا نشۂ شہادت اتارنے کے لئے ہزار ہزار جتن کئے مگر سب ناکام اور بے سود آپ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ اور گویا زبانِ حال سے آپ یوں گویا ہوتے۔ ؎

بجلیاں چرخ سے اور کوہ سے پتھر برسیں
ساری دنیا کی بلائیں مرے سر پر برسیں
ختم ہو جائے ہر ایک مصیبت مجھ پر
اگر ایمان کو جنبش ہو تو حیرت مجھ پر

آخر آزمائش کا وقت آ پہنچا۔ آپ کے لئے سولی گاڑ دی گئی۔ اور آپ کو اس کے نیچے لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اور آپ کو پھر ایک مرتبہ ڈرایا دھمکایا گیا۔ کہ اسلام سے پھر جاؤ۔ مگر حضرت خبیب یہی فرماتے کہ تم مجھ کیا سمجھتے ہو۔ ؎

اسلام کو ہم بیچ کے اصنام خریدیں
راحت ابدی چھوڑ کے آلام خریدیں
ایمان گرو ڈال کے اوہام خریدیں
یعنی عوضِ نورِ سحر شام خریدیں

ناقوس بجانے لگیں تکبیر کے بدلے ٭ مٹی کو گرہ باندھ لیں اکسیر کے بدلے

کہتے ہیں خزف لولوئے احمر سے ہے بہتر
خاشاک خزاں برگِ گلِ تر سے ہے بہتر

جگنو کی چمک مہر منور سے ہے بہتر
لو گنگ و جمن زمزم و کوثر سے ہے بہتر
گلشن کو کہیں جلوہ گہہ طور سے اچھا ٭ اندھیر ہے ظلمت کو کہیں نور سے اچھا

جب قریش مکہ آپ کو شہید کر دینے پر تیار ہو گئے۔ اور آپ سے یہ پوچھا۔ کہ کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔ حضرت خبیب نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ آپ کو مہلت دے دی گئی۔ اور آپ نے نماز ادا کی۔ اور پھر فرمایا۔ کہ میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا۔ مگر سوچا۔ کہ تم لوگ یہ نہ کہو۔ کہ یہ موت سے ڈر کر نماز میں زیادہ وقت صرف کر رہا ہے۔

اللہ اکبر ـــــ!

دیکھئے! دشمنوں کا نرغہ ہے۔ سولی لٹک رہی ہے۔ کوئی مونس و غمخوار نہیں کوئی حامی و یار نہیں۔ مگر ایسے وقت میں بھی یاد خدا کا یہ درد انگیز نظارہ کہ سولی کے سامنے ہی نماز ادا ہو رہی ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا۔ جو ان پاک لوگوں کو عروج و وقار کی انتہائی منزلوں تک لے گیا۔

محبت رسول

آخر سنگدلوں نے آپ کو سولی پر لٹکا دیا۔ ایک سنگ دل نے آپ کے جگر کو نیزہ کی انی سے چبھوتے ہوئے پوچھا۔ کیوں؟ اب تو تم بھی یہ چاہتے ہو گے۔ کہ تم یہاں سے رہائی پا جاؤ۔ اور تمہاری جگہ محمد یہاں پھنس جاتے۔ آپ نے نہایت خوشی سے جواب دیا۔ ؎

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اسکو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا بھی چبھ جائے

اس پروانۂ شمع رسالت نے خدا کی راہ میں جان قربان کرتے ہوئے حسب ذیل فی البدیہہ شعر کہے۔ ؎

وَلَسْتُ اُبَالِي حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى اَيِّ شَيْءٍ كَانَ فِي اللهِ مَصْرَعِي

میں جب خدا کی راہ میں جان دے رہا ہوں۔ تو مجھے اس بات کی
کوئی پروا نہیں۔ کہ میں کس پہلو گرتا ہوں۔ اور کیوں کر جان دیتا
ہوں۔ اور اس کے بعد آپ نے جامِ شہادت نوش فرما لیا۔

پنجابی اشعار

بھائیو! اس واقعہ کو ایک پنجابی شاعر نے بیان کیا ہے۔ اور چند شعر بڑے ہی دردناک لکھے ہیں۔ شاعر لکھتا ہے کہ جب آپ کو سولی کے قریب لایا گیا۔ تو آپ نے چاروں طرف دیکھا کہ اپنا کوئی بھی نہیں سب بیگانے ہیں۔ اس وقت آپ کو حضور یاد آ گئے۔ اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے ہوا کو ایک پیغام دیا۔ کیا پیغام دیا؟ ؎

باد صبا جا شہر مدینے دئیں سنیہا میرا!
مکے والیاں سولی دتا یار خبیب اج تیرا!
ایس گلوں ایہہ بھانئے لاون کیوں تیرے سنگ لایا!
کیوں میں واحد رب پچھاتا ایہہ قصور خطایا!
مردی واری یار نہ ڈٹھا ایہہ افسوس ودھیرا!
نام خدا دے دل قبرتے پائیں کدے توں پھیرا

دیکھا بھائیو! ان پاک لوگوں کی محبت رسول! کہ کس طرح اپنی جانیں بھی حضور پر نچھاور کر دیں۔ ان لوگوں نے کسی قیمت پر بھی دامنِ حُبّ رسول کو چھوڑنا قبول نہیں کیا۔

فاروق اعظم کی بہن

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے۔ حضرت فاروق اعظم کو اسلام لانے سے پہلے جب معلوم ہوا۔ کہ بہن مسلمان ہو گئی ہے تو غصے میں آ کر بہن کو مارنا شروع کیا۔ اور اس قدر مارا! اس قدر مارا!! کہ بہن بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو بولی۔ ؎

توڑ دے تو ہڈیاں میری سبھی
دامنِ احمد نہ چھوڑوں گی کبھی

بھائیو! یہ ہے محبتِ رسول! مگر افسوس آج کل برادری کی خوشی

اور رسم و رواج کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کی پروا نہیں کی جاتی۔ خوب یاد رکھو! اگر کوئی چیز کام آئے گی تو یہی محبتِ رسول۔ یہ دنیوی تعلقات کام نہ آئیں گے۔ بھائیو! قبر میں جب جاؤگے تو وہاں سب ساتھ چھوڑ دیں گے۔ حتےٰ کہ ماں باپ بھی مٹھی بھر مٹی ڈال کر واپس چلے آئیں گے۔ وہاں ایسی تنہائی اور مشکل کے وقت حضور ہی تشریف لائیں گے۔ اور آکر مدد فرمائیں گے۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایسے مہربان، رؤف و رحیم، مونس و ہمدم، یاور و ناصر، آقا کو بُھلا دیا جائے۔ اور اس کی اطاعت نہ کی جائے۔

حضرات! سن لیا آپ نے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت تھی۔ اور یاد رکھئے۔ کہ جس سے محبت ہو۔ اس کی ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ اور ہر وہ چیز جسے محبوب سے کچھ نسبت حاصل ہو۔ محب کے لئے محبوب بن جاتی ہے۔ محبوب کی چال ڈھال۔ اس کی گفتگو۔ اس کا شہر، اس کی گلی، اس کا نام، اس کا مقام، ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ چنانچہ مولانا رومی نے ایک عاشق کا واقعہ لکھا ہے کہ۔ ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتیٰ ٭ تو بغربت دیدہ بس شہر ہا!!

پس کدامے شہر زانہا خوشتر است ٭ گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

"یعنی کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا۔ کہ تو نے بہت سے شہر دیکھے ہیں۔ یہ تو بتا۔ کہ ان شہروں میں سے تمہیں اچھا کون سا شہر نظر آیا ہے؟ عاشق بولا۔ کہ وہ شہر جس میں دلبر رہتا ہے۔"

مسلمانو! اسی طرح مسلمانوں کو دنیا بھر کے شہروں میں مدینہ منورہ سے بڑا پیار ہے۔ اور مسلمانوں کو وہ شہر بڑا ہی پیارا لگتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہاں محبوبِ کل سید الرسل حبیبِ کبریا صلے اللہ علیہ و سلم رونق افروز ہیں اور اسی لئے شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

نہ جنت نہ جنت کی کلیوں میں دیکھا ٭ مزا جو مدینے کی گلیوں میں دیکھا

بھائیو! یہ وہ شہر ہے۔ جہاں دن رات اللہ کی رحمت برستی ہے۔ جہاں کا ہر ذرہ رشکِ آفتاب ہے۔ اور جہاں کا کانٹا بھی رشکِ گل ہے۔ یہی وہ شہر ہے۔ جس سے بڑے بڑے بزرگوں کو الفت رہی۔

حضرت امام مالک اور مدینہ منورہ

دوستو! حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے حالات میں مذکور ہے۔ کہ آپ نے مدینہ منورہ کی حاضری کو آخر عمر تک ترک نہیں فرمایا۔ ہاروں رشید نے بڑی کوشش کی۔ کہ حضرت امام مالک مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لے آئیں۔ مگر آپ نے مدینہ منورہ کی سکونت کو ترک کرنا منظور نہ کیا۔ اور فرمایا۔ میں تو اسی شہر میں مرنا چاہتا ہوں۔ حتیٰ کہ امام مالک نے صرف ایک ہی حج کیا۔ اور وہ بھی اس لئے کہ فریضہ ادا ہو جائے۔ پھر ایک حج کے بعد دوسرا حج کرنے مکہ معظمہ نہیں گئے۔ صرف اس لئے نہیں گئے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ میں مکے میں مرجاؤں۔ اور مدینہ مجھ سے چھوٹ جائے۔ اللہ اکبر! کس قدر محبت تھی۔ مدینہ منورہ کی۔ کہ ایک حج کے بعد دوسرے حج بھی مدینہ منورہ کی حاضری پر قربان کر دیئے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے:۔ ؎

ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے
اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منا
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ عشقِ مدینہ رنگ لایا۔ اور آپ کا اسی دیارِ پاک میں وصال ہوا۔ اور جنت البقیع میں آپ کا مزار بنا اور آج لاکھوں حجاج حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بدولت آپ کے مزار پر حاضری دے کر آپ پر سلام عرض کرتے ہیں۔ بھائیو! یہ سچے سچے مسلمان! کہ بال بال شریف میں مدینہ منورہ کی محبت رچی ہوتی ہے۔ اور جینا بھی یہیں چاہتے ہیں۔ اور مرنا بھی یہیں۔ ؎

تری الفت میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں

ترے کوچے میں ہونا دفن جنت اسکو کہتے ہیں

اور ایک آجکل کے وہ لوگ بھی ہیں۔ جو مدینے شریف کی حاضری کو شرک قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی خود ساختہ توحید کے نشے میں آ کر صرف مکہ معظمہ ہی سے ہو کر واپس آجاتے ہیں۔ اور جس شہر کی حاضری سے جسمِ حج میں جان پڑتی ہے۔ وہاں پہنچتے ہی نہیں۔ اور ایک مردہ حاجی بن کر آ جاتے ہیں۔ میں نے ایک نظم میں لکھا ہے:۔ ؎

جس حج میں نہ سیر مدینہ ہو وہ حج تو ہے لیکن ایسا حج!
اک لفظ ہے لیکن بے معنی اک جسم ہے لیکن بیجان ہے

اور پھر میں نے لکھا ہے:۔ ؎

گر بندۂ حق بننا ہے تجھے تو پہلے بندۂ احمد بن
بن سیڑھی کے چھت پر جانے میں ہر آن میں خطرہ نقصاں ہے

مدینہ منورہ کا ادب

حضرات! یہی امام مالک رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی نورانی گلیوں میں چلتے تو وسط رہ میں نہ چلتے۔ بلکہ ایک طرف ہو کر چلتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ڈرتا ہوں۔ کہ ایسی جگہ پر میرا پیر نہ پڑ جائے۔ جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قدم شریف پڑا ہو۔ اور مدینے شریف کی دیواروں کو چومتے ہوئے نکلتے اور روتے جاتے۔ اور فرماتے جاتے۔ کہ اس دیوار سے کبھی حضور کا ہاتھ لگا ہوگا۔ رفع حاجت کے لئے شہر مدینہ سے بہت دور نکل کر رفعِ حاجت فرماتے۔ صرف ارضِ پاک کے ادب و احترام کی خاطر۔ یہ ہے ایمان۔ یہ ہے اسلام۔ اور ایک آج کل کا برائے نام مسلمان بھی ہے۔ جو اگر کسی مسلمان نے اذان میں حضور کا نام سن کر چوم لیا۔ تو جھٹ وہ اس چومنے والے پر بدعت کا فتوے لگ دیتا ہے۔ کیوں بھائیو! اگر بقول ان کے اذان میں نام سن کر انگوٹھے چومنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ تو حضرت امام مالک کا وسطِ راہ میں نہ چلنے اور شہر سے دور نکل کر رفع حاجت فرمانے اور دیواروں کو چومنے کا ثبوت کہاں تھا؟ یہ لوگ ثبوت حکم کے معنی میں کہتے ہیں۔ تو بتاؤ امام مالک کے پاس کون سا حکم تھا؟

بجز اس کے کہ ان کی محبت کا یہی تقاضا تھا۔ تو میرے بھائیو! آج ہم بھی جو انگوٹھے چومتے ہیں یہ بھی محبت ہی کا تقاضا ہے۔

حدیث کا ادب

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھنے آتا۔ تو آپ دریافت فرماتے کہ صرف مسئلہ پوچھنا ہے یا حدیث بھی سننا ہے۔ اگر وہ صرف مسئلہ پوچھتا۔ تو مسئلہ بتا دیتے۔ اگر وہ حدیث بھی سننا چاہتا۔ تو آپ غسل فرماتے۔ نئے کپڑے پہنتے۔ خوشبو لگاتے۔ اور اس اہتمام کے بعد پھر حدیث سناتے۔ دیکھا آپ نے؟ حدیث سنانے کے لئے اس قدر اہتمام کا حکم نہ ہونے کے باوجود حضرت امام مالک اس قدر اہتمام فرماتے۔ تو یہ سب محبت کی باتیں ہیں۔ اور جو لوگ ایسی باتوں کو بدعت کہتے ہیں۔ ان لوگوں سے صرف اتنا کہہ دو۔ کہ ؎

"ہائے ظالم تو نے پی ہی نہیں"

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرات! ہمیں بدعت کہنے والے لوگ اکثر یہ بات بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر تم انگوٹھے محبت کی وجہ سے چومتے ہو۔ تو اللہ سے کیا محبت نہیں؟ پھر اس کا نام سن کر کیوں نہیں چومتے؟ تو میرے بھائیو! ان کے اس اعتراض کا جواب میں خود ان کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی زبان سے دیتا ہوں۔ سنئے وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر محسوس ہے۔ اور یہ ایک طبعی بات ہے۔ چنانچہ اگر ایک قرآن رکھا ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک بھی رکھا ہو۔ دیکھو اور دل کدھر کھینچتا ہے۔ طبیعت کا جذب کدھر زیادہ ہوتا ہے۔ گو عقیدۃً وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی تعظیم واجب ہے۔ مگر عملاً تم اس کے ساتھ وہ برتاؤ کرو گے۔ جو قرآن کے ساتھ نہیں کرتے۔ پھر بھی نہ یہ شرک ہے۔ نہ ترک ادب ہے"

(صفت آخرت روح القیام ص۱۱)

کیوں بھائیو! کچھ سمجھے آپ! کہ اذان میں ہم حضور کا نام تو چومتے ہیں مگر اللہ کا کیوں نہیں چومتے؟

مولوی اشرف علی کا جواب ہے کہ:-

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر محسوس ہے۔ اور یہ ایک طبعی بات ہے۔"

مکہ و مدینہ

بھائیو! یہی وجہ ہے۔ کہ حاجی کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ ہی روحانی کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ مگر جو کیف مدینہ منورہ میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ مکہ معظمہ میں نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت ہے۔ اور واقعہ ہے۔ بیت اللہ شریف واقعی بیت اللہ ہے۔ اللہ کا گھر ہے۔ مگر گھر اس معنی میں نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) اس کوٹھے کے اندر مکین ہے۔ جیسے ہم تم مکان کے اندر مکین ہوتے ہیں۔ اس معنی میں بیت اللہ کو اللہ کا گھر کہنا جائز نہیں۔ یہ نسبت محض تشریفاً ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ہی کے سب گھر ہیں۔ اور وہ مکان سے پاک ہے۔ اور لامکان ہے۔ تو مکہ شریف میں بیت اللہ کی زیارت کیجئے۔ مگر یہ خیال تک نہ لایئے کہ خدا تعالیٰ اس کوٹھے کے اندر مکین ہے۔ اور اندر تشریف فرما ہے ۔۔ لیکن جب مدینہ منورہ کی حاضری ہوتی ہے۔ اور روضۂ مقدسہ سامنے آتا ہے۔ تو ہر زائر کو یہ خیال وجد میں لے آتا ہے۔ کہ یہی مکان رفیع الشان ہے۔ جس کے اندر سرورِ انبیاء محبوبِ کبریا حضور احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء تشریف فرما ہیں۔ اس لئے زائر کو یہ حکم ہے کہ وہ بڑے ادب کے ساتھ وہاں حاضری دے۔ اور آواز تک اونچا نہ نکالے کیوں؟ اس لئے کہ حضور کے سامنے آواز اونچا کرنے کی ممانعت ہے۔ اور اس وقت کی حاضری بالکل ایسی ہی ہے جیسے حضور کی ظاہری حیات میں ہوا کرتی تھی۔ تو میرے بھائیو! محبوب کو محب کی ہر بات پیاری لگتی ہے۔

نام پاک

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مجنوں کا قصہ لکھا ہے۔ کہ وہ ایک دشت میں بیٹھا ہوا ریت کو کاغذ اور انگلی کو قلم بنا کر کچھ

زمین پر لکھ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا۔ میاں مجنوں یہ کیا لکھ رہے ہو؟ تو بولا

سہ
گفت مشقِ نام لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلّی می دہم

یعنی لیلےٰ کا نام لکھ لکھ کر اپنے دل کو تسلّی دے رہا ہوں۔ اس کا نام بھی محبوب اور تسلی کا سامان ہے۔

میرے عزیزو! اور آج بعض برائے نام مسلمانوں کا بھی حال دیکھئے۔ کہ جہاں محبوب کا نام "یامحمد" لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ چھری سے کھرچ ڈالتے ہیں۔ کیوں مسلمانو! ایسے لوگ بھی کیا حضور کے محب ہو سکتے ہیں؟— ہرگز نہیں!!

اطاعت حضرات! میں کہہ رہا تھا۔ کہ آیت مذکورہ میں رسول کریم رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا درس دیا گیا ہے۔ یاد رکھو کہ اطاعتِ رسول کے بغیر ہم کبھی فلاح و نجات نہیں پا سکتے۔ منزلِ مقصود تک پہنچنا ہے۔ تو رسول کا دامن پکڑ لو۔ رسول سے اگر علاقہ نہیں تو پھر چاہے کتنا ہی مبلغ، داعی، اہل قرآن، فلسفی اور عالم ہو۔ بے کار ہے۔ اور بے قیمت ہے۔ دیکھئے! ریل کا ڈبہ اگر فرسٹ کلاس کا بھی ہے۔ اس میں گدّے ہوں۔ بجلی کا پنکھا بھی ہو، غسل خانہ بھی ہو۔ صابن اور تولیہ بھی ہو۔ لیکن ہو انجن سے الگ۔ تو بے قیمت ہے۔ اس کا کوئی کرایہ نہیں۔ اور اگر وہ انجن کے ساتھ لگ جائے۔ اور اپنی کڑی انجن سے ملا لے۔ تو اب اس کا کرایہ ہے۔ قیمت ہے۔ اور وہ منزلِ مقصود تک پہنچنے والا اور پہنچانے والا بھی ہے۔ اسی طرح تم چاہے کتنے بھی فرسٹ کلاس کے ہو۔ فلسفی ہو۔ بی، اے ہو۔ ایم، اے ہو۔ مگر بے قیمت ہو۔ اگر اپنا وقار بنانا ہے۔ تو رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے اطاعت کی کڑی ملالو۔ پھر دیکھو تمہاری قدر و قیمت ہوتی ہے یا نہیں؟ بھائیو کل قیامت کے دن اس حقیقت کا راز کھلے گا۔ اور پھر غافل انسان پچھتائے گا۔ اور افسوس کرے گا۔ کہ میں نے کیوں نہ رسول کے ساتھ راہ لی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے کہ:-

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ (پ۱۹ ع۱) "اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا جائے گا۔ کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی"۔

پنجابی اشعار

ایک پنجابی شاعر نے غافل امت کو متنبہ کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

نعرہ الاّ اللہ دا مار

چرخہ ڈاہ نہ کر بہانے	داج بنالے اَج ناداننے
جانا ایں توں دیس بگانے	خالی ہتھ جے ٹُرہیوں کُڑیے

ہوسیں بہتی خوار!

نعرہ الاّ اللہ دا مار

کُڑیے جے توں ویلا کھویا	نہ کجھ سیتا نہ پرویا
خاوند جے کر غصے ہویا	کہے چھڈ دن اوناں نہیں ایں

پین لگی جد مار!

نعرہ الاّ اللہ دا مار

لطیفہ

دو آدمی سٹیشن پر آئے تو دیکھا گاڑی چل پڑی ہے۔ اور ابھی پلیٹ فارم سے نکلی نہیں۔ یہ دونوں دوڑے۔ کہ کسی طرح گاڑی پر چڑھ جائیں گارڈ نے دیکھا۔ تو ان دونوں میں سے ایک کے کپڑوں تک اس کا ہاتھ پہنچ گیا۔ اور اس نے ایک کو گھسیٹ کر گاڑی پر چڑھا لیا۔ ایک تو چڑھ گیا۔ لیکن دوسرا رہ گیا۔ جو چڑھ گیا وہ حیران ہو کر بولا۔ جناب میں تو گاڑی چڑھنے آیا تھا۔ جانا تو اس نے تھا۔ جو رہ گیا؟

بھائیو! کچھ ایسا ہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ کہ بلندی و عروج کی ٹرین پر سوار ہونے سے ہم رہ گئے۔ حالانکہ ہم بھی ٹرین پر سوار ہونے کو آئے تھے۔

حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ آیت مذکورہ میں اطاعت رسول کا درس

ہے۔ اور ہم اطاعتِ رسول کے بغیر کبھی فلاح و نجات نہیں پا سکتے۔ اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کے بغیر کوئی شخص چاہے کتنا بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔ اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ اور کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے اپنی رضا و اطاعت کو اپنے رسول کی اطاعت پر موقوف فرما دیا ہے۔ حضور کی اگر اطاعت ہے۔ تو اس کی عبادت عبادت ہے۔ اس کا زہد زہد ہے۔ اور اس کی ولایت ولایت ہے۔ اور اگر حضور کا نافرمان ہے۔ تو وہ چاہے ہوا میں بھی اڑتا نظر آئے۔ تو بھی وہ کچھ نہیں۔

میرے بھائیو خوب یاد رکھو۔ کہ جو لوگ اطاعتِ رسول سے جی چراتے ہیں۔ اور اسے ضروری نہیں سمجھتے۔ وہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔

ایک یہودی اور منافق کا قصہ

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا پیدا ہو گیا۔ یہودی چاہتا تھا۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ میں اسے حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لے چلوں کیونکہ حضور کے جو مخالف تھے۔ وہ بھی حضور کے عدل و انصاف اور آپ کی راست بازی کے قائل تھے۔ اور حضور کے دشمن بھی آپ کو امین و صادق کے نام سے یاد کرتے تھے۔ سبحان اللہ!

کمال کی بات ہے کہ اپنے تو بھلا اپنے ہیں۔ پرائے بھی اس کا اعتراف کریں۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف اور آپ کی راست بازی کا اقرار دشمنوں کو بھی تھا۔ چنانچہ خداتعالےٰ ایک مقام پر فرماتا ہے:-

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ۔

(پ ۷ غ ۱۰) — "اے محبوب! یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات سے انکار کرتے ہیں"

دیکھا آپ نے؟ خدا فرما رہا ہے۔ کہ پیارے یہ ظالم تجھے تو سچا ہی جانتے ہیں۔ تیری راستبازی کے تو۔ قائل ہی ہیں۔ ہاں یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا

انکار کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابوجہل نے حضور سے یوں کہا۔ کہ اے محمد! میں تجھے جھوٹا نہیں کہتا۔ لیکن تیری تعلیم پر میرا دل نہیں ٹھہرتا"۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا۔ کہ اپنے پرائے سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور اس بات کا سب کو یقین تھا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو فیصلہ فرماتے ہیں۔ عدل و انصاف ہی سے فرماتے ہیں۔ کبھی کسی تعلق یا کسی وجاہت کے پیشِ نظر آپ نے انصاف کو ترک نہیں فرمایا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک عورت سے چوری کا جرم سرزد ہوا۔ تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارشاد فرمایا۔ کچھ لوگوں نے اس کی اس سزا میں کچھ تخفیف کرنے کی سفارش کی۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخدا اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی۔ تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

دیکھا میرے بزرگو! یہ ہے عدل و انصاف اور مساوات! بھلا آج بھی دنیا کے خطے میں کوئی ایسا حاکم ہے۔ جو امیر و غریب، اپنے پرائے، اور چھوٹے بڑے سب کو ایک ہی نظر سے دیکھے۔ اور سبھی کا خیر خواہ ہو۔ اور قانون کو سب پر برابر نافذ کرے؟ توبہ! توبہ!! آج تو دنیا بھر میں قانون صرف غریب آدمی کے لئے رہ گیا ہے۔ بڑا آدمی جو کچھ کرے جائز ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے۔ کہ آج کل کا قانون اگر ہے تو یہ ہے۔ کہ قانون غریبوں کے لئے ہے امیر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ الا ماشاء اللہ

ملکِ خجند کی ایک حکایت

بزرگو اور دوستو! آیئے آپ کو ایک حکایت سناؤں۔ جو مساواتِ اسلامی کے متعلق ہے جس میں اسلامی عدل و انصاف کی جھلک ہے۔ اور جس میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ اسلام کی نظر میں چھوٹا، بڑا، راعی، رعایا، اور امیر فقیر سب برابر ہیں۔ یہ حکایت اقبال نے اپنی مثنوی اسرارِ خودی میں لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ؎

بود معمارے در اقلیم خجند ؛ درفنِ تعمیر نام او بلند

ملک خجند میں ایک بہت بڑا اپنے فن کا ماہر معمار رہتا تھا۔

ساخت آں صنعت گر فرہاد زاد ٭ مسجدے از حکم سلطانِ مراد

اس نے بادشاہ کے حکم سے ایک بڑی عالی شان مسجد تعمیر کی۔

بڑے آدمی

بھائیو! پہلے زمانہ کے بادشاہوں کو اگر شوق تھا۔ تو مسجدیں بنوانے کا۔ اور نیکی کے کاموں کے اجراء کا۔ اور ایک آج کل کا دور بھی ہے۔ کہ بڑوں کو گھوڑ دوڑوں، نمائشوں۔ اور کرکٹ میچوں کا۔ اور اسی قسم کے لہو و لعب ہی کا شوق ہے۔ مسجدوں کا بھلا کیا شوق ہو۔ اب تو مسجدوں کا نام لینا بھی فیشن کے خلاف ہے۔ ہاں آج کل کا مسلمان سینما و تھیٹر، اور کلب میں بڑی خوشی کے ساتھ پہنچے گا۔ اور ایسے ہی گھروں کی تعمیر کرنے میں ترقی سمجھے گا۔ مسجدیں بنانے اور انہیں آباد کرنے کی آج کل کے کسی بڑے آدمی سے امید نہ رکھیئے۔ الا ماشاء اللہ!

میرے بھائیو! یہ بڑے آدمی واقعی بڑے آدمی ہیں۔ اور ان بڑوں میں اچھے بھی ہیں۔ میں سب کو نہیں کہہ رہا۔ ہاں اکثریت ان میں ایسی ہے۔ جنہیں مسجد کے نام سے بھی بیر ہے۔ اگر نہیں۔ تو بتایئے۔ کیا کبھی آپ نے انہیں مسجد میں دیکھا بھی ہے؟ اور دیکھ لیجئے اگر ان میں سے کوئی امیر آدمی کسی عید یا جمعۃ الوداع کو کسی مسجد میں آجائے۔ تو سارے ملک میں شور مچ جاتا ہے ——— اور اعلان ہونے لگتا ہے۔ کہ فلاں بڑے امیر آدمی نے فلاں مسجد میں نماز عید پڑھی۔ اخباروں میں بھی اعلان ہونے لگتا ہے۔ کہ فلاں صاحب نے فلاں مسجد میں نماز جمعہ پڑھی۔ کیوں صاحب! ہمارا کبھی اعلان کیوں نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے۔ کہ جو بات اجنبی و انوکھی اور نئی ہو۔ اسی کا اس اہتمام سے اعلان ہوتا ہے۔ تو گویا یہ اخبارات وغیرہ میں اعلان اس بات کا ہوتا ہے۔ کہ فلاں بڑے امیر آدمی نے وہ کام کر کے دکھایا۔ جو اس کے باپ دادا نے بھی کبھی نہ کیا تھا۔

بھائیو! جس شوق سے یہ ہر سال لندن و پیرس کی سیر کو چل پڑتے ہیں۔ کبھی مکہ و مدینہ کی طرف بھی ان کا رخ دیکھا آپ نے؟

توبہ! توبہ!! عشقِ حق یورپ کے سودائیوں کے پاس کہاں! یعنی چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟ ؎

شبِ گناہ نمازِ سحر یہ خوب کہی!
بتوں سے میل خدا پر نظر یہ خوب کہی!
فٹن نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی

ہاں تو میں معمار کی حکایت سنانے لگا تھا۔ کہ اس معمار کو سلطان مراد نے یہ حکم دیا۔ کہ وہ ایک بڑی عظیم الشان مسجد تیار کرے۔ مسجد پر جتنا پیسہ لگے لگائے۔ مگر مسجد میں کوئی نقص باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس معمار نے اپنی ساری فنی قابلیت بروئے کار لاکر ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کر دی۔ اور جب وہ مسجد تیار ہوگئی۔ تو سلطان مراد وہ مسجد دیکھنے کے لئے آیا۔ مگر ؎

خوش نیاید شاہ را تعمیر او
خشمگیں گردید از تقصیر او

بادشاہ کو اتفاق دیکھئے۔ کہ اس کی تعمیر پسند نہ آئی۔ اور وہ سخت غصے میں آگیا۔ اور ؎

آتشِ سوزندہ از چشمش چکید!
دستِ آں بے چارہ از خنجر برید!

اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ اور اس بیچارے معمار کا اس بادشاہ نے ہاتھ کاٹ دیا۔

مسلمانو! دیکھنا اس نظارے کو کہ ایک حکمران نے، ایک زبردست سلطان نے ایک بیچارے غریب کاریگر۔ فن کار کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ وہ معمار بیچارہ نکما ہوگیا۔ بے کار ہوگیا۔ مگر اس ملک میں اسلامی عدل و انصاف کی جھلک تھی۔ وہاں لادینیت نہ تھی۔ دینِ حق کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ وہ معمار اسی وقت دوڑا۔ اور سیدھا عدالت میں پہنچا۔ اور قاضی (جج) صاحب

کے سامنے جا کر فریاد کی۔ اور عرض کی۔ کہ قاضی صاحب! یہ دیکھئے مجھ غریب کا ہاتھ ایک ظالم نے کاٹ کر مجھے نکما و بیکار کر دیا۔ انصاف! انصاف! قاضی صاحب نے کہا۔ اے مظلوم! جلدی اس ظالم کا نام لے۔ تاکہ میں اس سے تمہارا انتقام تمہیں دلا سکوں۔ اور انصاف کر سکوں۔ معمار بولا تو حضور سنئے۔ اس ظالم کا نام ہے ـــــ سلطان مراد ـــــ

بھائیو! دیکھو اس منظر کو۔ وہ قاضی جو سلطان مراد ہی کا مقرر کردہ قاضی تھا۔ اگر غیر اسلامی دور ہوتا۔ تو کہتا۔ اے میاں معمار! اگر بادشاہ نے تجھ پر یہ ظلم ڈھایا ہے۔ تو کیوں مجھے بھی ملازمت سے برخواست کرانے کی ٹھانی ہے۔ چپکے سے چلے جاؤ۔ اور اس بات کا نام تک بھی نہ لو۔ شکر کرو۔ کہ بادشاہ نے ہاتھ ہی کاٹا ہے۔ سر قلم نہیں کر دیا۔ مگر بھائیو! اسلامی عدل و انصاف کا وہ دور تھا۔ اس لئے بجائے اس کے کہ قاضی صاحب بادشاہ کا نام سن کر ڈر جاتے ؎

قاضیٔ عادل بدنداں خستہ لب!
کرد شہ را در حضورِ خود طلب

قاضی صاحب نے یہ ماجرا سن کر فوراً بادشاہ کے نام سمن جاری کر دئے۔ اور لکھا کہ عدالت میں حاضر ہو کر جواب دو کہ ایک غریب آدمی کا ہاتھ کیوں کاٹا؟

اب وہ سمن بادشاہ کو پہنچا۔ تو بادشاہ بھی قاضی صاحب پر بگڑا نہیں۔ کہ

واہ جی وا! میری ہی بلی اور مجھی سے میاؤں میاؤں نہیں بلکہ بادشاہ ؎

رنگِ شاہ از ہیبتِ قرآں پرید
پیشِ قاضی چوں خطا کاراں رسید

قاضی صاحب نے سمن پر قرآن کی آیت لکھ دی تھی۔

و لکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب

بادشاہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ تو قرآن کی ہیبت سے رنگ اڑ

گیا۔ اور مجرموں کی مانند عدالت میں حاضر ہو گیا۔

کہوں صاحب! ہے کسی کتاب میں اتنی طاقت۔ کہ اتنے بڑے بادشاہ کو مجرموں کی طرح عدالت میں لے گئے؟

بادشاہ عدالت میں پہنچا۔ تو قاضی صاحب اس کی تعظیم کے لئے نہ اٹھے اور نہ ان کو اپنے پاس بٹھایا۔ بلکہ کہا۔ کہ اے سلطان! یہ مدعی ہے۔ اس کے ساتھ میرے سامنے کھڑے ہو جائیے۔ اور بتائیے۔ کہ آپ نے اس کا بلا وجہ ہاتھ کیوں کاٹا۔

بادشاہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ قاضی صاحب نے پھر کہا۔ کہ اے سلطان مراد! اب اس کے بدلے میں آپ کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔ اور آپکو دکھایا جائے گا کہ ؎

عبد مسلم کمتر از احرار نیست!

خونِ شہ رنگیں تر از معمار نیست!

ایک غلام ایک آزاد سے۔ یا ایک غریب ایک امیر سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگدار نہیں ہے۔ یعنی جتنا رنگین خون ایک غریب آدمی کا ہے۔ اتنا ہی رنگین ایک بادشاہ کا خون بھی ہے۔ یہ بات نہیں کہ بادشاہ کا خون گہرا سرخ ہو۔ اور غریب آدمی کا خون پھیکا ہو۔

بھائیو! یہ قدرت کی تقسیم ہے۔ کہ امیر و غریب چھوٹے بڑے سب کو یکساں خون۔ یکساں ہاتھ پیر۔ یکساں دھوپ چھاؤں عطا فرمائی جو چیزیں انسان کے کنٹرول میں آ جائیں۔ ان کی تقسیم میں تو کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے! کسی کے ہاں غلے کے ڈھیروں کے ڈھیر۔ اور کسی کے ہاں فاقے پر فاقہ کہیں چینی کی بوریاں اور کہیں گڑ کی ڈلی بھی نہیں۔ مگر جو چیزیں قدرت نے انسان کے کنٹرول میں نہیں دیں۔ جیسے یہ ہاتھ، پیر، ناک، آنکھ وغیرہ وہ دیکھ لیجئے۔ سب کے لئے برابر ہیں۔ کوئی کمی بیشی نہیں۔ آنکھیں امیر کے لئے دو تو غریب کے لئے بھی دو ہی۔ ہاتھ امیر کے لئے دو۔ تو غریب کے لئے بھی دو ہی۔ بھائیو شکر کرو۔ کہ یہ چیزیں ان بڑے لوگوں کے

کنٹرول میں نہیں آگئیں۔ ورنہ یہ لوگ آپ چار چار آنکھیں لگا لیتے۔ اور ہمیں ایک ایک بھی شاید نہ دیتے۔ خود چھ چھ ہاتھ لگا لیتے۔ اور ہمیں ایک ایک بھی نہ دیتے۔

ہاں تو قاضی صاحب نے کہا۔ اے سلطان! اپنا ہاتھ کٹوانے کے لئے تیار ہو جائیے۔ یہ دیکھئے قرآن کا یہی ارشاد ہے۔ ؎

چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید!
دستِ خود از آستیں بیروں کشید

جب سلطان مراد نے قرآن کی آیت سنی۔ تو اپنا ہاتھ آستیں سے باہر نکال کر قاضی صاحب کے آگے کر دیا۔ کہ لیجئے مجرم کا یہ ہاتھ حاضر ہے۔ اسے کاٹ کر قیامت کی گرفت سے مجھے بچا لیجئے۔

اللہ اکبر! اس بادشاہ کی یہ حالت جب مدعی معمار نے دیکھی۔ تو وہ بے ساختہ پکار اٹھا ؎

گفت من بہر خدا بخشید مش!
واز برائے مصطفٰے بخشید مش!

قاضی صاحب! میں نے بادشاہ کو خدا و مصطفٰے کے لئے معاف کر دیا۔ مدعی نے جب معاف کر دیا۔ تو قاضی صاحب نے بھی بادشاہ کو بری کر دیا۔ اور بادشاہ نے معمار کو بہت سی دولت دے کر اس کا مستقبل اچھا کر دیا۔

حضرات! یہ ہے اسلامی عدل و انصاف۔ اور یہ ہے ہمارے حضور کی تعلیم۔ جس پر ہمارے اسلاف نے عمل کیا۔ اور دنیا میں نام پیدا کر گئے۔

یہودی اور منافق کا قصہ

بھائیو! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ایک یہودی اور ایک منافق کا واقعہ سنانے لگا تھا۔ کہ وہ یہودی اس منافق کو حضور کے پاس لے آیا اور حضور نے واقعات سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ وہ منافق یہودی سے کہنے لگا۔ کہ میں تو عمر کے پاس چلوں گا۔ اور ان سے فیصلہ

لوں گا۔ یہودی نے کہا۔ عجب الٹے آدمی ہو۔ کوئی بڑی عدالت سے ہو کر چھوٹی عدالت میں بھی جاتا ہے؟ جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کر چکے۔ تو اب عمر کے پاس جانے کی کیا ضرورت۔ مگر وہ منافق نہ مانا۔ اور اس یہودی کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور حضرت عمر سے فیصلہ طلب کرنے لگا۔ یہودی نے کہا۔ جناب یہ بات یاد رکھئے۔ کہ ہم پہلے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے فیصلہ لے آئے ہیں۔ اور انہوں نے فیصلہ میرے حق میں دیا ہے۔ حضرت عمر نے یہ سن۔ تو آپ نے فرمایا۔ اچھا ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔ آپ اندر گئے۔ اور تلوار لے کر آئے۔ اور اس منافق کی گردن پر یہ کہتے ہوئے ماری کر — "جو حضور کا فیصلہ نہ مانے اس کا فیصلہ یہ ہے" — اور اس کی گردن جدا کر دی —

حضرات! آپ سن چکے کہ اطاعتِ رسول کس قدر اہم اور ضروری ہے۔ اور جو شخص اطاعتِ رسول سے گریزاں ہے وہ اللہ کا بھی مطیع نہیں اور اطاعتِ رسول کا منکر مسلمان ہی نہیں۔

میرے بھائیو! اطاعتِ رسول کا جو ثمرہ ہے۔ اس کا بیان بھی سنئے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ اسے نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں۔ اور صالحین کی معیت حاصل ہوگی۔ وہ اس اطاعت کے صدقہ میں ان پاک لوگوں کے ساتھ اٹھے گا۔

دو قوتیں میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! پہلے یہ بات سمجھ لو۔ کہ اللہ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائیں ہیں ایک قوت نظریہ۔ اور دوسری قوتِ عملیہ۔ قوتِ نظریہ وہ قوت ہے۔ جس سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ قوت جب درجۂ کمال کو پہنچتی ہے تو روح کو نور قدس سے کچھ ایسی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ کہ پھر اُسے ادراک حقائق الاشیاء سے کوئی حجاب اور کوئی ظلمت مانع نہیں رہتی۔ اور اس کا دل عالمِ غیب کا خزانہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ بات اسے بغیر اکتساب اور بغیر کسی محنت کے ملے۔ تو وہ نبی ہے۔ ورنہ امتی۔ انبیاء کرام علیہم السلام

کا قلب ہر وقت صاف اور منور رہتا ہے۔ اور وہ ایسی ایسی چیزیں دیکھتے اور جانتے ہیں۔ جو دوسروں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتیں دوزخ و بہشت ان کی نظروں کے سامنے رہتا ہے۔ اور عالم غیب کی طرف ان کی نظریں رہتی ہیں۔ اسی واسطے سید الانبیار صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا۔

جو کچھ میں جانتا ہوں۔ اگر تم بھی جان لو۔ تو تم تھوڑا ہنسو۔ اور زیادہ روؤو۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۵۷)

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر تم جان لو جو کچھ میں جانتا ہوں۔ تو تم بیویوں کے پاس جانا چھوڑ دو۔ اور پہاڑوں کی طرف نکل جاؤ "

مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے اگر یہ عالم شہود ہے۔ تو وہ عالم غیب بھی ہے۔ اور ان کے علم میں سب کچھ ہے۔ اپنی نظر پاک کے متعلق دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:۔

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ (مشکوٰۃ ص۴۵۷)

جو چیز تمہیں نظر نہیں آتی۔ اسے میں دیکھتا ہوں۔ اور جو آواز تم نہیں سنتے میں سنتا ہوں۔"

مسلمانو! یہ ہے نبی کی نظر اور سماعت۔ اسی حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ آسمان پر چار انگلی کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں کسی فرشتے نے اللہ کے آگے سجدہ کرنے کو اپنی پیشانی نہ جھکا رکھی ہو۔ اور آسمان چیخا اور اس کا حق ہے کہ وہ چیخے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ —— فرما کر پھر فرشتوں کے سجدہ کرنے اور آسمان کے چیخنے کا ذکر فرما کر اپنی نظر شریف اور اپنی سماعت شریف کی ایک مثال بیان فرما دی۔ کہ دیکھ لو۔ میری نظر کے سامنے آسمانی دنیا کا سب نظارہ ہے۔ اور آسمان کی آواز بھی میری سماعت میں داخل ہے۔ گویا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں یہ عالم بھی ہے۔ اور وہ عالم بھی —— اور سماعت شریفہ میں یہ آوازیں بھی ہیں۔ اور

وہ آوازیں بھی۔

روسی سیّارہ

میرے بھائیو! اگر کوئی بیوقوف عقلمند حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد حق بنیاد پر کہ ہیں نے آسمان کے چیخنے کی آواز سنی۔ اعتراض کرے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ہم اسے اس کی محترمہ کتیا جس کا نام لائیکا اخباروں ہیں آچکا ہے۔ کی آواز کے متعلق یاد دلائینگے کہ کیوں صاحب۔ آپ کے ممدوح روس نے جس کو الٹا کر پڑھو۔ تو تمہاری مرغوب غذا بن جاتی ہے۔ جب دوسرا سیارہ چودہ من وزنی اوپر بھیجا تھا۔ تو آپ لوگوں نے یہ بھی لکھا اور کہا تھا۔ اور اسے بڑے فخر سے مشتہر کیا تھا کہ اس سیارہ ہیں ایک کتیا لائیکا نامی بھی تشریف فرما ہے۔ جس کے لئے یہ سیٹ پہلے ہی ریزرو ہو چکی تھی۔ اور جب یہ کتیا ایک ہزار میل کی بلندی پر پہنچ گئی۔ تو اس کے بھونکنے کی آواز نیچے زمین پر ریڈیو سیٹ پر سنی جاتی رہی ـــــ کیوں صاحب! آپ کی محترمہ کتیا کے دل کی دھڑکن کی آواز آپ نے ایک ہزار میل دور سے کیسے سن لی تھی؟ کتیا کے بھونکنے کی آواز سن کر اور اس پر ایمان لا کر پھر ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی اور یقینی سماعت شریفہ کے خلاف کوئی کیوں بھونکے؟ ـــــ یاد رکھو! کتیا کی آواز اتنی دور سے تمہارا سن لینا مشکوک ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا آسمان کی آواز کو سن لینا ہرگز ہرگز مشکوک نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حضور نے جو کچھ فرمایا۔ قطعاً صحیح اور حق ہے۔ اسی لئے اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

میرے بزرگو! آسمان جو یہاں سے کروڑوں میل دور ہے۔ جو مبارک کان اتنی بعید جگہ کی آواز سن لیتے ہیں۔ ذرا غور تو فرمائیے۔ کیا وہ دو ڈھائی ہزار میل دور کی آواز نہ سن لیں گے؟ آسمان چیخے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کروڑوں میل دور کی یہ آواز سن لیں۔ تو اگر ایک امتی نعرۂ رسالت لگائے

اور یا رسول اللہ کہے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ آواز کیوں نہیں سن سکتے؟ تعجب ہے۔ کہ حضور اس قدر دور آسمان کی آواز تو سن لیں۔ اور اس سے نزدیک زمین کی آواز نہ سن سکیں؟ اگر یہی عقل ہے تو ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ نبی کا قلب ہر وقت منور، شفاف اور مخزنِ انوارِ غیب رہتا ہے۔ نبی کی نظر کے سامنے کوئی حجاب نہیں رہتا۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ میں جیسے آگے دیکھتا ہوں ویسے ہی پیچھے ہی دیکھتا ہوں۔ اور نماز کے وقت صحابہ سے فرمایا۔ کہ صفیں سیدھی کرکے کھڑے ہوا کرو۔ کیونکہ میری نظر جیسے آگے دیکھتی ہے۔ اسی طرح پیچھے بھی دیکھتی ہے۔ اور اسی لئے حضور نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میں جیسے دن کو دیکھتا ہوں۔ رات کی اندھیریوں میں بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں۔

شاہد نبی صلے اللہ علیہ وسلم میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ اے میرے پیارے نبی!

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ـــ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے۔

اور گواہ کے متعلق کون نہیں جانتا۔ کہ وہ بغیر دیکھے جانے کے گواہی نہیں دے سکتا۔ اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے واسطے سب کے رسول ہیں۔ اور سب کے گواہ ہیں۔ کل قیامت کے دن سب کے نیک و بد اعمال کی حضور ہی نے گواہی دینی ہے۔ آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ اس بات پر گواہ ہے۔ تو گواہ چونکہ بغیر جانے بوجھے اور دیکھنے کے گواہی نہیں دے سکتا۔ اس لئے ہمارے شاہد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہر شخص کے نیک و بد اعمال داخل ہیں۔ اور آپ سب کو دیکھ رہے ہیں۔ اور سب کے اعمال کو جانتے ہیں۔ اور یہ اچھے اور برے کام دن کو بھی ہوتے ہیں۔ رات کو بھی۔ دائیں بھی۔ بائیں بھی۔ آگے بھی پیچھے بھی۔ لہٰذا ان سب اعمال کے گواہ کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ ان سب آگے پیچھے دائیں بائیں اور دن رات کو ہونے والے نیک و بد اعمال کو دیکھے اور جانے۔ اسی لئے ہمارے

شاہد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک میں اللہ نے وہ وسعت بخشی کہ آپ آگے پیچھے، دائیں بائیں، دن اور رات کو برابر دیکھتے تھے۔ اور دیکھتے ہیں۔ اور اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ ساری دنیا میرے سامنے اسی طرح ہے۔ اور میں ساری دنیا اور اس میں ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو۔ (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۲)

انچارج

میرے عزیزو! آج علم رسول میں چہ میگوئیاں کرنے والے بہت پیدا ہو چکے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ (معاذ اللہ) کوئی کہتا ہے۔ کہ آپ کو اپنے انجام کی بھی خبر نہ تھی۔ (استغفر اللہ) اس قسم کے جہلار کو اتنی موٹی بات بھی نہیں سوجھتی۔ کہ کسی دفتر کا جو شخص انچارج ہوتا ہے۔ وہ اس دفتر کے کونے کونے اور ایک ایک کاغذ اور اپنے سٹاف کے ایک ایک فرد سے باخبر ہوتا ہے۔ وہ انچارج ہی کیا؟ جسے اپنے دفتر کی کسی چیز، کسی کاغذ، کسی ماتحت کا علم نہ ہو۔ آپ کو علم ہوگا۔ کہ ریلوے کا ایک کنٹرولر ہوتا ہے۔ جس کا بڑا دفتر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھے بیٹھے پشاور سے لے کر کراچی تک کی گاڑیوں پر کنٹرول کرتا ہے۔ اور اس کی نظر میں ہر گاڑی اور ہر اسٹیشن ہوتا ہے۔ اور آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس کے سامنے ایک ریلوے نقشہ معلق رہتا ہے۔ جس نقشہ میں این۔ ڈبلیو۔ آر۔ کی جملہ لائنیں اور اسٹیشن ہوتے ہیں۔ اور وہ کنٹرولر کے ہر وقت پیش نظر رہتا ہے۔ بلا تشبیہہ جو محبوب ساری دنیا کا رسول اور انچارج بن کر تشریف لایا ہو۔ اور سارے عالم کا مختار بن کر آیا ہو۔ اس کی نظر سے اس اپنے حلقہ کی کوئی چیز کوئی فرد کیسے غائب رہ سکتا ہے؟ اگر ریلوے کنٹرولر کے سامنے این۔ ڈبلیو۔ آر کا نقشہ رہتا ہے۔ تو بلا تشبیہہ رسولِ کائنات کے سامنے ساری کائنات رہتی ہے۔ اور وہ کائنات کی ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور تصرف فرما رہا ہے۔

کسی کو انچارج بھی کہا جائے اور پھر اسے اس دفتر پر بے اختیار بھی مانا جائے کس قدر جہالت ہے۔ اسی طرح حضور کو رسولِ کائنات بھی کہا جائے

وہ پھر نہیں کائنات سے بے خبر اور عاجز بھی کہہ جائے۔ کس قدر ظلم ہے۔

یاد رکھیئے! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم رسولِ کائنات ہیں۔ سب کے رسول اور سب سے باخبر اور سب کے مالک و مختار ہیں۔ اچھوں کے بھی۔ بروں کے بھی۔ چھوٹوں کے بھی۔ بڑوں کے بھی۔ وہی تھے۔ وہی ہیں۔ اور وہی ہیں گے۔

گنابگاروں کے

دوستو! یہاں یہ بات بھی سامنے آ گئی۔ کہ ہمارے حضور سبھی کے رسول ہیں۔ ہم گنہگار ہیں۔ لیکن اس بات پہ نازاں ہیں۔ کہ ہیں ہم حضور ہی کے اور حضور کو ہم اگرچہ برے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں۔ کہ ہمارا خیال نہ ہو۔ ؎

اک دن نبی محمد سرور باہر سیر سدھارے
جنگل دے وچ چھیڑو ڈٹھا کہیا رسول پیارے
دیکھو اس نوں لیسا مانڈا اپنا مال پیارا
میں بھی چھیڑو امت کارن رکھیا رسول سہارا

مقصد یہ کہ ہم گنہگار سہی۔ لیکن ہیں حضور ہی کے۔ ؎

بد سہی، چور سہی، مجرم ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

ایک مثال

آپ نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ اور بڑے رش میں تیسرے درجہ میں بیٹھے۔ اچانک آپ نے ایک کتے کو دیکھا۔ جو فسٹ کلاس ڈبے کے ایک چھوٹے سے بند کمرے میں بند تھا۔ تو سب آپ حیران رہ گئے۔ کہ میں انسان ہو کر تھرڈ میں۔ اور یہ کتا ہو کر فسٹ کلاس کے ڈبہ میں۔ آخر آپ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ اور عقدہ یوں کھلا۔ کہ یہ اگرچہ کتا ہے۔ لیکن ہے کسی بڑے آدمی کا۔ کسی رئیس اعظم کا۔ جو بھی فسٹ کلاس میں سفر کر رہا ہے۔ بلا تشبیہ بشیر دربارِ رسالت کا ایک کتا ہے۔ لیکن اسے ناز ہے۔ کہ

اسے دربارِ رسالت سے نسبت حاصل ہے ؎

مجھ سے در، در سے سگ، اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورہ تیرا

— تو میرے دوستو! کل قیامت کے دن دیکھ لینا۔ یہ سگِ بارگاہِ رسالت بھی اپنے مالک و صاحب اور اپنے رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس نسبت کے صدقہ میں جنت ہی میں ہوگا۔ اور جنہیں یہ نسبت حاصل نہیں وہ جہنم کے رش میں چیختے چلاتے ہوں گے ؎

بشیرِ ثنا خوانِ احمد مبارک !!
کہ جنت میں ہم تیرا گھر دیکھتے ہیں

شیر پنجاب کوئی بدخواہ یہ نہ کہے۔ کہ دیکھ لو۔ بشیر نے خود اپنے آپ کو کتا لکھا ہے۔ میرے دوستو! بیشک میں نے یہ لکھا ہے۔ اور لکھوں گا۔ کہا ہے اور کہوں گا۔ مگر یہ بھی تو دیکھو۔ کہ کتا ہوں کس بارگاہ کا؟ کتا ہوں مگر بارگاہِ رسالت کا۔ وہ جس کی یہ شان ہے کہ۔ ؏

شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

اور یہ سگِ بارگاہِ نبوی دشمنانِ رسالت کے لئے شیر ہے۔ اور یہ اسی نسبت کا صدقہ ہے۔ کہ دنیا شیر پنجاب کہتی ہے۔ اور میرا یہ بظاہر فخریہ جملہ دشمنانِ رسالت کے مقابلہ میں حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے تتبع اور ان کی غلامی کے رنگ میں ہے۔ جب کہ مولا علی نے بھی دشمن رسالت کے مقابلہ میں یوں فرمایا تھا

؏ اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرًا

اسی طرح ایک بار حضور صلے اللہ علیہ وسلم میدان جہاد میں جانے کی تیاری فرما رہے ہیں۔ دو چھوٹے بچے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ہمیں بھی ساتھ لے چلئے۔ دشمنانِ رسالت سے ہم بھی جہاد کریں گے۔ حضور نے فرمایا۔ مگر تم تو بہت چھوٹے ہو۔ تو مسلمانو! جانتے ہو۔ ان بچوں کا جواب کیا تھا؟ — سنو! وہ بچے بولے — — !

یا رسول اللہ! ؎

ہم نے مانا ہم ہیں بچے عمر میں ہم زیر ہیں!
کافروں کے واسطے سن لیجئے ہم شیر ہیں

میرے بھائیو! آج پھر کفر برسرپیکار ہے۔ اور مسلمانوں کے مٹانے کو للکار رہا ہے اٹھو اور شیر بن کر اٹھو۔ یعنی دشمنوں کے لئے شیر بنو۔ اور اپنوں کے لئے دوست بن کر رہو۔ اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا اپنے آپ کو غلام بنا کر رکھو ـــــ پھر دیکھو تمہیں کس طرح عزت و عروج ملتا ہے؟ اور کس طرح اللہ کی نظر رحمت تم پر پڑتی ہے ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بہانے باز! دوستو! صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ہر طرح کی قربانی اور ایثار کیا۔ اور تن من دھن، سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ مگر افسوس کہ آج ہم اس معاملہ میں سو طرح کے حیلے بہانے تراشنا شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے مسلمان وہ تھے۔ جنہوں نے میدانِ جہاد میں بھی نماز نہ چھوڑی۔ اور آج ہم ہیں۔ کہ سر درد بھی ہونے لگے۔ تو نماز سے چھٹی۔ اور اگر کوئی نماز کا کہے۔ تو سو طرح کے بہانے جن کا نہ کوئی سر نہ پیر۔

لطیفہ! کہتے ہیں۔ ایک بھکاری جو کانا تھا۔ ایک شخص سے کہنے لگا۔ سخی بابا۔ محتاج کو ایک روپیہ دیدے۔ اس شخص نے دیکھ کر پوچھا۔ میاں بھکاری! تم محتاج کس بات سے ہو؟ کوئی ایسی صورت نظر تو نہیں آتی۔ وہ بھکاری اپنی آنکھ کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ حضور! یہ دیکھئے کانا ہوں۔

وہ شخص بولا۔ مگر میاں! ایک آنکھ تو ہے۔

بھکاری نے کہا۔ اچھا صاحب! تو پھر روپیہ نہیں۔ تو اٹھنی ہی دیدو۔ دیکھا آپ نے کچھ اس کانے بھکاری کے سے جیسے ہم میں بھی پائے جاتے ہیں۔

بھائیو! اس قسم کے حیلوں کو چھوڑو۔ اور سچے مسلمان بنو!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سب کے رسول اور سب سے باخبر ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے۔ جس کا انکار کرنے والا سب سے بڑا بے خبر ہے۔ میرے عزیزو! ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم واقعی ساری کائنات کو دیکھ رہے ہیں۔ اور ہر ذرہ و قطرہ کے آپ عالم ہیں۔ اور یہ اللہ کی عطا ہے۔ جو اس نے اپنے محبوب پر فرمائی۔

ماکان ومایکون ہمارا دعویٰ ہے کہ ماکان یعنی جو کچھ ہو چکا ہے ومایکون یعنی جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے۔ سب کچھ حضور کے علم میں ہے۔ اور یہ حقیقت دلائل سے ثابت ہے۔ لیجئے ایک سادہ، اور عام فہم دلیل سنئے۔ ہماری ابتدار حضرتِ آدم علیہ السلام سے ہوئی اور اس دنیا کی انتہا یہ ہے۔ کہ قیامت آجانے کے بعد دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے۔ اب اس ابتدار اور انتہار کو سامنے رکھ کر دو حدیثیں سنئے!

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدانے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ تو اسی وقت حضرتِ آدم سے فرمایا:-

اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰٓى اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ بِهٖ ——" یعنی جاؤ اور ان فرشتوں سے سلام کہو اور غور سے سنو۔ کہ وہ کس چیز سے تمہیں جواب دیتے ہیں"

چنانچہ آدم علیہ السلام گئے۔

فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔

"آپ نے فرشتوں سے السلام علیکم کہا تو فرشتوں نے جواب دیا۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ یعنی ورحمۃ اللہ کا اضافہ کردیا"

(بخاری شریف صفحہ ۹۶۸ جلد ۱)

یہ حدیث سن لینے کے بعد اب دوسری حدیث سنئے۔ حضور سرور عالم، نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِنِّىْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَاٰخِرَ اَهْلِ

النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۸۱)

" جو شخص سب جنتیوں کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ اور جہنم سے نکلنے والوں میں جو سب سے بعد جہنم سے نکلے گا۔ اس آدمی کو میں جانتا ہوں "

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سب سے بعد جہنم سے نکلنے والے آدمی کا قصہ بھی تفصیل سے سنایا ہے۔ اور فرمایا :-

(حدیث کا ترجمہ سنئے)

جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔ جس کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہے۔ اسے جہنم سے نکال دو۔ چنانچہ فرشتے تمام گنہ گار مومنوں کو جہنم سے نکال لیں گے۔ اور ایک آدمی جنت ور جہنم کے درمیان رہ جائے گا۔ جس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا۔ تو وہ آدمی اللہ سے عرض کرے گا۔ کہ الٰہی میرا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر ڈال۔ کہ مجھے دوزخ کی ہوا اور اس کی گرمی نے جلا دیا ہے۔ خدا فرمائے گا۔ اے بندے! اگر میں تمہاری یہ عرض قبول کرلوں۔ تو کچھ اور تو نہ مانگے گا؟ وہ عرض کریگا۔ نہیں یا اللہ اور کچھ ہرگز نہ مانگوں گا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا۔ پھر جب اس کا منہ جنت کی طرف ہو جائے گا۔ تو اسے جنت کی بہار اور اس کی رونق نظر آنے لگے گی۔ پھر وہ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد عرض کرے گا۔ الٰہی مجھے جنت کے دروازہ تک پہنچا دے۔ خدا فرمائے گا۔ ابھی تو تم نے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں اور کچھ نہ مانگوں گا۔ پھر اور درخواست کیسی؟ وہ عرض کرے گا الٰہی مجھے اپنی رحمت سے محروم نہ رکھ۔ خدا فرمائے گا اچھا پھر اور کچھ تو نہ مانگے گا؟ نہیں یا اللہ اور کچھ بھی ہرگز نہ مانگوں گا۔ پھر اور درخواست کیسی؟ وہ عرض کرے گا۔ الٰہی مجھے اپنی رحمت سے محروم نہ رکھ۔ خدا فرمائے گا اچھا پھر اور کچھ تو نہ مانگے گا؟ نہیں یا اللہ اور کچھ بھی ہرگز نہ مانگوں گا۔ چنانچہ خدا اسے جنت کے دروازے تک پہنچا دے گا۔ اب جو وہ دروازے پہنچ کر جنت کے اندرونی مناظر دیکھے گا

اور جنت کے عیش و آرام اسے نظر آئیں گے - تو پھر بول اٹھے گا کہ الٰہی! مجھے جنت کے اندر داخل فرما۔ خدا فرمائے گا بندے! پھر تم نے اپنا عہد توڑا۔ وہ عرض کرے گا الٰہی! مجھے اپنی رحمت سے محروم نہ رکھ۔ چنانچہ خدا تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے فرمائے گا۔ جا جنت میں میں نے تجھے دنیا اور اس کے برابر عطا فرمائی۔ وہ بندہ اس قدر عظیم عطا کا سن کر کہے گا۔

اَیْ رَبِّ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّیْ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ "اے رب! رب العالمین ہو کر مجھ غریب سے تو مذاق کرتا ہے؟"

حضرت ابنِ مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ یہ حدیث روایت کرتے ہوتے اس موقعہ پر پہنچ کر ہنس پڑے۔ اور فرمایا لوگو! مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں اس موقعہ پر ہنسا کیوں؟ لوگوں نے پوچھا! اچھا تو بتائیے آپ اس موقعہ پر کیوں ہنسے؟ — ابن مسعود فرمانے لگے۔ یہ حدیث سنتے ہوتے میں نے دیکھا۔ کہ اس موقعہ پر حضور بھی ہنس پڑے تھے۔ اور ہم نے حضور سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس موقعہ پر کیوں ہنسے؟ تو حضور نے فرمایا کہ جب وہ بندہ کہے گا کہ الٰہی "مجھ غریب سے تو مذاق کرتا ہے؟" تو خدا بھی ہنس پڑے گا۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۸۳ صفحہ ۴۸۴)

کیوں میرے بھائیو! دیکھا آپ نے اپنے آقا و مولیٰ کے علم پاک اور آپ کی نظر کو؟ کہ دنیا کے اُس سرے حضرت آدم کی خلقتِ شریفہ پر بھی آپ کی نظر ہے۔ اور آپ اس وقت جو باتیں ہوئیں۔ اس کا سارا قصہ سنا رہے ہیں۔ اور دنیا کے اس سرے یعنی دخولِ جنت اور دخولِ نار پر بھی آپ کی نظر ہے۔ اور آپ سے آخری جنتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اسے میں آج بھی جانتا ہوں۔ اور پھر جو کچھ اس آخری جنتی کے ساتھ ہونے والا ہے۔ حضور آج ہی تفصیل سے سب کچھ سنا رہے ہیں۔

پھر میرے بھائیو! [illegible] دنیا کے اس سرے پر بھی ہو اور اُس سرے پر بھی تو خود ہی انصاف کر لو کہ اس محبوبِ پاک کی نظر سے درمیان کی کوئی چیز کیسے غائب رہ سکتی ہے؟ ؎

سرِ عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر

حضرات! یہ تو بھلا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بات ہے۔ آیئے حضرت علی کی بات سنیئے۔ حضرت علی کون تھے؟ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام اور بابُ مدینۃ العلم — آپ کے پاس ایک مرتبہ جبریلِ امین ایک آدمی کی شکل میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کی۔ اے علی! آپ بابُ مدینۃ العلم ہیں۔ جبریل کی ذرا تلاش تو کیجئے اور بتایئے کہ جبریل اس وقت کہاں ہے؟ حضرت علی نے پہلے تو دائیں بائیں دیکھا۔ پھر زمین کی طرف دیکھا اور پھر اوپر کی طرف دیکھا اور فرمایا اس وقت جبریل نہ تو آسمانوں پر نظر آیا ہے۔ اور نہ زمین میں کہیں۔ اس لئے میرے خیال میں جبریل تو ہی ہے۔ (نزہۃ المجالس ص۳۵۲)

کیوں مسلمانو! دیکھی آپ نے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی نظر پاک؟ کہ جبریل بھی اس نظر سے چھپ نہیں سکتا۔

تو میرے بھائیو! جس آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام کی نظر سے جبریل بھی نہ چھپ سکے۔ اس آقا کی اپنی نظر سے کون ہے۔ جو چھپ سکے۔ بھائیو! اس آقا کی وہ نظر ہے۔ کہ خدائی تو خدائی خدا بھی اس نظر سے نہ چھپا۔ اسی لئے اعلیحضرت فرمایا ہے۔ ؎

اور کیا غیب تم سے نہاں ہو بھلا!
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

مولانا رومی علیہ الرحمۃ کا ارشاد

آیئے مولانا رومی کا ارشاد سنیئے کہ وہ ان اللہ والوں کے علم کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

یہ دیکھو حضرت مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں:۔ ؎

اِیں طبیبانِ بدن دانشورند!
بر مقامِ تو ز تو واقف تر اند!

یعنی یہ بدن و جسم کے طبیب و معالج دیکھ لو، تمہاری بیماریوں سے تم سے

زیادہ واقف ہیں۔ ایک آدمی ہے، اس کا جگر خراب ہے۔ اس کی آنتوں میں ورم ہے۔ یا اس کے گردے میں پتھری ہے۔ حکیم اس کی نبض دیکھ کر بڑے وثوق سے اُسے بتاتا ہے کہ میں تمہارے پیٹ میں یہ نقص ہے۔ تمہارے گردے میں اتنی بڑی پتھری ہے۔ تو بھائیو! حکیم کے اس اعلان پر کسی صاحب کی رگ توحید نہیں پھڑکتی۔ وہاں کوئی شرک کا فتویٰ نہیں لگاتا کہ پیٹ کے اندر کی چیز جو ہماری نظروں سے غائب ہے۔ یہ حکیم اس غیب کی خبر کیسے دے رہا ہے؟ کیا حکیم صاحب خدا ہیں؟ ممکن ہے یہاں کوئی صاحب یہ جواب دیں کہ صاحب۔ یہ خبر تو نبض دیکھ کر اور تجربے کی بنا پر دی جاتی ہے۔ یا قارورہ دیکھ کر یہ بات معلوم کر لی جاتی ہے۔ تو میں کہوں گا۔ کہ کیوں جناب نبض یا قارورہ دیکھنے یا تجربہ کے باعث کیا شرک توحید بن جاتا ہے؟ یہ اچھی توحید ہے۔ جو نبض و قارورہ کے باعث بنی ہو؟

میرے بھائیو! مولانا رومی علیہ الرحمۃ حکیم و طبیب کے اس علم و دانش کا ذکر کر کے پھر آگے فرماتے ہیں۔ کہ ؎

پس طبیبانِ الٰہی در جہاں
چوں نہ دانند از تو اسرارِ جہاں

یعنی جب بدن کا حکیم تمہارے اسرارِ بدن سے اس قدر واقف ہے۔ تو وہ جو اللہ کے طبیب اور روحانی حکیم ہیں وہ تمہارے پوشیدہ اسرار و رموز سے کیوں واقف نہ ہوں گے؟ اور کیوں نہ سب کچھ جانتے ہوں گے؟

کیا مزے کی بات فرمائی ہے، مولانا رومی نے۔ اے منکرو! جواب دو اگر بدن کے حکیم کا اسرار بدن کو جان لینا شرک نہیں۔ تو حق کے طبیب کا اسرار جہان کو جان لینا شرک کیوں ہے؟

اور سنئے مولانا رومی نے آگے کیا فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

حالِ تو دانند یک مو بمو
زانکہ پُر ہستند از اسرارِ ہُو

"یہ اللہ والے تیرا ہر ایک حال تیری مو بمو کیفیت جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ

پاک لوگ اسرار ہُو سے پُر ہیں "

یعنی بدن کا طبیب اگر نبضِ درنگ کا تجربہ کار ہے تو حق کا طبیب اسرارِ ہُو کا علمبردار ہے۔ افسوس ایسی عقل پر جو نبض درنگ کے تجربہ کاروں کو تو بدن کے اسرار پر مطلع مانے۔ لیکن ذکر ہُو کے علمبرداروں کو کسی بات پر بھی مطلع نہ مانے بلکہ ان سب کے آقا و سردار حضور احمد مختار صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھ دے کہ ان کو دیوار کے پیچھے کی خبر بھی نہ تھی۔ ع

بر ایں عقل و دانش بباید گریست

اور خدا اس قسم کی عقل سے

محفوظ ہی رکھے — امین — غور تو فرمایئے وہ دانائے غیوب اور اللہ کے محبوب ہمارے آقا و مولےٰ جو خود فرمائیں۔ کہ ساری دنیا میرے سامنے مثل کفِ دست کے ہے۔ یہ لوگ انہیں دیوار کے پیچھے سے بھی بے خبر بتائیں۔ (استغفراللہ) یہ لوگ کس قدر بے خبر ہیں؟ انہوں نے نبوت کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ ذرا غور تو فرمایئے۔ جس نبی کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں اور جس نبی کو بقولِ بعض　　　نہ اپنا حال معلوم ہو۔ نہ کسی دوسرے کا　　　بھلا ایسے نبی کا کلمہ پڑھنے کا کیا فائدہ — ؟

بھائیو ہمارا نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو واقعی نبی تھے۔ غیب کی خبریں جاننے والا۔ غیب کی خبریں سنانے والا اور جہنم سے بچانے والا ہے۔ اور جو کچھ نہ جانے نہ پہچانے۔ نہ کسی کے کام آئے نہ مصیبت سے بچائے وہ محمد بن عبدالوہاب ہے۔ اور جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ ذاتِ بابرکات اور جامع کمالات ہے۔ جس کے متعلق حضرت حسان نے فرمایا۔

؎　وَ لِکُلِّ نَبِیٍّ فِی الْاَنَامِ فَضِیْلَۃٌ
وَجُمْلَتُھَا مَجْمُوْعَۃٌ لِمُحَمَّدٍ

ہاں تو مولانا روم علیہ الرحمۃ آگے پھر یوں فرماتے ہیں ؎

بلکہ پیش از زادنِ تو سالہا!
دیدہ باشندت بچندیں حالہا!

"یعنی یہ اللہ والے تیرے پیدا ہونے سے کئی سال پہلے تجھے دیکھتے۔ اور جانتے تھے۔ اور تمہارے حالات کا انہیں علم تھا"

سن لیجئے۔ ما فی الارحام کے علم سے بھی اور آگے۔ یعنی جو چیز ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور "ما فی الارحام" کا مصداق ابھی بنی ہی نہیں۔ یہ اللہ والے کئی سال پہلے اس کی اور اس کے حالات کی خبر بھی رکھتے ہیں۔

مسلمانو! یہ ہے علم ان اللہ والوں کا۔ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔ یہ ان کی خبر بھی رکھتے ہیں۔ اور ایک ان کی مثل بننے والے بھی ہیں۔ کہ اپنی بھی خبر نہیں۔ ان کی مثال تو اُن ۱۰ عدد بے وقوفوں کی سی ہے۔

لطیفہ جو دریا سے پار ہوئے۔ تو اپنے آپ کو گننے لگے کہ دیکھ لو۔ دس پورے ہی ہیں نا۔ مبادا کوئی آدمی دریا میں ڈوب گیا ہو۔ چنانچہ ان میں سے ایک آدمی گننے لگا۔ تو دوسروں کو تو گن لیا۔ مگر اپنے آپ کو نہ گنا۔ اور نو عدد گن کر رونے لگا۔ کہ ہمارا ایک آدمی ڈوب گیا ہے۔ پھر دوسروں نے بھی ایک ایک بار گنا۔ اور جو بھی گنتا تھا۔ وہ دوسروں کو تو گن لیتا۔ مگر اپنے آپ کو نہ گنتا۔ اور سب نے یہی سمجھا۔ کہ ہم دس تھے۔ مگر اب نو رہ گئے۔ افسوس ہمارا ایک آدمی ڈوب گیا ہے۔ پھر دسوں بیٹھ کر رونے لگے۔ اتنے میں ایک دانا آدمی وہاں سے گزرا۔ اس نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولے کیا بتائیں ہمارا ایک آدمی دریا میں ڈوب گیا ہے۔ ہم پورے دس آدمی تھے۔ مگر دریا کو عبور کرتے ادھر جو آئے۔ تو نو رہ گئے۔ اس باخبر آدمی نے ان سے کہا اور گر میں تمہاری تعداد پوری دس کر دوں۔ تو مجھے کیا دوگے؟ وہ خوش ہو کر بولے۔ پچاس روپے دیں گے۔ اس باخبر نے کہا۔ تو لو دیکھو میں تم میں سے ہر ایک کے سر پر ایک ایک جوتا مارتا جاؤں گا تم گنتے جانا۔ چنانچہ اس نے ایک سرے سے ان کو جوتے مارنا شروع کئے۔ اور انہوں نے گننے شروع کئے۔ تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ جوتے دس آدمیوں کو دس ہی لگے۔ پھر انہوں نے پچاس روپے خوشی سے اس کو دیئے۔ اور خوشی سے آگے بڑھے۔

بھائیو! کچھ یہی سمجھ ان لوگوں کی بھی ہے۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اہل اللہ کو اپنی مثل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان پاک لوگوں کو سب کی خبر ہے۔ اور ان اپنے جیسا کہنے والوں کو تو اپنی بھی خبر نہیں۔

تو میرے بزرگو اور عزیزو! یہ ہے بزرگانِ دین کا عقیدہ کہ اللہ والوں کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ اب یہ لوگ لگائیں فتویٰ مولانا رومی پر بھی اور ایک مولانا رومی پر ہی کیوں ہزاروں بزرگانِ دین اسی عقیدے کے گزرے ہیں۔ اور خدا کے فضل سے یہ بزرگان دین ہیں بھی ہمارے ہی سوادِ اعظم ہیں۔ بے ادب لوگوں میں کوئی بزرگ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نظر اٹھا کر دیکھئے جو غوث، قطب، ولی، اور بزرگ گزرا ہے۔ وہ سوادِ اعظم اہل سنت ہی سے ہے نہ کہ بے ادب گروہ سے اور بھائیو! خدا کے فضل سے ان سینکڑوں، ہزاروں اولیائے امت اور ان کے متوسلین کی کثرت سے ہی تو ہماری جماعت سواد اعظم ہے۔ اور اس بڑی جماعت ہی سے یہاں بھی رونق ہے۔ اور وہاں جنت میں بھی ہو گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جنتیوں کی صفیں

اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ — (مشکوٰۃ شریف ص۵۹۷) "یعنی جنتیوں کی ایک سو بیس۱۲۰ صفیں ہوں گی۔ جن میں سے چالیس۴۰ صفیں تو ہی سب امتوں کی ہوں گی۔ اور اسی۸۰ صفیں صرف میری امت کی ہوں گی"

سبحان اللہ! کیا شان ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صدقے میں حضور کے غلاموں کی۔ گویا جنت نصف سے زیادہ حضور کے غلاموں سے بھری جائے گی۔ جنت کے دو حصے میں حضور کے غلام اور تیسرے حصے میں دوسری سب امتیں۔

بھائیو! اب ذرا حساب لگاؤ۔ یہ دنیا بھر کو مشرک اور بدعتی بنانے والے خود کتنے ہیں؟ ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر میں نظر دوڑا کر دیکھ لو۔ کہ یہ کتنے ہیں؟ اور ہم کتنے ہیں؟ خدا کے فضل و کرم سے ہر جگہ ہماری ہی کثرت

ہے۔ اور یہ لوگ؟ بخدا آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ پھر بھلا جنت کی وسیع طویل اسّی صفیں ان سے پُر ہوں؟ بالکل غلط اور محال۔ ان سے تو کوئی چھوٹی سی مسجد بھی پُر نہیں ہوتی۔ ہاں! ہاں!! مسلمانو! یہ جنت کی صفیں پوری کرے گی تو یہ جماعت جو سوادِ اعظم ہے۔ جس کی دنیا بھر میں کثرت ہے۔ جس سے یہاں کئی بڑی بڑی جامع مسجدیں پُر ہیں۔ اور جن کو دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے ارشاد

اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا

کی تفسیر سامنے آجاتی ہے —— کسی بہت بڑے پلیٹ فارم پر ایک ٹرالی آکر ٹھہرے۔ تو اس پلیٹ فارم پر کوئی رونق نہیں لگتی۔ ہاں جب وہاں آکر پاکستان میل ٹھہرتا ہے۔ تو سارا پلیٹ فارم پر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جنت کے پلیٹ فارم پر ان کی ایک ٹرالی بالفرض آکر رُکے بھی۔ تو اس سے کیا ہوگا؟ ہاں جب سوادِ اعظم کا میل وہاں آکر ٹھہرے گا۔ تو جنت میں رونق لگے گی۔ اور یہ اسّی صفیں پوری ہوں گی۔ اور ہم ان ٹرالی والوں سے کہیں گے کہ جاؤ جاؤ تمہارا سٹیشن دوسرا ہے۔

اور یہ کہ ؎

ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

آپ کو یاد ہوگا۔ کہ میں کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ قوتِ نظریہ اور قوت عملیہ۔ قوتِ نظریہ وہ قوت ہے جس سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ قوت جب رتبۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کے سامنے کوئی حجاب اور کوئی ظلمت نہیں رہتی۔ اور اس کا دل عالم غیب کا خزانہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ کمال اسے بغیر اکتساب اور محنت کے ملے تو وہ نبی ہے ورنہ امتی۔ الحاصل نبی وہ ہے۔ جس کی قوتِ علمیہ انکشافِ الہٰی سے نہایت کمال کو پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ پھر اس میں غلطی کا احتمال تک باقی نہ رہے۔ اور جو لوگ ان کے فیضِ صحبت سے اور اثرِ تربیت سے اس درجۂ عالی کو پہنچتے ہیں۔ ان کو صدیق کہتے ہیں جیسے

کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ کہ آپ ساری کائنات میں اسی نام صدیق اکبر سے مشہور و معروف ہیں۔

شانِ صدیق

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کی وہ ذات گرامی ہے۔ جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ محبت کی۔ اور اپنا تن، من، دھن، سب کچھ حضور پر نچھاور کر دیا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ:-

مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ (ترمذی شریف تاریخ الخلفاء ص۳۱) "مجھے جتنا نفع ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے۔ اتنا نفع کسی اور کے مال نے نہیں دیا۔"

اور پھر فرمایا۔ کہ ہم نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔ لیکن ابوبکر کے احسان کا بدلہ قیامت کے روز اللہ چکائے گا۔ (کتب مذکور)

سہ

یار کے نام پہ مرنے والا		سب کچھ صدقے کرنے والا
منزلِ عشق و صدق کا رہبر		رضی اللہ تعالےٰ عنہ

نبیوں کے بعد ہے سب سے بہتر
رضی اللہ تعالےٰ عنہ

مسلمانو! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وہ ذات گرامی ہے۔ جس نے ہر وقت ہر لمحہ اور ہر گھڑی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اور حضور کے ہر ارشاد اور ہر فرمان کی تصدیق کی۔ یہ بات اگرچہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان میں پائی جاتی ہے۔ مگر حضرت صدیق اکبر ان سب نفوسِ قدسیہ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور اسی باعث آپ "صدیق اکبر" کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ بھائیو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت دل میں رکھو۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ "ابوبکر میرے غار کے رفیق ہیں۔ اور حوضِ کوثر پر بھی وہ میرے رفیق ہوں گے" تو یاد رکھو!

صدیق اکبر سے عداوت حوض کوثر کے نزدیک نہ آنے دیگی۔ خبردار! بے خبروں کے جھانسے میں آکر بغضِ صدیق کو اپنا نہ لینا۔ اور اپنی عاقبت برباد نہ کر لینا۔

ہاں تو نبی کی ذات سے براہِ راست فیض پانے والے کو صدیق کہتے ہیں۔ اور اس زمرۂ مقدسہ کے سردار صدیق اکبر ہیں۔ پھر ان کے بعد تابعین، پھر تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور پھر وہ مقدس افراد جو انبیاء کرام اور صدیقوں کی بات سُن کر بے یقین کرتے ہیں۔ جیسے خود اپنی آنکھوں دیکھی بات پر یقین کیا جاتا ہے۔ اور بڑی خوشی سے اس پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور اس قدر خلوص، انہماک کے ساتھ کہ اس راہ میں جان تک کی پروا نہیں کرتے اور اپنی جان بھی اس راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ ان کو شہید کہتے ہیں۔ اور چونکہ اپنی حیاتِ مستعار کو وہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اسکے بدلے میں حیاتِ ابدی انہیں عطا فرما دیتا ہے۔ اور انہیں نہ صرف یہ کہ مردہ کہنے سے منع فرماتا ہے۔ بلکہ انہیں مردہ سمجھنے سے بھی منع فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً — "ان اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ گمان بھی نہ کرو"

کہنا تو درکنار خدا فرماتا ہے۔ کہ دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ۔ کہ یہ مردہ ہیں۔

حیات النبی صلے اللہ علیہ وسلم

کیوں بھائیو! یہ مرتبہ شہدائے کرام کو کیسے حاصل ہوا؟ یقیناً حضور سرورِ کائنات کی بدولت کوئی ہے جو یہ کہے کہ نہیں صاحب. یہ مرتبہ شہداء کو حضور کی وساطت کے بغیر حاصل ہوا ہے؟ حاشا وکلا مسلمان تو ایسا کہہ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ ہر کمال حضور پر نور ہی کی ذاتِ گرامی سے منتقل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

لَا يَنْفُذُ اَمْرٌ اِلَّا مِنْهُ وَ لَا يَنْقُلُ خَيْرٌ اِلَّا عَنْهُ۔ (مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۱۲)

"ہر امر حضور کی ذات سے نافذ ہوتا ہے۔ اور ہر چیز و نیکی حضور ہی کی ذات سے منتقل ہوتی ہے"

تو بھائیو! یہ حیاتِ ابدی کمال بھی حضور ہی کی ذات والا صفات سے منتقل ہو۔ تو اب خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ وہ لوگ کس قدر جاہل ہیں۔ جو

حضور سرورِ عالم کی ذات منبع الحیات کو (معاذ اللہ) مردہ کہتے ہیں۔ اور ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ وہ مرکر مٹی میں مل گئے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ نہریں دریا سے نکلتی ہیں۔ جب نہریں پانی سے بھرپور نظر آئیں۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ دریا میں پانی بہت ہے۔ اس لئے کہ دریا کی فیض رسانی سے ہی نہروں میں پانی آیا کرتا ہے۔ اگر دریا خشک ہوتا تو نہریں کبھی بھی پر آب نہ ہوتیں۔ تو اسی طرح ان شہدائے کرام کی یہ زندگی جس پر قرآن شاہد ہے۔ کہاں سے آئی؟ حضور سرورِ عالم ہی کی ذاتِ منبع الحیات سے۔ یہ آبِ حیات نہیں کہاں سے حاصل ہوا، مدنی دریائے رحمت سے۔ تو کیوں صاحب! یہ بات قرینِ قیاس بھی ہے کہ نہریں تو پُر آب ہوں۔ اور دریا کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ خشک پڑا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر ایسے لوگ بھی ہیں ۔۔ جو نہروں کو تو پر آب مانتے ہیں لیکن دریا کو خشک۔ سچ ہے:۔ ع

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آہی جاتی ہے

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاک کا ذکر تو بہت بڑی چیز ہے حضور کے بحرِ حیات سے جو حیات ابدی کی نہریں جاری ہوئیں۔ ان کے ذکر سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان اللہ والوں کی موت ایک انتقال مکانی ہے۔ اور کچھ نہیں۔ چنانچہ سید العارفین حضرت اسعد یافعی نے اپنی کتاب روض الریاحین جس میں حضرات اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کی سچی حکایات جمع فرمادی گئی ہیں۔ میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ الْاَحْبَابَ اَحْیَاءٌ وَّاِنْ مَاتُوْا وَ اِنَّمَا یُنْقَلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ ۔۔ (ص۹۵) ۔۔ " یہ اللہ والے زندہ ہیں۔ اگرچہ ان پر موت آجائے۔ اور ان کی موت تو بس اتنی ہے کہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجاتے ہیں "

حیاتِ ولی

پھر آپ نے اسی صفحہ پر ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔ حضرت ابوعلی روزباری رضی اللہ عنہ کے پاس چند اللہ والے آئے اور کچھ روز بطورِ مہمان ٹھہرے۔ ان میں سے ایک صاحب بیمار ہوگئے۔ اور

ن کی بیماری طول پکڑ گئی۔ حضرت ابو علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا لی، کہ اس اللہ والے کی عیادت میں خود کروں گا۔ چنانچہ آپ اس مریض مردِ حق کی دن رت خدمت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ چل بسے۔ حضرت ابو علی نے غسل بھی خود ان کو دیا۔ اور کفن بھی خود ہی پہنایا۔ اور پھر نماز جنازہ کی فراغت کے بعد قبر میں لٹایا۔ اور آخری بار ان کے چہرے سے کفن ہٹا کر دیکھا تو ن کی دونوں آنکھیں کھلی تھیں۔ تو وہ حضرت ابو علی کو دیکھ کر کہنے لگے۔ "اے ابو علی قیامت کے روز میں تمہاری مدد کروں گا۔ جس طرح تم نے یہاں میری مدد کی۔"

اور سنئے! اسی صفحہ پر حضرت موصوف ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

حضرت ابو یعقوب سنوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے پاس مکہ شریف سے ایک میرا شاگرد آیا۔ اور آکر کہنے لگا:۔

يَا أُسْتَاذُ أَنَا غَدًا أَمُوْتُ وَقْتَ الظُّهْرِ فَخُذْ هٰذَا الدِّيْنَارَ فَاحْفِرْ لِيْ بِنِصْفِهٖ وَكَفِّنِّيْ بِنِصْفِهٖ ــــ (روض الریاحین ص۹۹)

"اے میرے استاد! میں کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا۔ آپ یہ دینار لے لیجئے۔ اس کے نصف سے میری قبر کھدوانا اور نصف سے مجھے کفن پہنانا۔"

چنانچہ جب دوسرا دن ہوا تو ظہر کے وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابو یعقوب فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے اس شاگرد کو خود غسل دیا۔ ور جنازہ پڑھ کر اسے لحد میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ تو میں نے کہا:۔

اَحَيَاةٌ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ "کیا مرنے کے بعد بھی زندہ ہو؟"

تو اس نے جواب دیا:۔

اَنَا حَیٌّ وَ كُلُّ مُحِبِّ اللّٰهِ حَیٌّ ــــ "میں زندہ ہوں اور اللہ سے محبت رکھنے والے سب زندہ ہیں"

اسی طرح کے کئی اور حقائق و واقعات کتابوں میں موجود ہیں مگر افسوس

ہے۔ کہ مردہ دل برائے نام زندہ لوگ ان اللہ والوں کے سردار و آقا حضور سرور کائنات منبع الحیات والبرکات صلی اللہ علیہ و سلم کے متعلق کچھ کا کچھ بکتے ہیں۔ اے مسلمانو! اپنے آپ کو ان مردہ دل، ناعاقبت اندیشوں سے بچاؤ۔ سہ

دُور شو از اختلاطِ یار بد
یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

ان شہیدوں کے بعد پھر اللہ نے صالح لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ حضرات بھی اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر دل و جان سے عمل کرنے والے اور شریعت کے جملہ تقاضوں کو پورا کرنے والے لوگ ہیں۔ اور یہ سب یعنی صدیق و شہید اور صالح جنتی ہیں۔ اور خدا نے آیت مذکور میں بشارت دی ہے۔ اس امر کی کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے تابعدار ہوں گے۔ وہ انہی جنتی لوگوں کے ساتھی ہوں گے۔

تحریف میرے بھائیو! مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا مگر منکرین ختم نبوت اسکے خلاف مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ اور اپنی من گھڑت دلیلوں میں سے ایک یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے۔

مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ — الی آخر الآیۃ

یہی آیت پوری پڑھ کر پھر اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :-

"جو اللہ اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کرنے والے ہوں گے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہونگے جن پر اللہ نے نعمتیں کیں۔ اور وہ چار قسم کے لوگ نبی صدیق، شہید، صالح ہیں۔ یہ آیت دروازۂ نبوت کے مسدود نہ ہونے پر نص صریح ہے" (نبوت کی حقیقت ص۲)

منکرین ختم نبوت نے اپنی کتاب نبوت کی حقیقت میں آیت مذکورہ کا یہ غلط ترجمہ کرکے کہ " وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے" اجرائے نبوت پر

دلیں قدم کی ہے۔ حالانکہ "اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ" کا ترجمہ۔" وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے"۔ نہیں ہے۔ بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ۔" وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے"۔

سب جانتے ہیں کہ "مع" کا معنی "ساتھ" ہے۔ نہ کہ" میں سے"۔ اور اس کا معنیٰ اگر" میں سے" ہی کیا جائے۔ تو" اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" کا کیا معنی ہوگا؟ کیا یہ معنی کروگے کہ" اللہ صابروں میں سے ہے؟"— معاذ اللہ— نہیں نہیں! معنی یہی ہوگا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔ اور اس معنی کی صاف صاف تائید" وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا" میں ہے۔ یعنی" یہ ساتھ کتنا ہی اچھا ہے"۔" رفیقا" نے علی الاعلان بتا دیا ہے کہ اللہ و رسول کا تابعدار اِن پاک لوگوں کا رفیق و ساتھی ہوگا۔

اور اگر بقول اُنکے اس کا معنیٰ" میں سے" ہی ہے۔ تو پھر کیا مرزا صاحب کے سوا آج تک کوئی اللہ و رسول کا مطیع ہُوا ہی نہیں۔ جو مرزا صاحب کے سِوا اور کوئی نبی نہیں ہُوا۔ کیوں صاحب اس طرح تو نبوت کسبی ہوگئی۔ یعنی اللہ و رسول کی اطاعت کرنے سے یہ نبوت مل سکتی ہے۔ جو محنت کرے وہ یہ ڈگری لے لے تو اللہ و رسول کی تابعدار تو کئی عورتیں بھی ہوئی ہیں۔ پھر کیا آج تک کوئی عورت نبی ہوئی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

بھائیو! ایسے لوگوں کے غلط ترجموں سے بچو یہ لوگ اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کا بھی غلط ترجمہ کرنے سے نہیں چوکتے۔

لطیفہ کہتے ہیں ایک ملحد جنٹلمین نے ایک مولوی صاحب سے کہا۔ کہ مولوی صاحب! یہ انگریزی جو ہم بولتے ہیں۔ یہ تو قرآن میں بھی موجود ہے (معاذ اللہ) مولوی صاحب نے کہا وہ کیسے؟ تو وہ بولا یہ دیکھو:-

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ—

یہ دیکھئے "یُولَدْ" میں "یُوْ" کیا ہے ؟

اور آگے سنئے !

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ــــ

یہ کُفُوًا میں "وَنْ" کیا ہے ؟

بھائیو! جیسے اس بیوقوف نے قرآن سے انگریزی نکالی تھی۔ اسی طرح بعض لوگ قرآن سے اجرائے نبوت بھی نکالنا چاہتے ہیں خدا ہدایت دے۔ اور ہم سب کو اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی میں زندہ رکھے۔ اور انہیں کی محبت و اطاعت میں ہمارا خاتمہ کرے۔ آمین یارب العالمین۔

۱۶

سولہواں وعظ

شاہد نبی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (پ ۲۲ ع ۳)

"اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی! بیشک ہم نے تجھے بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب"۔ (کنز الایمان)

حضرات! ہمارے آقا و مولےٰ حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سارے نبیوں میں ایک امتیازی درجہ کی شان ہے۔ چنانچہ دیکھیے! قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے جب بھی کبھی اپنے کسی پیغمبر کو ندا فرمائی ہے۔ تو اس پیغمبر کا ذاتی نام لے کر بلایا ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا یَا اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ اس آیت میں اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اے آدم! کہہ کر پکارا۔ یَا نُوْحُ اهْبِطْ عَلَی الْاَرْضِ الخ۔ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کو "اے نوح"! فرمایا۔ یَا زَكَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهٗ یَحْیٰی۔ اس میں حضرت زکریا علیہ السلام کو "اے زکریا"! فرمایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ۔ یہاں یحییٰ علیہ السلام کو "اے یحییٰ" فرمایا۔ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو "اے موسیٰ" فرمایا۔ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ۔ اس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو "اے عیسےٰ" فرمایا۔ اور اسی طرح ہر پیغمبر کو اس کے ذاتی نام ہی سے پکارا گیا۔ مگر یہ شان ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ کہ قرآن پاک میں کہیں بھی تو حضور کو آپ کے ذاتی نام سے نہیں پکارا گیا چنانچہ کہیں بھی "یا محمدُ" "یا احمدُ" آپ نہ پائیں گے۔ ہاں اللہ نے جب بھی اپنے محبوب کو ندا فرمائی۔ تو پیارے القاب سے اور محبوب کی اداؤں کو ملحوظ فرماتے ہوئے ندا فرمائی۔ کہیں فرمایا۔ یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ اے جھرمٹ مارنے والے محبوب! یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ اے کملی اوڑھنے والے پیارے۔ یٰس۔ اے سردار! یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔ اے رسول! اور اسی طرح یہ آیت جو اس وقت میں نے پڑھی ہے۔ اس میں فرمایا ہے — یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ۔ اے میرے پیارے نبی! ؎

یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب
یا اَیُّهَا النَّبِیُّ خطاب محمدؐ است

حضرات! پہلے آپ کو یہ جاننا چاہیے کہ نبی کہتے کسے ہیں اور نبی کون ہوتا ہے؟ چنانچہ خوب یاد رکھیے کہ نبیؐ صفت مشبہ کا صیغہ ہے

اور نَبَأٌ سے مشتق ہے اور نَبَأٌ کا معنیٰ ہے "خبر" چنانچہ قرآن میں آتا ہے۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ یہاں "نباءِ عظیم" کا معنی مترجم قرآن میں دیکھ لیجئے۔ "بڑی خبر ہے" تو گویا "نبیؐ" کا معنٰے ہے خبر دینے والا۔ مگر اس معنی کا یہ معنی نہیں کہ جو بھی خبر دینے والا ہو وہ شرعاً نبی ہو۔ اس لئے کہ خبریں تو اخبار بھی دیتے ہیں۔ تو یہاں کے خبریں اور نبی میں ایک فرق یہ بھی ہے۔ کہ یہاں والے فرش پر رہ کر فرش کی خبریں دیتے ہیں۔ اور اللہ کا نبی فرش پر رہ کر عرش کی بھی خبریں دیتا ہے۔ اللہ کے نبی کی نظر بڑی وسیع ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ اپنے نبی کو سب کچھ دکھا دیتا ہے۔ اور جن چیزوں پر عوام کی نظریں نہیں پڑ سکتیں اللہ کے نبی کی آنکھ ان چیزوں کو دیکھ لیتی ہے۔ اور ان خبروں کو بتا دیتی ہے تو نبی کا حقیقی معنٰے یہ ہے۔ "غیب کی خبر دینے والا" اور اللہ نے اس آیت میں ہمارے آقا کو اسی لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ ۔ اے غیب کی خبریں دینے والے! پس یہ معلوم ہوا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم غیب کی خبریں جاننے والے اور غیب کی خبریں سنانے والے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس قدر وسیع ہے۔ کہ کوئی بات آپ سے پنہاں نہ رہی۔

پہاڑی کا وعظ

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پہاڑی کا وعظ مذکور ہے کہ ایک روز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارنا شروع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بتلاؤ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو۔ سب نے بیک زبان کہا۔ ہم نے کوئی بات غلط یا بے ہودہ تیرے منہ سے نہیں سنی۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ تو صادق اور امین ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو دیکھو میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں۔ اور تم اس کے نیچے ہو۔ میں پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ رہا ہوں۔ اور اُدھر بھی دیکھ رہا ہوں۔ مجھے دونوں طرف کی چیزیں نظر آ رہی ہیں۔ اچھا اگر میں یہ کہوں کہ دشمنوں کا ایک گروہ دور سے آتا نظر آ رہا ہے۔ جو مکہ پر حملہ آور ہوگا۔ تو کیا تم اس کا یقین کر لوگے؟ لوگوں نے کہا۔ بیشک کیونکہ تم سچے ہو۔ اور تمہاری سچائی کے جھٹلانے کی ہمارے پاس

کوئی وجہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ تم ایسے بلند مقام پر کھڑے ہو۔ جہاں سے تم دونوں طرف دیکھ رہے ہو۔ نبی صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ یہ سب کچھ سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی۔ اب یقین کرلو۔ کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے۔ اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور میں عالم آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں۔ جیسا کہ دنیا پر تمہاری نظر ہے" (مشکوٰۃ شریف ص۱۵)

حضرات! اس واقعہ سے مجھے یہ بتلانا منظور ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنی وسیع نظر کا کیسے پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ جس طرح ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جانے والا شخص دونوں طرف کی چیزوں کو دیکھنے لگتا ہے۔ اور جو اس پہاڑ پر نہیں۔ اس کی نظر سے جو چیزیں غائب ہیں۔ چوٹی پر چڑھنے والے پر وہ چیزیں غیب نہیں رہتیں۔ سی طرح جو نبوت کے بلند ترین مقام پر فائز ہو۔ س کی نظر ادھر بھی اور اُدھر بھی یعنے اس جہان پر بھی۔ اور اُس جہان پر بھی پڑنے لگتی ہے۔ اور غیر نبی کے لئے جو چیزیں غیب ہوں۔ وہ اس پر عیاں ہو جاتی ہیں۔ اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے اسی لئے یوں فرمایا ہے۔ ؎

دل فرش پر ہے تری نظر سرِ عرش پر ہے تری گزر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اب آپ اندازہ لگائیے۔ اُن بے خبروں کی بے خبری کا۔ جو نبی کے لئے یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ اُسے تو پیٹھ پیچھے کی بھی کچھ خبر نہیں ہوتی ——— استغفر اللہ! ——— کیسی بے خبری ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بے خبر ہی بے خبر جانتے ہیں۔ اور خبر والے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دو جہان کی خبر والے مانتے ہیں۔ ؎

تو دانائے ماکان اور مایکوں ہے
مگر بے خبر ؛ بے خبر دیکھتے ہیں!

یاد رکھئے! اگر نبی کے علم و نظر کو وسیع نہ مانا جائے۔ تو ہمارا اپنا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے حشر و نشر، حساب و کتاب،

ثواب و عذاب، جنت و دوزخ، اور ان سب کے خالق و مالک خدا کو بھی نبی ہی کے بتانے سے مانا ہے۔ اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ ورنہ ہمیں ان کی خبر کب تھی۔ خبر والے نے بتایا تو خبر ہوئی۔ جنت و دوزخ اور ان کے خالق کو ہم نے نہیں دیکھا۔ دیکھنے والے نے بتایا تو ہم ایمان لے آئے۔

حضرت اس موقعہ پر یہ جان لیجئے۔ کہ جن لوگوں نے خدا کا ملائکہ کا۔ جنت و دوزخ کا۔ اور عذاب و ثواب کا اس بنا پر انکار کیا۔ کہ یہ چیزیں اگر ہیں تو ہمیں خود کیوں نہیں نظر آتیں۔ تو انہیں گویا نظر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کی وسعت پر یقین نہیں آیا۔ اس لئے وہ بے ایمان ہو گئے۔ مگر ایمان والوں کا یہ ایمان ہے کہ ہمیں نظر آئے نہ آئے۔ یہ ہماری نظر کا قصور ہے۔ اور جس کی نظر بے عیب ہے۔ اس نے سب کچھ دیکھا ہے۔ لہذا سب کچھ حق ہے۔ اور ہمارا ان پر ایمان ہے۔ ؎

سلام اس پر کہ جس نے اِس کو اُس کو سب کو دیکھا ہے
سلام اس پر کہ جس نے چشمِ سر سے رب کو دیکھا ہے

صحابہ کا ایمان

اس موقعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل و ایمان کو ملاحظہ فرمائیے۔ کہ کیا تھا۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ وہ اعرابی گھوڑا بیچ کر پھر مکر گیا۔ اور حضور سے گواہ مانگا۔ مگر چونکہ اس موقعہ پر کوئی تیسرا شخص موجود نہ تھا۔ اس لئے گواہ کوئی تھا نہیں۔ ہاں جو مسلمان بھی آتا۔ وہ اعرابی کو جھڑکتا۔ اور کہتا کہ اے اعرابی! تیرا برا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حق کے سوا کچھ اور فرمائیں گے۔ مگر گواہی کوئی نہ دیتا۔ کہ کسی نے سامنے کا واقعہ نہ تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ اور سارا واقعہ سنکر بولے۔ اَنَا اَشْھَدُ اِنَّکَ قَدْ بَایَعْتَہٗ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ تو نے گھوڑا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خزیمہ! تم تو موقعہ پر حاضر ہی نہ تھے۔ پھر تم نے گواہی کیسے دے دی۔ خزیمہ نے عرض کی۔ اَنَا اُصَدِّقُکَ عَلٰی خَبَرِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اُصَدِّقُکَ عَلَی الْاَعْرَابِیِّ —

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں زمین و آسمان کی خبروں پر (بن دیکھے)، حضور کی تصدیق کرتا ہوں۔ کیا اعرابی کے مقابلہ میں (بن دیکھے) آپ کی تصدیق نہ کروں ۔۔۔؟ (ابوداؤد ص۱۳۲ ج۳)

دیکھا آپ نے یہ تھا ایمان کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا حق ہے اور آپ جو فرماتے ہیں۔ ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ مگر آہ! آج وہ دور نہ رہا ؎

آہ! اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا وہ ہالے نہ رہے

آج تو اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً کے مصداق کہا جاتا ہے۔ کہ جب تک ہم آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔ مانیں گے نہیں۔ دیکھنے والا بھی کہے۔ تو نہ مانیں گے۔ یاد رکھئے یہ بات دل کے اندھوں کی بات ہے۔ سر کا اندھا دیکھتا نہیں۔ مگر دیکھنے والے کے بتانے سے مان جاتا ہے۔ مگر دل کا اندھا نہ خود دیکھتا ہے اور نہ دیکھنے والے کے بتانے سے ہی مانتا ہے۔ اور ایسے ہی اندھوں کے لئے اللہ نے فرمایا ہے۔ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖۤ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ جو یہاں اندھا ہے۔ وہ وہاں بھی اندھا ہی اٹھیگا۔ اور دیدار حق سے محجوب رہیگا۔ اور جنہوں نے یہاں دیکھنے والے کا کہا مان لیا وہ انشاء اللہ کل خود بھی دیکھ لیں گے۔ کہ دیکھنے والے نے جس محبوب ازلی کا پتہ دیا تھا وہ حق تھا۔

عقل

افسوس کہ آج اس برائے نام روشنی کے زمانہ میں جو باتیں عقل میں نہیں آتیں۔ انہیں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ اس عالم کی باتیں ہماری اس محدود اور تنگ عقل میں اگر نہ آسکیں۔ تو یہ ہماری ہی عقلوں کا قصور ہے۔ اور ہمیں اپنی ہی عقلوں کی تنگی کا اقرار کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ ان حقائق کا انکار کر دیا جائے۔ پاؤ بھر کی پیالی میں اگر من بھر دودھ نہ آسکے تو یہ پیالی کی تنگ ظرفی ہے۔ نہ یہ کہ من بھر دودھ کا وجود نہیں۔ من بھر دودھ تو ہے۔ مگر پیالی کا ظرف اس قدر نہیں۔ جس میں وہ دودھ سما سکے۔ اس من بھر دودھ کے لئے کوئی دوسرا وسیع ظرف درکار ہے۔ یونہی عالم غیب کی باتیں

اگر ہماری عقل کی پیالی میں نہ سما سکیں۔ تو ان باتوں کا انکار نہ کیجئے۔ بلکہ ظرفِ ایمان لایئے کہ یہ باتیں اسی ظرف میں آ سکیں گی۔ اور عقل؟ یہ تو وہیں تک کار آمد ہے۔ جہاں تک اس کی رسائی ہے۔ اس سے وہ کام لینا جو اس کے مقدور سے باہر ہو۔ عقلمندوں کا کام نہیں۔ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا ہو۔ تو پہاڑ تک تو بیشک گھوڑے پر بیٹھ کے جایئے۔ مگر جب پہاڑ کے پاس پہنچ جایئے۔ تو اب پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لئے گھوڑا بیکار ہے۔ گھوڑے کو چھوڑ دیجئے۔ اور کمند بنا لیجئے۔ اب آپ کمند ہی کے ذریعہ سے چوٹی پر پہنچ سکیں گے۔ اور اگر آپ نے چوٹی تک بھی گھوڑے ہی پر سوار رہ کر پہنچنا چاہا۔ تو چوٹی کی بجائے چوٹیں ہوں گی۔ اور ہلاکت یقینی!

اسی طرح اس دنیا کی باتوں کے لئے تو آپ بیشک عقلی گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ مگر جب عالم غیب کی چوٹی آ جائے۔ تو پھر اس گھوڑے سے آپ کو اترنا ہی پڑے گا۔ اور کمندِ ایمان کے ذریعہ سے ہی آپ اس چوٹی تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ اور اگر یہاں بھی آپ نے وہی عقلی گھوڑا دوڑایا۔ تو نتیجہ وہی ہوگا۔ جو پیر نیچر کی شکل میں ظاہر ہو چکا ہے ؎

یاد رکھ تو پیرِ رومی کا کہا!
عقل قرباں کُن بہ پیشِ مصطفےٰ!

شاہد حضرات! خداتعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے پیارے نبی کو مخاطب فرما کر آپ کی دیگر چند صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا! اے غیب کی خبریں دینے والے محبوب! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔ تو ہمارے آقا شاہد بھی ہیں اور شاہد کا معنیٰ ہے حاضر۔ دیکھ لیجئے۔ نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا الخ۔ یعنی اے اللہ بخش دے ہمارے زندہ اور مردہ کو۔ ہمارے حاضر اور ہمارے غائب کو الخ" اور شاہد دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ یوں کہا جاتا ہے۔ میں نے فلاں چیز کا مشاہدہ کر لیا۔ یعنی دیکھ لیا تو گویا ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں۔ اور ناظر بھی۔

میرے بزرگو اور بھائیو! یہ میں ہی نہیں کہہ رہا۔ بڑے بڑے محدث بھی یہی فرما گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی مسلمان اپنے گھر میں آئے تو گھر میں کوئی بھی نہ ہو تو یوں کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهٗ ـــ اس کے ماتحت حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفا میں لکھتے ہیں۔ لان روح النَّبِی عَلَیْهِ السَّلَام حَاضِرٌ فِی بُیُوتِ اَهْلِ الْاِسْلَام ـــ کیونکہ روحِ مصطفیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔" (شرح الشفاء ص۱۱۷ ج ۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے دم قدم سے علم حدیث ہندوستان میں آیا۔ مدارج النبوت شریف میں فرماتے ہیں۔

"ذکر کن او را و درود بفرست بروے علیہ السلام و باش درحالِ ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالتِ حیات و مے بینی تو او را متادب باجلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وے صلے اللہ علیہ و سلم مے بیند و مے شنود کلام ترا زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفاتِ الٰہیہ۔" (مدارج النبوت)

یعنے حضور علیہ السلام کی یاد کرو اور ان پر درود بھیجو۔ اور ان کی یاد کے وقت یوں رہو۔ گویا حضور حالتِ حیات میں تمہارے سامنے حاضر ہیں۔ اور تم انہیں ادب۔ جلال۔ تعظیم۔ ہیبت اور حیا کے ساتھ دیکھ رہے ہو۔ جان لو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے ہیں۔ اور تمہاری بات کو سنتے ہیں۔ کیونکہ حضور صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہیں۔"

نیز آپ شاہدًا کا معنی لکھتے ہیں:۔

"یعنی عالم و حاضر بحال امت" (مدارج شریف ص۱۵۰ ج ۱)

دیکھا آپ نے یہ ہیں ایمان والوں کے ایمان افروز ارشادات۔ اعلیٰحضرت نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

جو بنوں پر ہے بہارِ چمن آرائی دوست!
خلد کا نام نہ لے بلبلِ شیدائی دوست!

تھک کے بیٹھے تو در دِل پہ تمنائی دوست
کون سے گھر کا اجالا نہیں زیبائی دوست

ن ارشادات کے پیشِ نظر یہ بات متحقق ہو گئی۔ کہ ہمارے اعمال و افعال کو حضور ملاحظہ فرماتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ ہم بُرے کاموں کا ارتکاب کریں۔ اور حضور سے مطلق نہ شرمئیں۔ ؎

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی، خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

میرے بزرگو! ہمیں لازم ہے کہ ہم ایسا کوئی کام نہ کریں۔ جس سے حضور علیہ السلام کو رنج و ملال ہو۔ بلکہ ایسے کام کرنے چاہئیں۔ جن سے حضور خوش ہوں۔

ایک انگریز اور ایک بھکاری

مجھے یہاں دہلی کی جامع مسجد کا ایک واقعہ یاد آگیا ہے۔ یہ واقعہ میں نے ایک اردو رسالہ میں پڑھا تھا۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے ایک انگریز دہلی کی جامع مسجد دیکھنے کے لئے آیا۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ایک مسلمان بھکاری بیٹھا تھا۔ جس نے انگریز سے براہِ خدا کچھ مانگا۔ انگریز نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور بٹوا نکالا۔ اور بٹوے میں سے ایک چونی نکال کر سائل کو دی۔ اور پھر جلدی سے مسجد کے اندر چلا گیا۔ بھکاری نے دیکھا کہ انگریز نے بٹوا جلدی میں جیب میں جو ڈالا۔ تو وہ بٹوا بجائے جیب کے نیچے گر پڑا ہے اور سیڑھیوں پر پڑا ہے۔ بھکاری اٹھا اور بٹوا اٹھا کر انگریز کو دینے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا۔ مسجد کے اندر گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ انگریز مسجد کو دیکھ کر دوسرے دروازہ سے نکل کر چلا گیا ہے۔ بھکاری نے بہتری تلاش کی۔ مگر وہ نہ ملا۔ چھ مہینہ کے بعد وہی بھکاری سیڑھیوں پر اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ کہ وہی انگریز بازار میں جاتا ہوا اسے دکھائی دیا۔ فوراً اٹھا۔ اور اس انگریز کے پاس پہنچ کر وہی بٹوا پیش کرتے ہوئے بولا۔ کہ صاحب! آج سے چھ ماہ قبل آپ جامع مسجد کو دیکھنے آئے تھے۔ اور مجھے بھیک دیتے ہوئے

یہ بٹوا آپ کا گر گیا تھا۔ میں نے آپ کی کافی تلاش کی۔ مگر آپ نہ مل سکے۔ آج اتفاقاً آپ مل گئے ہیں۔ یہ لیجئے آپ کا بٹوا میرے پاس چند ماہ سے امانت رکھا ہے۔ انگریز حیران رہ گیا۔ اور بٹوے کو کھول کر جو دیکھا تو ساری نقدی اس میں محفوظ تھی۔ وہ اور بھی متعجب ہوا۔ اور پوچھا کہ تم چاہتے تو اِسے رکھ بھی سکتے تھے۔ مجھے تو علم ہی نہ تھا۔ کہ تم نے اسے اٹھایا ہے پھر امانت و دیانت کی وجہ کیا ہے؟"

بھکاری نے جواب دیا۔ بات یہ ہے صاحب! آپ عیسائی ہیں۔ اور میں مسلمان ہوں۔ آپ کے پیغمبر عیسےٰ علیہ السّلام آسمان پر اللہ کے پاس ہیں۔ اور میرے پیغمبر حضور علیہ السّلام بھی اللہ کے پاس ہیں۔ مجھے بٹوہ اٹھاتے ہوئے اور کسی نے تو نہیں دیکھا تھا۔ مگر اللہ نے ضرور دیکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے یہ بٹوہ رکھ لیا۔ تو اللہ تعالےٰ میرے پیغمبر سے فرمائے گا۔ دیکھ اے محمدؐ! تیرے امتی نے عیسےٰ کے ایک امتی کا بٹوہ رکھ لیا ہے۔ تو میرے پیغمبر کو اس شکایت سے رنج و ملال ہوگا —— اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے سامنے انہیں ندامت ہوگی۔ بس اسی خیال سے میں یہ بٹوہ اسی روز سے سنبھالے ہوئے ہوں۔

دیکھئے! حضرات ایک زمانہ تو یہ تھا۔ کہ ہمارے بھکاری بھی امانت دار تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے کہ بڑے بڑے بھی خائن ہیں۔ آج اگر کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی مل جائے۔ تو اُسے مالِ غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے۔ کہ ایسی چیز کو نہ اٹھایا جائے۔ اور اگر اٹھا لے تو بازاروں اور شارع عام اور مساجد میں اتنے زمانہ تک اعلان کرے۔ کہ ظن غالب ہو جائے۔ کہ اب مالک تلاش نہ کرتا ہوگا۔ یہ مدت پوری ہونے کے بعد پھر اُسے کسی مسکین پر صدقہ کر دے"۔ مگر اب ایسا کون کرتا ہے۔ اب تو مختلف حیلے بہانوں سے حرام کو حلال بنا کر کھانے کی فکر میں رہتے ہیں اور ایسی ایسی ترکیبیں ایجاد کی جاتی ہیں۔ کہ شیطان جی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔

لطیفہ | چنانچہ کہتے ہیں۔ کہ جنٹلمین جس کی جیب میں ایک پائی بھی

نہ تھی۔ ایک مٹھائی کی دکان پر گیا۔ اور کہا سیر بھر قلاقند دے دو۔ دکان دار نے سیر بھر قلاقند تولا اور اُسے دیا۔ جنٹلمین نے کہا۔ یہ بوندی کے لڈو کیا بھاؤ ہیں۔ دکان دار نے کہا۔ ان کا بھی وہی بھاؤ ہے جو قلاقند کا ہے۔ جنٹلمین نے کہا۔ تو یہ قلاقند لے لو اور سیر بھر لڈو دے دو۔ دکان دار نے قلاقند لے لیا اور سیر بھر لڈو تول کر دے دیئے۔ جنٹلمین لڈو لے کر جانے لگا۔ دکان دار نے کہا۔ صاحب پیسے تو دیتے جائیے۔ جنٹلمین بولا۔ پیسے کس چیز کے—؟ دکان دار نے کہا۔ لڈوؤں کے! جنٹلمین نے کہا۔ لڈو تو میں نے قلاقند دے کر لئے ہیں۔ دکاندار نے کہا۔ اچھا تو قلاقند کے پیسے دیجئے۔ جنٹلمین نے کہا۔ قلاقند تو میں نے واپس کر دیا ہے۔ پھر پیسے کیسے۔ یہ کہا اور چلدیئے۔

دیکھا آپ نے یہ ہیں آج کل کی ترقیاں کہ حلال و حرام میں کچھ تمیز باقی نہیں رہی — سہ

خدا تہذیبِ مغرب سے بچائے مردِ مومن کو !!
اٹھا دی ہے تمیز اس نے حلالی اور حرامی کی

مُبشّر و نذیر

حضرات! میں لفظ شاہد کے متعلق کچھ عرض کر چکا ہوں۔ اب مبشر و نذیر کے متعلق سنئے۔ ہمارے آقا و مولےٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم شاہد بھی ہیں۔ اور مبشر و نذیر بھی۔ یعنے آپ جنت کی بشارت دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے بن کر تشریف لائے ہیں۔

یاد رکھئے۔ جو مسلمان حقوق اللہ و حقوق العباد پورے کرے گا۔ حضور علیہ السلام اس کے لئے جنت کے مبشر ہیں۔ ایسے شخص کے لئے خدا نے جنت تیار فرمائی ہے۔ اور جو شخص خدا و رسول کا منکر و مکذب اور بدعمل ہے۔ اس کے لئے حضور علیہ السّلام نذیرِ جہنم ہیں۔

جنّت

جنت ایک حقیقی چیز ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ جنت کی جو کیفیت خدا و رسول نے بیان فرمائی ہے۔ حق ہے۔ اور یہ جنت مسلمانوں ایماندار نیکوکار لوگوں کے لئے ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ـــــ یا رسول اللہ! آپ ایمان والے نیکوکار لوگوں کو ایسی جنتوں کی بشارت دیجئے۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں!

اسی طرح دیگر مقامات پر قرآن میں خدا نے جنت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور حضور نے مسلمانوں کو جنت کی بشارت دی ہے۔ میرے بھائیو! ـــ افسوس تو یہ ہے کہ اس ملحدانہ دور میں جہاں اور اسلامی حقائق کو جھٹلایا جاتا ہے۔ وہاں کئی لوگ جنت کو بھی ایک خیالی چیز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے لوگوں کی ترجمانی یہ شعر کرتا ہے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

استغفراللہ! دیکھا آپ نے! غالب صاحب جنت کو محض ایک دل بہلاوے کا خیال لکھ رہے ہیں۔ اور ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ غالب صاحب کا یہ شعر ہی محض ایک خیال ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ـــ حقیقت وہی ہے جو خدا و رسول نے بیان فرمائی ـــ اسی طرح جناب سرسید علیگڈھی نے بھی اپنی تفسیر کی جلد اول کے صـ۳۸ پر جنت کا مذاق اڑا کر جنت کا انکار کیا ہے۔ اور کچھ اسی قسم کے خیالات آج کل کے روشن خیالوں کے بھی ہیں۔ مگر یاد رکھیئے۔ یہ خیالات سب غیر اسلامی خیالات ہیں۔ جنت ہے۔ اور یقیناً ہے۔ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے پیدا فرمایا۔ تو یَا اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ کا ارشاد فرما کر آپ کو اسی جنت میں ٹھہرایا تھا۔

حضورِ علیہ السلام کا نام نامی

میرے بزرگو! حدیثوں میں آتا ہے، کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تشریف لے گئے تو حضرت آدم فرماتے ہیں۔ میں نے جنت کے دروازوں پر۔ درختوں کے پتوں پر۔ اور جنت کی حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں اسم مُحَمَّد لکھا ہوا پایا۔ چنانچہ یہ حدیث بالتفصیل خصائص کبریٰ صـ۶ جلد ۱ میں موجود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم جنت کے مالک ہیں۔ اس لئے کہ ہمیشہ کسی چیز پر اس کے مالک کا نام لکھا جاتا ہے۔ تو گویا خالق جنت نے جنت بنا کر اس پر ہمارے حضور کا نام نامی لکھ کر حضور کو جنت کا مالک بنا دیا۔ خدا خالق جنت ہے اور مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم مالکِ جنت۔ اسی لئے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے یہ فرمایا ہے۔ ؎

تجھے ہے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر دور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی

ہمارے حضور کے مالکِ جنت ہونے پر کوئی اعتراض نہ کرے کہ پھر کیا خدا مالک نہ رہا؟ اس لئے کہ ہم حضور کو اللہ کے مالک بنا دینے سے ہی مالک مانتے ہیں۔ اللہ بے شک ہر چیز کا حقیقی مالک ہے۔ مگر اس کے مالک بنا دینے سے مخلوق بھی مالک ہو سکتی ہے۔ دیکھئے ایک شخص مکان بناتا ہے اور مکان پر اپنا نام لکھتا ہے۔ اور عبارت یہ ہوتی ہے۔ "اس مکان کا مالک فلاں بن فلاں ہے"؛ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے یہ شرکیہ عبارت لکھی ہے۔ کیونکہ مالک تو ہر چیز کا خدا ہے۔ پھر یہ مالک کیسے ہو گیا؟ تو جیسے خدا نے اُس مکان کا مالک ہوتے ہوئے اس صاحبِ مکان کو مالکِ مکان بنا دیا۔ اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا نے مالک جنت ہوتے ہوئے ہمارے حضور کو مالکِ جنت بنا دیا۔ اور جیسے مالک مکان اپنے مکان میں متصرف و مختار ہوتا ہے۔ جسے چاہے اپنے مکان میں آنے دے، جسے چاہے نہ آنے دے۔ اسی طرح مالکِ جنت صلے اللہ علیہ وسلم جنت کے مختار و متصرف ہیں۔ جسے چاہیں جنت میں آنے دیں۔ جسے چاہیں نہ آنے دیں۔ ؎

ہم ہیں پیاسے پیاس بجھانا نار جہنم سے بھی بچانا
صاحبِ کوثر مالکِ جنت صلے اللہ علیہ وسلم

حضرات! خوب یاد رکھئے! کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسی جنت کے مبشر ہیں۔ پس وہ بڑا ہی خوش قسمت انسان ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر اس ابدی نعمت یعنے جنت کا

مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان ہے تو اے دنیا کی عارضی اور فانی نعمتوں پر مرمٹنے والو! آؤ اور اعمال صالحہ سے جنت کو حاصل کر لو۔

خدا نے جنت کن لوگوں کو دی؟

میرے بزرگو! جنت پانے کیلئے یہ شرط ہے۔ کہ ہم میں جانی و مالی ایثار کا جذبہ پایا جائے چنانچہ قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ — یعنی "اللہ نے جنت کے عوض مسلمانوں کی جان اور ان کے مال خرید لئے"

مقصد یہ کہ مسلمان کی جان اور اس کا مال یہ بک چکا ہے۔ خدا نے جنت دے کر مسلمانوں سے یہ دونوں چیزیں خرید لی ہیں۔ اب خدا کی راہ میں اگر مسلمان کو جان دینی پڑے، یا مال خرچ کرنا پڑے۔ تو یہ انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ چیزیں خدا کی ہو چکیں۔ میرے بھائیو! یہی وجہ ہے۔ کہ ہمارے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور کے اشارہ پر اپنی جانیں اور اپنا مال سب کچھ قربان کر دیا۔ کبھی کچھ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا۔ گویا ان کا یہی نعرہ تھا ؎

رسول اللہ پہ صدقے جان اپنی
یہ فانی زندگی قربان اپنی

ان پاک لوگوں نے کسی موقعہ پر خدا و رسول کو فراموش نہیں کیا۔ اس واسطے وہ بھی ہمیشہ خدا و رسول کی یاد میں رہتے۔ (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

لطیفہ کہتے ہیں ایک شخص سفر میں جانے لگا۔ تو اپنے ایک دوست سے کہا۔ دوست! میں سفر جا رہا ہوں۔ اپنی انگوٹھی مجھے دو، تاکہ اسے دیکھ کر میں تمہاری یاد کر لیا کروں۔ بخیل دوست نے جواب دیا۔ اگر میری یاد ہی منظور ہے۔ تو اپنی خالی انگلی دیکھ کر مجھے یاد کر لیا کرنا۔ کہ میں نے اپنے دوست سے انگوٹھی مانگی تھی۔ مگر اس نے نہ دی۔ یاد میری تو اس طرح بھی

آسکتی ہے - پھر انگوٹھی دینے کا کیا فائدہ -

دوستو! یہی حال آج ہمارا بھی ہے - ہم بھی گویا خدا سے یہ کہتے ہوئے نظر آ رہے ہیں - کہ اے خدا! اگر ہمارے پہلے بزرگوں نے اپنی جان و مال خرچ کر کے تمہاری یاد حاصل کی - تو ہمیں بھی تیری یاد ہی درکار ہے - تو ہمیں اس طرح یاد فرما - کہ ہم نے ان مسلمانوں سے جب بھی کچھ طلب کیا - انہوں نے انکار ہی کیا - گویا کسی رنگ میں سہی ہم یاد الٰہی میں تو ہیں ہی نا - ع

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

بھائیو! ایسی یاد اچھی نہیں - کہ اس طرح پھر خدا بھی ہمیں اپنے عذاب سے یاد کرے گا - اور اس کا عذاب بڑا ہی دردناک ہے - خدا محفوظ رکھے - کہئے آمین! آمین - تو ہم سب کہہ ڈالیں گے - مگر عملی رنگ میں بھی ہمیں عذاب الٰہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے -

زکوٰۃ

میرے بزرگو! زکوٰۃ بھی ایک مالی ایثار ہے جو ہر صاحب نصاب پر فرض ہے - جو شخص صاحب نصاب ہو کر زکوٰۃ نہیں دیتا وہ گویا اپنے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رہا ہے - جس کا سامنا اُسے بروز قیامت ہوگا - آج اس دنیا میں بھی جو ہر روز نئے نئے حوادث سنتے ہیں آ رہے ہیں - یہ بھی ہماری شامتِ اعمال ہی کا نتیجہ ہے - چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎

ابر نایدؔ از پئے منعِ زکوٰۃ!
وز زنا افتد بلا اندر جہات!

یعنے زکوٰۃ دینا لوگ چھوڑ دیں - تو بارش ہونا بند ہو جاتی ہے - اور زنا عام ہو جائے - تو مختلف قسم کی بلائیں نازل ہونے لگتی ہیں:

چنانچہ دیکھ لیجئے - کہ ہر قسم کی بلائیں آج نازل ہو رہی ہیں - اور اس کی وجہ یہی ہے - کہ ہم میں اعمال صالحہ مفقود ہو چکے ہیں - اکبر الہ آبادی نے لکھا ہے ؎

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا!

پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا
اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا
جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

آج سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا جائے تو ہر مصیبت ٹل جائے۔ اور اطمینان حاصل ہو جائے۔ اور کل بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اسی غلامی سے ابدی نعمت یعنے وہ جنت مل جائے جس کی حضور نے بشارت دی اور جس کے آپ مبشر بن کر تشریف لائے ہیں۔

ستارہواں وعظ

ذکر الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؛

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ
وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ (پ۲ ع۲)

اے بندو! تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں
اور میرا شکر کرو، کفر نہ کرو۔

حضرات! آج میرے وعظ کا موضوع ذکر ہی ہے۔ اس کے متعلق کچھ سننے سے پہلے چند تمہیدی کلمات سن لیجئے۔ آج ساری دنیا میں ایک عالمگیر بے چینی پائی جا رہی ہے۔ کوئی ملک اور کوئی شہر اور کوئی قصبہ و گاؤں اور کوئی گھر ایسا نہیں جہاں بدامنی اور بے چینی نہ پائی جاتی ہو۔ سبھی اس بے چینی اور

بے اطمینانی کا شکار ہیں۔ آیئے غور کریں۔ کہ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ اور خود خالقِ اکبر اور ربِ کائنات سے دریافت کریں۔ کہ اس دلی بے اطمینانی کا باعث کیا ہے؟ سنیئے خدا فرماتا ہے:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ۔ "یعنے جان لو کہ ذکرِ الٰہی سے دل اطمینان پاتے ہیں"

گویا یہ بے اطمینانی و بے چینی ذکرِ الٰہی سے غفلت کی وجہ سے ہے۔ ذکرِ الٰہی دل کی غذا ہے۔ اور دل اپنی غذا نہ پاکر بے چین نہ ہو تو کیا ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ پریشانیاں اور حیرانیاں محض ذکرِ الٰہی سے غفلت کے باعث ہیں۔ شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

غافل انساں اپنے رب کو یاد کر!
دل کی اجڑی بستی کو آباد کر!

غفلت کا نتیجہ

حضرات! دنیا کی ہر چیز اللہ کی تحمید و تقدیس میں رطب اللسان ہے۔ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کے مطابق کوئی شے بھی اس کی تسبیح سے غافل نہیں۔ شجر و حجر، جمادات و حیوانات سبھی اس کی یاد میں ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ کسی درخت پر کلہاڑا اسی وقت چلتا ہے جب کہ وہ ذکرِ الٰہی سے غفلت اختیار کرلے۔

ایک خدا یاد لڑکی

چنانچہ ایک بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ آپ کی چھوٹی لڑکی بھی بیٹھی تھی۔ آپ جو مچھلی پکڑتے وہ اپنی لڑکی کو دیتے جاتے۔ اور وہ لڑکی اپنے والد سے مچھلیاں لے لے کر پھر دریا میں ڈالتی جاتی۔ حضرت جب فارغ ہوکر اٹھے تو لڑکی سے فرمایا۔ بیٹی! مچھلیاں کہاں ہیں؟ تو وہ بولی: ابا جان میں نے تو ان سب کو پھر دریا میں ڈال دیا ہے۔

حضرت نے فرمایا بیٹی تم نے یہ کیا کیا؟ سارے دن کی محنت برباد کردی۔ تو وہ بولی کہ آپ ہی نے تو سنایا تھا۔ کہ جو مچھلی ذکرِ الٰہی سے غافل ہو۔ وہی جال میں پھنستی ہے تو آپ جس مچھلی کو پکڑتے تھے۔ میں سمجھتی تھی کہ یہ مچھلی

ذکر الٰہی سے غافل ہے۔ جبھی پکڑی گئی ہے۔ اس لئے میں نے اس خیال سے کہ یہ غافل مچھلی تھا کر اس کی صحبت سے کہیں ہم بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو جائیں۔ وہ ساری مچھلیاں پھر دریا میں ڈال دی ہیں۔ (نزہۃ المجالس صفحہ ۲۲ ج ۱)

اسی طرح ایک اور حکایت سنئے:۔

ایک پرندے کی حکایت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی شخص نے ایک پرندہ تحفے کے طور پر بھیجا۔ آپ نے قبول فرما کر اسے پنجرے میں بند کر دیا۔ اور کچھ مدت اپنے پاس رکھ کر ایک دن اسے آزاد کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ نے اسے آزاد کیوں کر دیا؟ تو فرمایا کہ مجھے اس نے بڑی منت سے کہا تھا۔ کہ اے جنید افسوس تُو تو اپنے دوستوں کی ملاقات سے لطف اٹھائے۔ اور مجھے میرے دوستوں کی ملاقات سے یوں دور رکھے۔ اور پنجرے میں بند رکھے۔ مجھے رحم آیا اور چھوڑ دیا۔ اُڑتے وقت کہنے لگا۔ کہ پرندہ جانور جب تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔ آزاد رہتا ہے۔ اور جہاں اس پر غفلت طاری ہو۔ قید میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اے جنید! میں یاد الٰہی سے ایک ہی دن غافل ہُوا تھا۔ جس کی سزا میں مجھے پنجرے کی قید سخت بھگتنا پڑی۔ ہائے ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جو اکثر اوقات ذکر الٰہی سے غافل رہتے ہیں۔ جنید! میں آپ کے سامنے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہ رہوں گا۔ یہ کہہ کر اڑ گیا۔

(نزہۃ المجالس صفحہ ۲۵ ج ۱)

اور سنئے!:۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور ایک مینڈک

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایک مینڈک کو دیکھا۔ جو محویت کے عالم میں سبحان اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے پوچھا تم کب سے اس عالم میں ہو۔ تو وہ بولا۔ اے اللہ کے نبی! میں متواتر ستر (۷۰) برس سے اسی عالم میں یوں ہی ذکر الٰہی میں محو ہوں۔ اور اس عرصہ میں کبھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہُوا۔ اور اب پورے دس روز سے میں نے

صرف دو مقدس کلموں میں محویت کی وجہ سے کوئی چیز نہیں کھاتی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ دو کلمے کون سے ہیں؟۔ وہ بولا۔

یَا مُسَبَّحًا بِکُلِّ لِسَانٍ وَ مَذْکُوْرًا فِیْ کُلِّ مَکَانٍ ـــ

"اے ہر زبان میں پاکی بیان کئے گئے۔ اور ہر مکان میں ذکر کئے گئے"

(نزہتہ المجالس صـ۱۷ ج ۱)

حضرات! ان حکایات سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ساری مخلوق اس کی یاد میں محو ہے۔ ایک انسان ہی ہے۔ جو اس کی یاد سے غافل بھی ہو جاتا ہے ـــ جانیو! یہ تو حیوانات کی حکایات تھیں۔ جمادات بھی اس کی تسبیح کرتی ہیں ـــ

پہاڑوں کی تسبیح

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ۔

یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا جو صبح و شام ان کے ساتھ ساتھ اللہ کی تسبیح کیا کرتے تھے:

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ ـــ ہم نے مسخر کر دیا پہاڑوں کو داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو۔

ان آیات سے معلوم ہوا۔ کہ پہاڑ بھی اور پرندے بھی اللہ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔

کنکریاں

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریں اپنے دستِ انور میں اٹھائیں۔ تو صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ:۔

نَسَبَّحْنَ حَتّٰی سَمِعْنَا التَّسْبِیْحَ ـــ یہ کنکریں تسبیح کرنے لگیں اور ان کی آواز ہم نے سنی۔ (خصائص کبریٰ صـ۲۲ ج ۲)

ذکر روکنے والے

حضرات! دیکھا آپ نے کہ جمادات بھی ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ اور ان واقعات سے یہ بھی پتہ چلا۔ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ شان ہے۔ کہ ان کے فیض اور ان کے دستِ انور کی برکتوں

سے پتھروں کی تسبیح بھی سنائی دینے لگی۔ بھائیو! یہ ہے شان انبیاء کرام علیہم السلام۔ اور ایک ان کی مثل بننے والے بھی ہیں۔ کہ جہاں ذکر الٰہی ہوتا ہو یہ لوگ وہاں آجاتے ہیں۔ تو اس ذکرِ الٰہی کو بند کر ڈالیں۔ کوئی اگر جہر کرتا ہو۔ تو کہیں کہ بند کرو ذکرِ جہر کو۔ کیا خدا بہرہ ہے نعوذ باللہ۔ کوئی نماز کے بعد کلمہ شریف کا ورد کرنے لگے۔ تو کہیں یہ بدعت ہے۔ میلاد شریف کی محفل میں کیا ہوتا ہے؟ یہی ذکر الٰہی ہی تو ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت۔ نعت خوانی۔ اور مواعظ حسنہ۔ یہ سب کچھ ذکر الٰہی ہی تو ہے۔ تو محفلِ میلاد کو روکنا کیا ذکر الٰہی سے روکنا نہیں ہے؟ گیارھویں شریف کی محفل میں بھی تو یہی تلاوت و مواعظ کا سلسلہ ہوتا ہے۔ گویا ذکر الٰہی ہی ہوتا ہے۔ پھر اسے بھی روکنا کیا ذکر الٰہی سے روکنا نہیں ہے؟ خوب فرمایا اعلیحضرت نے ؎

ذکر روکے۔ فضل کاٹے۔ نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

بھائیو! — ذکر الٰہی کی بھی کچھ قسمیں ہیں۔ زبان سے اس کا نام لینا۔ یہ زبان کا ذکر الٰہی ہے۔ دل میں اس کا خیال و محبت یہ دل کا ذکر الٰہی ہے اور ہاتھ پاؤں کو اس کی اطاعت میں مشغول رکھنا یہ ہاتھ پاؤں کا ذکر الٰہی ہے۔ پاؤں سے چل کر کسی ذکر الٰہی کی محفل میں جانا۔ یہ پاؤں کا ذکر الٰہی ہے۔ ہاتھوں سے کچھ اللہ کے لئے پکانا اور ان ہاتھوں سے اللہ کی راہ میں کچھ تقسیم کرنا یہ ہاتھوں کا ذکر الٰہی ہے۔ تو گیارھویں شریف کے چاول پکانے اور انہیں اللہ کی مخلوق میں تقسیم کرنا ذکر الٰہی ہی کی ایک قسم ہے۔ پھر ان چاولوں یا محفلِ میلاد کی مٹھائی کو ناجائز و بدعت کیوں کہا جائے۔

غیر اللہ کا نام

اگر یہ کہا جائے۔ کہ یہ جو آپ کہتے ہیں۔ کہ پیر کا کونڈا۔ غوث کی نیاز وغیرہ۔ ان چیزوں کو غیر اللہ کے ناموں سے پکارنے کی وجہ سے یہ چیزیں جائز نہیں رہتیں۔ تو بھائیو! یہ غلط فہمی ہے۔ یہ سب تو سب کچھ اللہ ہی کے لئے۔ مگر ان بزرگوں کا نام محض اس لئے لیا جاتا ہے کہ اس اپنی عملی عبادت کا ثواب ہم ان بزرگوں کی بارگاہ میں ہدیۃً پیش کرتے ہیں۔

اور اگر اس طرح بھی غیر اللہ کا نام لینے سے چیز جائز نہیں رہتی۔ تو غور فرمائیے قرآنِ پاک میں آتا ہے۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ

یعنے "یہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں" تو قرآن تو یہ فرما رہا ہے۔ کہ ہر مسجد اللہ ہی کی ہے۔ مگر دیکھئے لاہور کی شاہی مسجد کو سب کہتے ہیں۔ حضرت عالمگیر کی مسجد۔ دہلی کی جامع مسجد کو سب کہتے ہیں شاہجہان کی مسجد۔ ہمارے سیالکوٹ کی جامع مسجد کو سب کہتے ہیں۔ مولانا عبدالحکیم کی مسجد۔ اہل حدیث حضرات کی جامع مسجد کو سب کہتے ہیں مولوی ابراہیم کی مسجد۔ ہماری کوٹھی ... سب کہتے ہیں۔ بڑے مولوی صاحب کی مسجد۔ حضرات اہل حدیث کی مسجد کو سب کہتے ہیں۔ خان صاحب کی مسجد اسی طرح ہر شہر میں سب مسجدیں غیر اللہ ہی کے ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ کوئی بھی تو نہیں کہتا۔ کہ "اللہ کی مسجد"۔ تو کیا اس طرح پھر یہ ساری مسجدیں ناجائز ہو گئیں؟ کیوں بھائیو! کچھ سمجھے آپ؟

واقعہ یہ ہے۔ کہ مسجدیں اگرچہ سب اللہ ہی کی ہیں۔ لیکن بعض مناسبتوں کی وجہ سے ان پر غیر اللہ کا نام بولنا جائز ہے۔ اور سب بولتے ہیں۔ اسی طرح گیارہویں کے چاول۔ میلاد کی مٹھائی۔ پیر کا بکرا۔ غوث کی نیاز۔ اگرچہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے۔ لیکن ان بزرگوں کا نام محض اس مناسبت سے ہے کہ ان سے ہماری عقیدت ہے۔ اور اس عبادت کا ثواب ہمیں ان بزرگوں کی بارگاہ میں حاضر کرنا ہے۔ ہم ان کا نام لیتے ہیں۔ اگر اب بھی کوئی نہ سمجھے۔ تو پھر اس بت سے خدا سمجھے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ جمادات وحیوانات سبھی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ اگر ہر چیز اللہ کا ذکر کر رہی ہے۔ تو ہمیں آواز کیوں نہیں آتی؟

ایک بزرگ کی حکایت

تو میرے بھائیو! صاحبِ نزہۃ المجالس نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے۔ کہ انہوں نے قرآن کی جب یہ آیت پڑھی۔ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ـــ یعنی ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے؛ تو ان کے دل میں خیال آیا۔ کہ اگر یہی بات ہے

تو پھر ان چیزوں کی آواز ہمیں کیوں نہیں آتی؟ یہ خیال آتے ہی انہیں پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اور وہ لوٹے کی طرف بڑھے۔ تو لوٹے سے آواز آنے لگی۔ اللہ اللہ، اللہ! انہوں نے لوٹے سے جو اللہ کا نام سنا۔ تو شرما گئے۔ کہ میں ذاکر الٰہی کو بیت الخلاء میں لے جاؤں؟ یہ بے ادبی ہے۔ پھر ڈھیلا اٹھانے بڑھے۔ تو سب ڈھیلوں سے آواز آرہی تھی۔ اللہ، اللہ! اللہ اللہ! اب وہ حیران ہوئے۔ کہ ان ڈھیلوں کو بھی بیت الخلاء میں کیسے لے جا سکتا ہوں۔ جو اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ الغرض وہ جس طرف بڑھتے۔ ہر چیز سے اللہ اللہ کا ورد سنتے بڑے حیران ہوئے۔ کہ کیا کروں؟ اتنے میں ہاتف کی آواز سنی کہ کچھ تجھے کہ ہم ان چیزوں کی آواز تمہارے کانوں کو اسی لئے نہیں سننے دیتے۔ تاکہ تمہارے کاروبار نہ رک جائیں۔ وہ بزرگ فوراً سجدے میں گر گئے۔ اور اپنے خطرہ دل کی معافی چاہنے لگے۔　　(نزہۃ المجالس صنا ج ۱)

الغرض یہ حقیقت ہے۔ کہ ہر چیز اللہ کے ذکر میں مشغول ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است!
ولے داند ازیں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانش
کہ ہر خارے بہ تسبیحش وہان است

اور ایک اردو کا شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

گلستاں میں گلوں کے کان ہیں آواز پر تیری
ترا ذکرِ خفی کرتا ہے ہر پتہ زباں ہوکر

ہاں تو میرے بھائیو! میں کہہ رہا تھا۔ کہ ذکر الٰہی کے غفلت کے نتیجہ میں ہر غافل مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ذکر الٰہی سے غفلت ہی کے باعث ہم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ خدا تعالیٰ اسی واسطے فرماتا ہے۔ کہ اے میرے بندو! تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ خدا کا یاد کرنا کیا ہے؟ یہی کہ وہ اپنی رحمتیں اور تسکین و دلجمعی کی نعمتیں ہم پر نازل فرماتا ہے۔

اور ہمارے مصائب و آلام کو دور فرمائے گا۔ اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ کے تمغۂ نورانی سے ہم کو سرفراز فرمائے گا۔ اور سے

ایمان بھی دے۔ مراد بھی دے۔ عزّ و جاہ بھی
روزی بھی بخشے۔ خلد بھی بخشے۔ گناہ بھی

حدیث قدسی

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ خدا فرماتا ہے کہ۔ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ١٩٦) — "میرا بندہ مجھے یاد کرے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوں۔ وہ اگر مجھے تنہا یاد کرے تو میں بھی اُسے تنہا یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرے۔ تو میں بھی اُسے اس مجمع سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں"

سبحان اللہ! کیا ہی رحمت ہے۔ کہ اُسے یاد کرنے والا اس کی معیت پا لیتا ہے میرے دوستو! اب خود ہی سوچ لو۔ کہ جس کے ساتھ اللہ ہو جائے اسے پھر ڈر اور خطرہ کس بات کا؟ دیکھئے ایک شخص کے پاس بندوق ہو۔ ریوالور ہو۔ تو وہ بے خوف و خطر پھرتا ہے۔ اور بڑے فخر سے کہتا پھرتا ہے کہ میرے ساتھ بندوق ہے۔ ریوالور ہے۔ مجھے ڈر کس بات کا؟ میرے بھائیو! اور جس کے ساتھ خدا ہو۔ تو اس شخص کو پھر ڈر کس بات کا! وہ تو پھر موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ سے

خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ کا یہی منصب ہے۔ کہ اللہ والے حزن و خوف سے بے نیاز رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ ہوتا ہے وہ اگر ڈرتے ہیں۔ تو اپنے اللہ سے۔ اور اس خوف خدا کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ساری خدائی پر ان کا رعب چھا جاتا ہے۔ اور مطابق مَنْ خَافَ اللّٰهَ خَوَّفَ اللّٰهُ مِنْهُ كُلَّ شَيْءٍ کے ہر چیز ان سے ڈرنے لگتی ہے۔ سے

ڈرنا ہے تو ایک اللہ سے ڈر ۔۔ مرنا ہے تو اس کی راہ میں مر

رکھ اس کی رضا پر اپنی نظر ٭ پھر ساری یہ دنیا تیری ہے

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

میرے بھائیو! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں؟ سبحان اللہ کس قدر جلیل ہستی ہے۔ کہ بڑے بڑے قیصر و کسریٰ آپ کے نام سے بھی لرزہ براندام رہتے تھے۔ اور آج بھی فاروق اعظم کا نام نامی موجب صد ہیبت و جلال ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق شیطان جیسا بڑی بڑی طاقتوں کا مالک بھی حضرت فاروق اعظم کا نام نامی سن کر کانپ جاتا تھا۔ اور آپ کے سایہ سے بھی بھاگتا تھا۔ اور جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کا نقشہ پیش کیا کرتا تھا آپ کا رعب و دبدبہ اور یہ ہیبت و جلال اس لئے تھا۔ کہ ان کے دل میں خدا کی یاد اور خوف خدا تھا۔ اور ؎

جو ڈرے حق سے ہر اک اس سے ڈرے
اس سے سب دیو و پری بھاگیں پرے

اور آج جب کہ ہم نے خدا سے ڈرنا چھوڑ دیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم مخلوق میں ذلیل چیزوں سے بھی ڈرنے لگے۔ حتےٰ کہ آج ہم ایک چوہے سے بھی ڈر جاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کے دل میں خدا کا ڈر تھا۔ اس لئے وہاں اس ڈر کے سوا دوسرا کوئی ڈر نہ تھا۔ اور ہمارے دل چونکہ خدا کے ڈر سے خالی ہیں۔ اس لئے اس خالی جگہ میں کئی اور ڈر ڈیرا جمائے بیٹھے ہیں۔ ؎

جس کے دل میں ہو نہ الفت یار کی
ہے بلا شک دل وہ قابل نار کی
ذکر میں اور فکر میں غیروں کی آہ
جان اور تن کو کیا ناحق تباہ

ایک اور حدیث

مسلمانو! ذکر الٰہی کے متعلق ایک اور حدیث سنئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ ــــ (مشکوٰۃ شریف ص۱۹۶)

یعنی ذاکرِ الٰہی اور غافل کی مثال زندہ و مردہ کی مثال ہے۔ یعنے جو ذکر الٰہی کرتا ہے۔ وہ تو زندہ ہے۔ اور جو غافل ہے۔ وہ مردہ ہے۔ معلوم ہوا۔کہ جس دل میں ذکر الٰہی موجود ہو۔ وہی صاحب دل زندہ ہے۔ اور جو غافل ہیں وہ برائے نام زندہ ہیں۔ اصل میں وہ مردہ ہیں۔ زندہ تو وہ ہے۔جس کا دِل زندہ ہے ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے!
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں!

اور یہ ذاکرینِ الٰہی بظاہر اپنی آنکھیں بند بھی کر لیں۔ اور اپنی قبروں میں بھی جا لیٹیں۔ پھر بھی یہ زندہ ہیں۔ اور ایسے زندہ کہ مردوں کو زندگی بخشتے ہیں۔ اور غافل لوگ بظاہر اپنی آنکھیں کھلی بھی رکھیں۔ اور بازاروں میں بھی پھرتے نظر آئیں۔ پھر بھی وہ مردہ ہیں۔ اور ایسے مردہ کہ زندوں کو بھی وہ مردہ ہی سمجھتے ہیں۔ اور ان سے لاکھ کہو۔ کہ اللہ والے زندہ ہوتے ہیں۔مگر اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کے مطابق وہ سنتے ہی نہیں۔ قرآن پاک کے اس ارشاد میں کہ "تم مردوں کو نہیں سنا سکتے" اسی قسم کے مردہ دلوں کا ذکر ہے۔

مسلمان کا فرض

میرے بھائیو! مسلمان کے لئے لازم ہے۔کہ وہ ہر حال میں ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اس کا کوئی لمحہ غفلت میں نہ گزرے۔ خدا تعالےٰ دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ـــــ یعنی فلاح چاہتے ہو۔ تو اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو"

نیز فرمایا:۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔
یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور سوتے ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کے ذکر سے غافل نہیں رہتے۔

لہو ولعب

مسلمانو! اللہ تو فرماتا ہے کہ [illegible] تو اٹھتے بیٹھتے میرا ذکر کرو۔ مگر آج ہم نے کامیابی اس بات میں

سمجھ رکھی ہے. کہ کرکٹ میچ کھیلو۔ اور دن رات لہو و لعب میں گزارو۔ ؎

شب رات بھر سونا تجھے دن لہو میں کھونا تجھے!
شرم نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرات! بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے. کہ ابھی پچھلے دنوں ہمارے کرکٹ کے مسلمان کھلاڑیوں نے رمضان شریف کے مہینے میں جو رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے۔ اور جس میں مسلمانوں کا فرض ہے. کہ دن رات ذکرالہٰی دوسرے دنوں سے بھی زیادہ کریں۔ دن رات میچ میں گزارا۔ اور کسی شخص کو بھی ذکر الٰہی کا خیال تک نہیں آیا۔ بلکہ بہت سوں نے رمضان شریف کے روزوں کو اس کھیل پر قربان کر دیا۔ استغفراللہ العظیم ـــ

نفس کی غلامی

بھائیو! کسی ٹیم کو ہرا دینا کوئی بڑا کمال نہیں ہے. کمال تو یہ ہے. کہ اپنے نفس کو ہراؤ ؎

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا

نفس تو ہارا نہیں۔ اور اس کے دست بستہ غلام ہیں۔ پھر جیت دیت کس کام کی؟

حضرات! میں ذکر الہٰی کا بیان کر رہا ہوں اور آپ سن چکے ہیں. کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ بھائیو! اللہ کی یاد سے دین و دنیا سنورتی ہے۔ اور قرآن پاک گواہ ہے. کہ اس کی یاد سے غفلت کا بڑا ہولناک انجام ہوتا ہے۔ اور اس کی یاد بڑے بڑے ہولناک دور میں بچاؤ کا کام دیتی ہے۔ اور اس کی یاد کرنے والا غفلت کے باعث آنے والے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

قومِ عاد پر عذاب

چنانچہ قرآن پاک میں قوم عاد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہ ارشاد ہوا ہے. کہ یہ سرکش قوم خدا کی یاد سے غافل رہنے کی پاداش میں طوفانِ باد کی زد میں آگئی۔ اور تباہ و برباد ہو گئی۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے:۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ـ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ـ (پ۲۹ ع ۵)

اور عاد وہ ہلاک کئے گئے سخت گرجتی آندھی سے۔ وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار۔ تو ان لوگوں کو ان میں دیکھو بچھڑے ہوئے۔ گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے۔ (کنز الایمان)

یہ خطرناک آندھی اُس سرکش قوم پر ایسی مسلط ہوئی۔ کہ لگاتار سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ اور جانوروں۔ آدمیوں کو زمین سے معلق اٹھا کر اوپر لے جاتی۔ اور پہاڑوں سے ٹکرا کر مار ڈالتی۔ تمام مکانوں کو گرا دیا۔ بیخ و بن سے ڈھا دیا۔ کوئی جانور زندہ نہ چھوڑا۔ نہ کوئی مکان۔ نہ کوئی درخت باقی رکھا۔ سب کو برابر کر دیا۔ مگر اس قدر ہولناک ہوا کے طوفان میں یہ کرشمہ دیکھیئے۔ خدا فرماتا ہے :۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

یعنے حضرت ہود علیہ السلام اور جو لوگ مسلمان تھے۔ انہیں عین اُس سخت ہولناک عذاب کے اندر ہم نے بچا لیا۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ عذابِ باد آنے سے قبل حضرت ہود علیہ السلام کو حکم ہوا۔ کہ آپ مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر نکل جائیں۔ اور اپنے اور ان مسلمانوں کے گرد ایک خط دائرہ کی شکل میں کھینچ لیں۔ اور اس دائرہ سے باہر کوئی شخص قدم نہ نکالے۔ چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اور آپ نے اپنے اور ان مسلمانوں کے گرد ایک لکیر دائرہ کی شکل میں کھینچ دی۔ اور سب لوگ اس دائرہ کے اندر بیٹھ گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھیئے۔ کہ جو ہوا اس دائرے سے باہر بڑے بڑے مکانوں، اور قلعوں کو ڈھا رہی تھی۔ اور انسانوں و اونٹوں کو میلوں اونچا اڑا رہی تھی۔ اور درختوں کو جڑوں سے اکھیڑ رہی تھی۔ وہ ہوا دائرہ کے اندر مسلمانوں کے ماتھے اور بدن کے پسینہ کو خشک نہ کر سکتی تھی۔

دائرہ سے باہر اس قدر ہو۔ کہ انسان اڑ رہے تھے۔ اور اندر اس قدر کم۔ کہ مسلمانوں کو پسینہ آ رہا تھا۔

سبحان اللہ! یہ ایک قدرت کا کرشمہ تھا۔ خدا اپنے جھوٹ والوں کو تو سزا دے رہا تھا۔ اور اپنی یاد کرنے والوں کو "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" کے مطابق یوں یاد فرما رہا تھا۔ کہ انہیں اس عذاب سے بچا رہا تھا۔

آسٹریلیا و کشمیر

میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے کرشمے ہر دور میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور آج بھی سینکڑوں کرشمے ہم دیکھ رہے ہیں۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا ہے۔ کہ اخبارات میں ہم نے یہ خبر بھی پڑھی۔ کہ ملک آسٹریلیا میں اس قدر بے پناہ گرمی پڑی ہے۔ کہ دریاؤں کے پانی اُبلنے لگے۔ اور کنوئیں گرم ہو گئے۔ اور اس گرمی کی بدولت جنگلات میں آگ لگ گئی۔ اور عین انہیں دنوں ملک کشمیر میں اس قدر سردی پڑی۔ کہ سری نگر کی جھیل اور چشمے جم کر برف کے تودے بن گئے۔ اور مارے سردی کے لوگ مرنے لگے۔ یعنی ایک ہی موسم میں ایک طرف اس قدر گرمی۔ کہ پانی ابل رہا ہے۔ اور ایک طرف اس قدر سردی کہ پانی جم رہا ہے۔ آسٹریلیا پر بھی وہی سورج ہے۔ اور کشمیر پر بھی وہی سورج ہے۔ لیکن اُدھر اس کی گرمی دیکھئے۔ اور ادھر اس کی نرمی دیکھئے۔ یہ کیا ہے؟ وہی خدا کی قدرت کا کرشمہ۔ اور اس کی بے پناہ طاقتوں کا مظاہرہ —!

قیامت کے دن

بہت بھائیو! کل قیامت کے دن بھی ایسے ہی ہوگا کہ میدان ایک ہوگا۔ سورج ایک ہوگا۔ مگر کافروں کے لئے عذاب ہوگا۔ اور مومنوں کے لئے رحمت کا سحاب ہوگا۔ ایک طرف کفار سورج کی گرمی سے جل بھن رہے ہوں گے۔ اور دوسری طرف اسی میدان میں اہل ایمان سائے میں ہوں گے۔ ایک طرف کلفت ہوگی۔ اور ایک طرف راحت۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ وہی "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" کا مظاہرہ۔ کہ تم ہمیں یاد رکھو۔ ہم تمہیں یاد رکھیں گے۔ تم ہم پر ایمان لاؤ۔ ہم تمہیں دنیا میں بھی محفوظ رکھیں گے اور عاقبت میں بھی۔ اور اگر تم ہمیں بھول گئے۔ تو تم دنیا میں بھی ذلیل و رسو

ہو گئے۔ اور عاقبت میں بھی۔ پس اے مسلمان! ؎

راحتِ دارین کو چاہے جو تو!
یادِ اُو کن یادِ اُو کن — یادِ اُو

درُود شریف

میرے بھائیو! خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ دیکھ لو۔ اس آیت کریمہ میں خدا کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ لیکن اس میں یہ ارشاد نہیں ہے۔ کہ تم مجھے ایکبار یاد کرو تو میں تمہیں دو بار یا پانچ بار یاد کرونگا۔ نہیں بلکہ صرف اتنا ہی ارشاد ہے۔ کہ تم مجھے یاد کرو۔ تو میں تمہیں یاد کروں گا۔ مگر آؤ۔ اب ذرا اللہ کے محبوب کی شان بھی ملاحظہ فرماؤ۔ کہ جب محبوب کبریا پر درود پاک پڑھنے کی باری آئی۔ تو ارشاد نبوی یوں ہوتا ہے کہ

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا (مشکوٰۃ شریف، ص۸۶)

یعنی جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا۔"

سبحان اللہ! کیا شان ہے محبوب ذی شان کی کہ اس پیارے کا ایک بار پیارا نام لو۔ یا اسے ایک بار یاد کرو۔ تو اللہ تمہیں دس بار یاد کریگا۔ میرے بزرگو، درود شریف پڑھنا بھی اللہ کی یاد ہے۔ جبھی تو درود شریف پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ دس بار یاد فرماتا ہے۔ پھر یہ کیوں نہ کہا جائے کہ درود شریف سے روکنا دراصل ذکر الٰہی سے روکنا ہے۔

ایک مسئلہ

حضرات ایک اور مسئلہ بھی سن لیجئے۔ قرآن پاک پڑھنے والا ایک ہی مجلس میں اگر کسی آیتِ سجدہ کی سو بار بھی تلاوت کرے تو اس پر سجدہ تلاوت ایک ہی بار کرنا لازم ہے۔ یہ نہیں کہ اگر سو دفعہ آیت پڑھی ہے تو سجدہ بھی سو بار کرے۔ نہیں ایک مجلس میں اگرچہ آیت سو بار پڑھے تو سجدہ ایک ہی کرنا پڑے گا۔ مگر یاد رکھو کہ محبوب خدا کا نام نامی اسم گرامی چاہے ایک ہی مجلس میں جتنی بار بھی لیا جائے گا۔ اتنی ہی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا لازم ہوگا۔ یہ ہے عظمت و رفعت ذکر مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ۔ ؎

الٰہی ہزاروں درُود اور سلام
ہوں سرکارِ طیبہ پہ نازل مدام
درُود ایسے محبوبِ سبحان پر
سلام ایسے سلطانِ ذیشان پر

صلی اللہ علیہ وسلم میرے بزرگو! یہ نام نامی و اسم گرامی ایسا نام ہے ۔ کہ اسے سنتے ہی مسلمان کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور یاد رکھو ۔ کہ تم ایسے نہ بن جانا ۔ کہ تمہارے سامنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے۔ تو تم سے یہ کہنا پڑے کہ بھئی ! درُود شریف پڑھو۔ بھائیو! بغیر تم سے کہے کے ہی یہ نام سنتے ہی تمہارے منہ سے فوراً نکل جانا چاہیئے صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور اگر کوئی بدنصیب جو یہ نام پاک سن کر درود شریف نہیں پڑھتا ۔ یہ کہے کہ نہیں صاحب یہ نام سن کر صلے اللہ علیہ وسلم کہنے کی حاجت کیا ہے ؟ تو یاد رکھو ۔ اس کا دل دل ہی نہیں ہے ۔ وہ مردہ دل ہے ۔ ورنہ یہ نام پاک تو ہر مسلمان کے دل پر کچھ ایسا اثر انداز ہوتا ہے کہ سننے والا بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں بھئی ! زید اگر عمر کو ایک گھونسا رسید کرے ۔ تو کیا زید کو یہ کہنا پڑتا ہے ۔ کہ کہو ہائے ! نہیں ۔ بلکہ مضروب خود بخود ہی پکار اٹھتا ہے ہائے ۔ تو بھائیو ! جن دلوں نے اس نام پاک کی محبت کی چوٹ کھائی ہے وہ تو اس نام پاک کو سنتے ہی پکار اٹھتے ہیں ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اور جو اس مقدس چوٹ سے ازلی محروم ہیں ۔ وہ ہمیں مشرک و بدعتی نہ کہیں تو کیا کریں ۔ ؎

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہوں تو پہچانیں !
تو مجھ کو المتبادلے سودے کا خلل جانا !

بھائیو ! کثرت سے درود شریف پڑھا کرو ۔ اور یہ یقین کرکے پڑھا کرو ۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درود شریف کو ۔ خود بنفسِ نفیس سنتے ہیں ۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد طبرانی شریف میں موجود ہے کہ

مَا مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ ——

(حجۃ اللہ علی العالمین ص۱۳)

یعنی جو شخص بھی مجھ پر درود شریف پڑھے۔ مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے۔ چاہے وہ کہیں بھی ہو "

دیکھا آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود ہی اعلان فرما رہے ہیں۔ کہ میں درود شریف پڑھنے والے کی آواز سنتا ہوں۔ چاہے وہ کہیں سے بھی پڑھے

تصوّرِ محبوب

مسلمانو! اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ بزرگانِ دین کا مسلک یہ ہے کہ جب تم درود شریف پڑھو۔ تو یونہی بے نیازی سے نہ پڑھو۔ بلکہ

بِأَدَبٍ وَّ خُشُوْعٍ مُسْتَحْضِرًا صُوْرَتَهُ الشَّرِيْفَةَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (سعادۃ الدارین للبہانی ص۵۲۱)

یعنی ادب اور خشوع کے ساتھ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ شریفہ کا تصوّر کر کے "

ایک شاعر نے لکھا ہے ؎

تصوّر ہے کسی کا مونسِ غم ⁂ خیالِ دلربا ہے اور میں ہوں

مگر میں اس شعر کو یوں پڑھا کرتا ہوں ؎

تصوّر ہے نبی کا مونسِ غم!
خیالِ مصطفےٰ ہے اور میں ہوں

ظلم

بھائیو! اب خود ہی سوچ لو۔ کہ اگر یہ کہا جائے۔ کہ نماز میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور و خیال آجانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو یہ انتہائی ظلم ہے یا نہیں؟ استغفر اللہ العظیم۔ جو نماز ہے ہی از اول تا آخر ادائے محبوب کی نقل۔ اسی میں اگر حضور کا تصوّر و خیال نہ ہوا۔ تو وہ نماز نماز ہی کب ہے ؏

تری تڑپ نہ ہو اگر کیسے ادا نماز ہو

یہ نماز کیا ہے؟ ادائے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نقل۔ حضور کی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ - یوں نماز پڑھو جیسے کہ تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف بیان فرما دیا۔ کہ تمہاری نماز جبھی مقبول ہوگی۔ جب کہ وہ میری نماز کی نقل ہوگی۔ گویا نماز جبھی نماز ہوگی۔ جب کہ اس میں ادائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک پائی جائے گی۔ ورنہ وہ نماز نماز ہی نہیں ہے۔ اور ہرگز مقبول نہیں۔ ؎

وہ عبادت ہی نہیں جس میں نہ ہو حبِ رسولؐ
جن میں بو پائی نہیں جاتی وہ ہیں کاغذ کے پھول

ایمان افروز

بدبو۔ ایک تو یہ خیال ہے کہ خیالِ مصطفیٰ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ایک وہ ایمان افروز ارشاد ہے جو بزرگانِ دین نے لکھا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ نماز میں تصور وخیالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ہونا چاہیئے۔ چنانچہ نماز کے اندر التحیات پڑھتے ہوئے سبھی پڑھتے ہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یعنی سلام ہو آپ پر اے نبی! یہ اَیُّھَا النَّبِیُّ کا جملہ پکار پکار کر فرما رہا ہے۔ کہ نمازی پوری توجہ اور کامل تصور و خیال سے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرے۔ اور آپ کی بارگاہ میں سلام عرض کرے۔ کیوں مسلمانو! اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" درود و سلام ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے۔ اور ابھی آپ سن چکے۔ کہ درود و سلام پڑھنے والا یونہی بے نیازی سے نہ پڑھے۔ بلکہ

بِاَدَبٍ وَّ خُشُوْعٍ مُّسْتَحْضِرًا صُوْرَتَہُ الشَّرِیْفَۃَ

ادب و خشوع کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت شریفہ کا تصور کر کے! تو نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور و خیال پایا گیا یا نہیں؟ یقیناً پایا گیا۔ پھر بتایئے کہ اس طرح نماز ٹوٹی یا کامل ہوتی؟ کیا نماز میں ادب و خشوع کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ اور نیاز مندی کو ترک کر دیا جاتا ہے؟ نماز میں تو انتہائی طور پر ادب وخشوع اور نیاز مندی ہونا چاہیئے۔

پھر اگر یہی بات ہو۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہرگز خیال نہ آنے پائے۔ تو اس کا مطلب تو یہ ہوا۔ کہ نماز کو بس یوں طوطے کی طرح رٹے ہوئے پڑھ لو۔ سمجھ کر دھیان سے اور خیال سے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر سمجھ کر دھیان اور خیال سے نماز پڑھی۔ تو السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہوئے یقیناً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور و خیال پایا جائے گا اور نماز ٹوٹ جائیگی استغفر اللہ العظیم۔ حالانکہ حقیقت وہ ہے۔ جو میں بیان کر چکا کہ یا رسول اللہ!

ع تیری تڑپ نہ ہو اگر کیسے ادا نماز ہو

ہاں تو میں سنانے لگا تھا۔ کہ دیکھئے اس سلسلے میں بزرگانِ دین نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ نمازی جب تشہد میں بیٹھتا ہے تو اس وقت کا منظر بزرگانِ دین نے کیا لکھا ہے؟

اِنَّ الْمُصَلِّیْنَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوْا بَابَ الْمَلَکُوْتِ بِالتَّحِیَّاتِ اُذِنَ لَھُمْ بِالدُّخُوْلِ فِیْ حَرَمِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ فَقَرَّتْ اَعْیُنُھُمْ بِالْمُنَاجَاۃِ فَنُبِّھُوْا عَلٰی اَنَّ ذٰلِکَ بِوَاسِطَۃِ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ وَ بَرَکَتِہٖ مُتَابَعَتِہٖ فَالْتَفَتُوْا فَاِذَا الْحَبِیْبُ فِیْ حَرَمِ الْحَبِیْبِ حَاضِرٌ فَاَقْبَلُوْا عَلَیْہِ قَائِلِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ ـــــ

(زرقانی شرح موطا صـ۱۷۰ جلد۱)

یعنی نمازی جب دربار الٰہی کا دروازہ "التحیات" سے کھلواتے ہیں۔ تو انہیں اس دربار میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے۔ اور مناجات کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور پھر ان نمازیوں کو اس بات پر خبردار کیا جاتا ہے کہ جان لو یہ دربار الٰہی کی حاضری تمہیں خود بخود حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ سب صدقہ ہے رحمتِ مصطفیٰ کا اور ان کی متابعت کا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انہیں کے وسیلے سے تمہیں یہ اتنا قرب حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ نمازی اس حقیقت پر مطلع ہو کر کیا دیکھتے ہیں کہ

حبیبِ کبریا احمدِ مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم بھی دربارِ
حبیب میں حاضر و موجود ہیں۔ تو نمازی اسی وقت حضور صلے
اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ پڑھتے ہوئے حاضر ہو جاتے ہیں۔
اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ ؕ

دیکھا آپ نے کہ بزرگانِ دین کا کیا ایمان ہے اور کیا ارشاد ہے۔ بھائیو! ہمارا تو اسی ارشاد پر ایمان ہے۔ کہ نمازی اپنی نماز میں دربارِ الٰہی کی حاضری سے شرف حاصل کرتا ہے۔ اور اس دربار میں وہ کبریا اور حبیبِ کبریا کے حضور حاضر ہو کر التحیات و صلوٰت کے تحفے بارگاہِ کبریار میں پیش کرتا ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام کا گلدستہ حبیبِ کبریا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ اور وہ اسی تصور و خیال سے اپنی نماز ادا کرتا ہے کہ میں بارگاہِ کبریار و حبیبِ کبریا میں حاضری دے رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر کسی کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم بلائیں۔ تو بحکم "اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ" وہ شخص اگر نماز بھی پڑھ رہا ہو۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جائے۔ اور بزرگانِ دین نے لکھا ہے۔ کہ اس صورت میں اس کی نماز نہ ٹوٹے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ نماز میں بھی وہ اللہ و رسول ہی کے دربار میں حاضر تھا۔ اور اب بھی وہ اسی دربار میں حاضر ہوا ہے۔ کہیں باہر نہیں گیا ہے۔ لہذا وہ نماز کے اندر ہی رہے گا۔ اور اس کی نماز ہرگز نہ ٹوٹے گی۔ نماز میں اگر وہ کعبہ کی سمت کھڑا تھا۔ تو اب وہ کعبہ کے بھی کعبہ کی طرف آیا ہے۔ لہذا وہ نماز کے اندر ہی رہے گا۔ ہمارے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً کعبہ کا بھی کعبہ ہیا۔ اسی لئے اعلیحضرت نے فرمایا ہے ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

یہ ہے ایمان —— یہ ہے اسلام —— اور یہ ہے نماز۔

مسئلہ میرے بھائیو! اگر کسی کا یہ خیال ہو۔ کہ نماز میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو ایسا کوئی شخص

اگر جماعت کرا رہا ہو۔ تو ایسے امام کے پیچھے نماز ہرگز ادا نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ نہیں صاحب! اس میں کیا ہے۔ امام کا خیال امام کو مبارک، اور ہمارا خیال ہمیں مبارک۔ تو اس پر ایک لطیفہ سن لیجئے :-

لطیفہ ایک صاحب دہلی سے لاہور آ رہے تھے۔ اتفاقاً راستے میں امرتسر ایک دوست کو ملنے اُتر گئے۔ اور تھوڑی دیر اتر کر پھر اسٹیشن پر پہنچے۔ تاکہ اسی روز لاہور پہنچ جائیں۔ جلدی میں ایک گاڑی پر بیٹھ گئے۔ جو دہلی جا رہی تھی۔ گاڑی چلی۔ تو اوپر کی سیٹ پر ایک صاحب لیٹے ہوئے دیکھے۔ تو اُن سے پوچھنے لگے۔ کیوں صاحب! آپ کہاں جائینگے وہ بولے دہلی جا رہا ہوں۔ یہ کہنے لگے۔ بھئی، سائنس نے بھی کمال کر دیا ہے کہ اوپر والے دہلی جا رہے ہیں۔ اور نیچے والے لاہور۔

تو میرے بھائیو! اس قسم کی نماز با جماعت بھی پھر سائنس ہی کا کمال ہو سکتا ہے۔ کہ امام صاحب کہیں اور جا رہے ہیں۔ اور مقتدی کہیں اور۔

الغرض خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کرونگا اور میرا شکر کرو۔ کفر نہ کرو" ـــ بھائیو! اس ارشاد کے مطابق ذکر الہٰی کو اپنا شیوہ بنا لو۔ اور اس کے ذکر و شکر میں اپنی زندگی گزارو۔ اور اس کے کفر سے بچو ؂

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

۱۸ اٹھارہواں وعظ

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ

"بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہو گے۔ حالانکہ تم مردہ تھے۔ وہ اس نے تم کو جلایا۔ پھر تمہیں مارے گا۔ اور پھر جلائے گا۔ پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے"

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے انسان کے آغاز و انجام

کا ذکر فرمایا ہے۔ وراس کی حقیقت بیان فرما کر انسان کے ناشکرا پن اور اس کی طغیانی و کفر کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ انسان اپنے خالق کا کیوں انکار کرتا ہے؟ جب کہ یہ پہلے کوئی شے تھا ہی نہیں۔ اور محض اللہ کے فضل و کرم سے یہ معدوم سے موجود ہوا ہے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ یہ معدوم سے موجود ہو جانے کے بعد پھر ایک دن مرجائے گا۔ اور مرنے کے بعد ہماری طرف لوٹے گا۔ باوجود اس کے یہ اپنے آغاز و انجام کو بھول کر ہمارے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اور ہماری بندگی اختیار نہیں کرتا۔

مسلمانو! یہ حقیقت ہے۔ کہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا۔ جب کہ ہم کوئی شے بھی نہ تھے۔ اور ہمارا ذکر تک بھی نہ تھا۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ خدا فرماتا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔

یعنی انسان پر ایک ایسی گھڑی بھی آئی ہے۔ جس میں یہ کوئی شے بھی نہ تھا۔

اور پھر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے۔ کہ اس نے ہمیں لباسِ وجود پہنایا۔ بھائیو! خدا کی مہربانی اور اس کے انعامات و احسانات کا کوئی شمار نہیں۔ دیکھئے "نہ" سے "ہاں" اور "معدوم" سے "موجود" کرنا کتنا بڑا اس کا احسان ہے۔ اور پھر یہ بھی اُسی کا احسان ہے۔ کہ موجود فرمایا تو کسی ذلیل نوع میں پیدا فرما کر موجود نہیں فرمایا۔ بلکہ اشرف المخلوقات نوعِ انسان میں پیدا فرمایا۔ میرے بھائیو! غور کرو۔ خدا تعالیٰ نے جب ہمیں اپنی مہربانی سے موجود فرمایا۔ تو وہ مالک و مختار ہے۔ اور "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" ہے۔ وہ اگر ہمیں کسی جانور کی نوع میں پیدا فرمانا چاہتا۔ بجائے انسان کے گائے، بیل، گھوڑا وغیرہ بنانا چاہتا۔ تو ہم میں یہ مجال کب تھی۔ کہ ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ کہ اے اللہ! دیکھ ہمیں گائے بیل گھوڑا وغیرہ نہ بنا۔ بلکہ ہمیں انسان ہی بنا۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے اپنی ہی مہربانی سے ہمیں کسی جانور کی نوع میں پیدا نہیں فرمایا۔ بلکہ انسانی جامہ عطا فرما کر ساری مخلوق میں ہمیں شرافت و فضیلت عطا فرمائی۔ اور "لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" کا تمغہ عطا فرما کر ہمیں موجود فرمایا۔

اور پھر اس سے بھی بڑا احسان یہ کہ ہمیں انسان بنا کر دولتِ اسلام سے بہرہ ور فرمایا۔ کافر نہیں بنایا۔ اور سب سے بڑا احسان جو تمام احسانات کی جان احسان ہے۔ جس سے بڑا احسان اور کوئی احسان نہیں۔ یہ ہے کہ اس نے ہمیں موجود کیا۔ مسلمان بنایا۔ اور پھر حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنایا۔ ؎

سب سے بڑھ کر ہے یہی فضلِ خدا
اپنا پیغمبر ہے احمد مصطفیٰ

بھائیو! خدا تعالیٰ نے اس آیت میں انسان پر اپنے چند احسانوں کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا! کہ انسان کو ہم نے زندگی عطا فرمائی، وہ انسان جو کسی وقت کچھ بھی نہ تھا۔ آج کس شان و شوکت اور جاہ و عزت کے ساتھ موجود ہے۔ اور کن کن انعامات سے بہرہ ور ہے۔ ایک دوسری جگہ خدا فرماتا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا "ہم نے انسان کو ماں باپ کے نطفہ سے پیدا کیا۔ کہ ہم اس کی آزمائش کریں۔ اور ہم نے اسے دیکھنے سننے والا کر دیا"

مسلمانو! اللہ کی قدرتوں اور اس کی مہربانیوں کو دیکھنے کے لئے ذرا اپنی ہی طرف خیال کرو۔ تمہارا اپنا وجود ہی اس کی صنعت و قدرت اور گوناگوں مہربانیوں کا مظہر ہے۔ دوسرے جانور اور حیوانات بھی بظاہر دیکھتے سنتے ہیں۔ مگر انسان کا دیکھنا سننا بڑا وسیع ہے۔ یہ اللہ کی قدرت کی دلیلیں بھی دیکھتا ہے۔ اور اس کی آیات و حجج بھی سنتا ہے۔ ذرا دیکھو اور سنو۔ کہ اللہ نے انسان پر کیا کیا انعام کئے ہیں۔

اللہ کے انعامات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو موجود فرمایا۔ تو جو جو چیزیں اس کے لئے ضروری تھیں۔ خدا تعالیٰ نے اسے عطا فرمائیں تاکہ وہ اللہ سے یہ نعمتیں پاکر اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ ایک قوت چھونے کی دی۔ تاکہ یہ گرم سرد چیز سخت اور نرم چیزوں کو دریافت کر سکے۔ یہی وجہ

ہے۔ کہ انسان آگ اور پتھر نہیں کھاتا۔ کیونکہ چھونے کی قوت کی بدولت وہ جانتا ہے۔ کہ یہ چیزیں کھانے کے قابل نہیں۔ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ چھونے کی قوت عطا نہ فرماتا۔ تو یہ آگ اور پتھر کو بھی اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا۔ اور نفع پہنچانے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزوں میں کوئی امتیاز نہ کرسکتا۔

حضرات! اللہ کی اسی ایک نعمت ہی کو لو۔ تو اس کا شکریہ ادا نہیں ہوسکتا۔ پھر دیکھو۔ سونگھنے کی قوت بھی بخشی۔ تاکہ بدبو اور خوشبو میں فرق کرسکے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی۔ تو عطر اور بول اور مشک وچرکیں اس کے نزدیک سب ایک ہی طرح کے ہوتے۔ اور ان میں اس کے نزدیک کچھ فرق نہ ہوتا۔ مگر سونگھنے کی قوت نے ان سب چیزوں کو الگ الگ کر دیا۔ تیسری قوت دیکھنے کی دی۔ تاکہ خوش رنگ چیز کو دیکھ کر خوش ہوکر اس کے کھانے کی خواہش کرے۔ اور بری چیزوں سے اجتناب کرے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی۔ تو اچھی بری چیزیں سب اس کے نزدیک برابر ہوتیں۔ اور خوش رنگ و بد رنگ ایک ہی بات ہوتی۔ پھر چوتھی قوت سننے کی دی۔ تاکہ اچھی چیز کا نام سن کر اسے منگوا کر کھا سکے۔ اور بری چیز کو سن کر اس سے الگ رہے۔ کسی دشمن کا سنے کہ وہ مجھے مارنے آرہا ہے تو بچاؤ کرے۔ کسی دوست کا سنے کہ وہ ملنے آرہا ہے۔ تو اس کی انتظار کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں سننے کی قوت کی بدولت حاصل ہیں۔ پھر پانچویں قوت چکھنے کی دی۔ تاکہ مزہ دریافت کرے۔ کہ یہ چیز میٹھی ہے یا کڑوی؟ پھیکی ہے یا تلخ۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی۔ تو کسی چیز کے مزہ سے واقف نہ ہوتا۔ اور نہ جانتا۔ کہ کون سی چیز کڑوی ہے۔ اور کون سی میٹھی۔ مصری اور کونین اس کے نزدیک برابر ہوجاتی۔ اور طبیعت پریشان ہی رہتی۔ اور بیماریوں میں ہی مبتلا رہتا۔ پھر حافظہ بھی عطا فرمایا۔ تاکہ اچھی چیزوں کی رنگت، مزہ اور خوشبو یاد رکھ سکے۔ اگر حافظہ نہ ہوتا۔ تو جب کھاتا اس وقت تو مزہ آتا۔ مگر بعد میں بھول جاتا۔ تو پھر کیونکر وہی مزے دار چیزیں دور دور سے منگاتا۔ پھر قوتِ کلام عطا

فرمائی۔ تاکہ کھانے کے وقت فرمائش کرے۔ کہ میرے آگے فلاں چیز لاؤ۔ اور فلاں چیز اٹھا کرلے جاؤ۔ آج فلاں چیز پکاؤ۔ فلاں نہ پکاؤ۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی۔ تو دل گوشت چاہتا۔ مگر سامنے دال آجاتی۔ یا دال کو دل چاہتا۔ مگر سامنے گوشت آجاتا۔ کیونکہ کلام کی تو قوت ہی نہ ہوتی۔ جو سامنے رکھ جاتا کھانا پڑتا۔ پھر پاؤں دیئے۔ تاکہ چل پھر کر رزق کی تلاش کرے۔ اور ہاتھ پکڑنے کو دیئے۔ پاؤں نہ ہوتے۔ تو اپنی مرغوب غذا کو کیونکر تلاش کرکے لاتا اور اگر ہاتھ نہ ہوتے۔ تو مثل جانوروں کے کھانا پڑتا۔ اور منہ بھی عطا فرمایا تاکہ وہ منہ کے ذریعہ غذا کو غذا پکنے کی جگہ معدہ میں پہنچا سکے۔ نہ دانت دیئے۔ تاکہ ان کے ساتھ غذا کو خوب چبا لے۔ اور غذا کا نگلنا آسان ہو جائے اور زبان دی۔ تاکہ وہ غذا کو ہلا کر دانتوں کے نیچے لاتی رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس غذا کا مزہ پاتی رہے۔ اور تھوک دیا۔ تاکہ لقمہ تر ہو جائے۔ اگر تھوک نہ ہوتا۔ تو لقمہ بسبب خشکی کے حلق سے نیچے اتر ہی نہ سکتا۔ اور پھر حلق کا نرخرہ دیا۔ یہ نہ ہوتا۔ تو لقمہ کہیں کا کہیں چلا جاتا۔ اور مصیبت پڑ جاتی — بھائیو! غور کرتے جاؤ۔ کہ رب العالمین نے اس انسان پر کیا کیا انعام کئے ہیں۔ پھر معدہ دیا۔ تاکہ وہ غذا کو پکائے۔ جب تک غذا اندر نہیں جاتی۔ معدہ کا منہ کھلا رہتا ہے۔ جب غذا اس کے اندر چلی جائے۔ تو فوراً اس کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ پھر جب تک غذا پکتی رہے۔ اس کا منہ بند ہی رہتا ہے، اگر اس وقت منہ کھلا رہے۔ تو غذا کچی رہے۔ اور بدہضمی پیدا ہو جائے پھر غذا جب پک جاتی ہے۔ تو پتلی ہو کر رگوں میں سے کلیجہ کو پہنچتی ہے پھر وہیں جا کر پکتی ہے۔ اور پھر خون بن جاتی ہے۔ پکنے کے سبب اس میں کچھ سودا (سیاہی) پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سودا کو تلی جذب کر لیتی ہے۔ کچھ اس میں صفرا (زردی) پیدا ہو جاتا ہے۔ اسے پتہ جذب کر لیتا ہے۔ کچھ اس میں کچی رہ جاتی ہے۔ اس کی بلغم بن جاتی ہے۔ پھر اس میں سے جو کچھ پتلا پن رہ جاتا ہے۔ اسے دو گردے جذب کر لیتے ہیں۔ اور وہ پیشاب بن کر نکل جاتی ہے۔ پھر جب خالص خون باقی رہ جاتا ہے۔

تو اس کی تقسیم کے واسطے رگوں کو حکم فرمایا۔ تاکہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک غذا کو پہنچا دیں۔ پھر بعض رگیں اس قدر باریک ہیں۔ کہ ان میں گاڑھی غذا نہیں جا سکتی۔ اس کے واسطے پانی پینا مقرر فرمایا۔ تاکہ غذا کو پتلا کر کے ان رگوں میں پہنچاوے۔ پھر بعد اس کے جو فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اگر وہ معدے میں رہ جائے۔ تو مرض پیدا کرے۔ سو اس کے واسطے معدے کے نیچے آنتیں پیدا کیں۔ اور ان میں یہ طاقت پیدا فرما دی۔ کہ وہ فضلے کو کھینچ کر باہر نکال دیں۔ پھر خاک بھی پیدا فرمائی۔ تاکہ انسانی غذا کے بیج کو اپنے اندر ڈھانک کر رکھے۔ پھر پانی پیدا کیا۔ تاکہ اُسے تر کر کے اُسے گلا دے پھر ہوا کو بنایا۔ تاکہ اس کی رطوبت کو خشک کرے۔ اور اسے مضبوط بنائے پھر جو شہر نشیب میں ہیں۔ وہاں نہریں پیدا کیں۔ جو شہر بلندی پر ہیں۔ وہاں مینہ برسائے۔ پھر آفتاب کو بنایا۔ تاکہ اناج کو پکائے۔ پھر فرشتے مقرر فرمائے۔ جو آدمی کی اسی ایک غذ کے لئے خدا کے حکم بجا لا رہے ہیں۔ غرض کہ انسان پر اللہ کے اس قدر احسان ہیں۔ کہ وہ اگر سوچے۔ تو اس خالق و مالک کا کفر کر ہی نہیں سکتا۔ مگر پھر بھی جو ناشکر اور ناعاقبت اندیش اپنے منعمِ حقیقی کا انکار کر دے۔ تو وہ کس قدر جاہل۔ گمراہ اور کافر ہے۔ خداوند کریم جل شانہٗ نے ایک دوسرے مقام پر ایسے ہی ناعاقبت اندیش انسان کے لئے فرمایا ہے۔ کہ " قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ یعنے " مار جائے یہ انسان کس چیز نے اسے کفر کرنے پر آمادہ کیا ؟ یہ کیا ہے۔ پہلے کیا تھا۔ اور اب کیا ہے۔ یہ سوچے تو سہی۔ پہلے یہ کچھ بھی نہ تھا۔ ہم نے اسے زندگی دی۔ پھر یہ ہمارا ہی کفر کر رہا ہے۔

حضرات! آپ نے سن لیا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے اس انسان پر کس قدر احسان ہیں۔ پھر اتنے بڑے محسن کو بھول جانا کس قدر ظلم ہے ؟

انکارِ رسالت بھی کفر ہے

میرے عزیزو! خدا کی ذات سے کفر صرف خدا ہی کے انکار کو نہیں کہتے۔ بلکہ جو شخص اس کے پیارے رسول جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کرے، وہ

بھی در اصل خدا ہی کا منکر ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتا ہے۔ وہ زبان سے چاہے۔ خدا کا اقرار ہی کرے۔ وہ کافر ہی ہے۔ قرآن پاک میں اس امر کا نشان بیان ہے۔ کہ ان کفار سے بھی اگر پوچھا جائے کہ تمہارا خالق و مالک کون ہے۔ تو وہ بھی ہماری طرح کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا خالق و مالک وہی ہے۔ جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے۔ اور اس کی توحید کے جھٹ قائل ہو جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے کفار و مشرکین بھی خدا کی ذات کے منکر نہ تھے۔ بلکہ قائل تھے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے :۔

لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔

یعنے اگر ان کفار و مشرکین سے کبھی آپ پوچھیں۔ کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ کہہ دیں گے کہ اللہ نے ؛

باوجود اس کے وہ لوگ مومن شمار نہ کئے گئے۔ اور نہ ان کا یہ اقرار ان کے لئے مفید ہوا۔ کیوں ؟ اس لئے کہ وہ رسالت کے منکر تھے۔ اور سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے تھے۔ لہٰذا وہ کافر ہی تھے۔ تو اس معنیٰ میں آیۃ مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکروں کو بھی خطاب ہے۔ کہ اے میرے رسول کے انکار کرنے والو! تم اس کفرِ رسول سے باز آجاؤ۔ اور یہ تمہارا کفر کسی طرح جائز نہیں۔

کفرِ انکار

یاد رکھیئے! کفر کی کچھ قسمیں ہیں۔ کفر کی ایک قسم کفرِ انکار ہے۔ اور کفرِ انکار یہ ہے کہ دل سے بھی خدا کا انکار کرے۔ اور زبان سے بھی اقرار نہ کرے۔ یعنے زبان و دل سے خدا کا منکر ہو۔ چنانچہ دہریہ لوگ اسی قسم کے منکر ہیں۔ جو خدا کی ہستی کے بالکل قائل نہیں۔ نہ دل سے اور نہ زبان سے، اور کہتے ہیں کہ جو کچھ زمین و آسمان میں نظر آ رہا ہے۔ یہ سب کچھ مادے کا کرشمہ ہے۔ ان کا بنانے والا کوئی نہیں۔ معاذاللہ یہ خدا کے منکر انتہائی جاہل بھی ہیں۔ اور خدا نے انہیں کی تردید میں فرمایا ہے :۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔

کہ اے بے وقوفو! میری خدائی کا انکار کرنے والو! اور موجودات کے ان مادوں کی تاثیر سے پیدا ہو جانے کے قائلو! سوچو تو سہی! یہ مادے کیا چیز ہیں؟ اور کیا قدرت رکھتے ہیں؟ کہ وہ اس قسم کی چیزیں پیدا کر دیں۔ پھر اگر ان مادوں میں بقول تمہارے یہ تاثیر مان بھی لی جائے۔ تو یہ تو بتاؤ۔ کہ ان مادوں کا وجود کس نے پیدا کیا؟ یہ انسان جب کچھ بھی نہ تھا۔ اسے کس نے پیدا کیا؟ انسان کا مادہ اور نام و نشان تک نہ تھا۔ اور ہم نے اپنی قدرت سے اسے پیدا کیا۔ ہم ایسے قادر و خالق ہیں۔ کہ جس چیز کو چاہیں، جیسا چاہیں پیدا کر دکھائیں۔ اور کُن فرما کر، اُسے معرضِ وجود میں لے آئیں۔ آؤ! اس کفر سے باز آ جاؤ۔ ورنہ اس کفر کے بدلہ میں ابد الآباد کے لیے جہنم میں جلنا پڑیگا۔

کفرِ جحود

دوسری قسم کفر کی کفرِ جحود ہے۔ اور کفرِ جحود یہ ہے کہ دل سے تو مانے مگر زبان سے اقرار نہ کرے۔ جیسے شیطان ملعون، کہ دل سے تو جانتا تھا۔ کہ آدم علیہ السلام اللہ کا پیارا اور خلیفہ ہے۔ مگر زبان سے اس نے انکار کر دیا۔ اور اپنی بڑائی کا بول بول دیا۔ اور یوں کہا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ــ ملعون اسی انکار اور تکبر میں مارا گیا۔

دو سجدوں کی حکمت

معارج النبوت میں لکھا ہے۔ کہ جب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ تو سب فرشتے سجدہ میں گر گئے۔ اور جب انہوں نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ تو شیطان کو دیکھا کہ آدم علیہ السلام سے منہ پھیر کر کھڑا ہے۔ اور شکل اس کی مسخ ہو چکی ہے۔ فرشتے اس منکر کا یہ حال دیکھ کر سجدہ کرنے کی توفیق ملنے پر شکر گزاری میں دوبارہ سجدے میں گر گئے۔ اور کہنے لگے۔ حمد للہ! خدا نے ہمیں سجدہ کی توفیق دی۔ اور شیطان کی حرکت سے محفوظ رکھا۔ اسی دن سے ہر ایک رکعت میں دو سجدے مقرر ہوئے۔

کفرِ جحود ہی کے قبیل سے ان لوگوں کا بھی کفر ہے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا جان بوجھ کر انکار کر دیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔

یعنی یہود و نصاریٰ قرآن پاک کے اترنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے معترف تھے۔ اور تمام انبیاء پر ان کی فضیلت کے مقر تھے۔ اور لڑائی کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے فتح و نصرت مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ بیہقی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ کہ مدینہ اور خیبر کے یہود جب عرب کے بت پرستوں جیسے بنی اسد بنی غطفان وغیرہ سے لڑتے۔ تو شکست کھا کر بھاگ جاتے اور کبھی فتح نہ ہوتی ناچار اپنے علماء کے پاس گئے۔ اور کوئی ایسی تدبیر پوچھی۔ جس سے فتح حاصل ہوا کرے۔ انہوں نے اپنے لشکریوں کو بتایا۔ کہ تم لڑائی کے وقت یہ دعا کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اِنَّا نَسْئَلُكَ بِحَقِّ اَحْمَدَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُخْرِجَهٗ لَنَا فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ ۔ وَبِكِتَابِكَ الَّذِيْ تُنْزِلُ عَلَيْهِ اٰخِرَ مَا يُنْزَلُ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلٰى اَعْدَائِنَا ـــــ

اے خدایا! ہم اس نبی امی کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتے ہیں جس کا نام مبارک احمد ہے۔ اور جس کی بعثت مبارکہ کا آخر زمانہ میں تو ہم سے وعدہ کرچکا ہے۔ اور اس آخری کتاب کا بھی واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں۔ جو تو اس پر نازل فرمائے گا۔ کہ ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتحیاب فرما ۔

چنانچہ اس کے بعد یہ لوگ لڑائی کے وقت یوں ہی کہا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ فتح یاب ہوتے۔

مگر جب وہ رسول تشریف لے آئے۔ تو یہی لوگ جان بوجھ کر منکر ہو گئے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔ یعنی جب وہی رسول آگیا۔ جس کی حقانیت و عظمت وہ لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ اور وہ علامتیں جو ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی مذکور تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں دیکھ بھی لیں مگر پھر بھی وہ جان بوجھ کر اس حقیقت کا انکار کر بیٹھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ ایسے

معاند و منکر پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔

معلوم ہُوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کا انکار بھی کفر ہے۔ اور موجب لعنت۔ لہذا سب کو یہ لازم ہے۔ کہ وہ اللہ کے اس آخری رسول پر ایمان لائیں۔ اور یاد رکھیئے۔ اللہ کے رسول کا انکار اگر موجب لعنت ہے۔ تو اللہ کے رسول کا اقرار اور اس کی اطاعت موجب رحمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں پر اللہ کی بڑی رحمتیں ہوتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہم یہاں بھی اللہ کی رحمتوں سے مالا مال ہیں تو کل قیامت کے دن بھی مالا مال ہوں گے۔ بلکہ کل قیامت کے دن اللہ کی خاص رحمت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں پر ہی ہوگی۔

اللہ کی رحمت

مسلمانو! اللہ کی رحمت کا کیا کہنا۔ اس کی رحمت اس قدر عام ہے۔ کہ اس کی رحمت سے یہاں اس دنیا میں ہر اپنا بیگانہ مستفید ہو رہا ہے۔ اور قیامت کے دن جو رحمت اللہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں پر کرنی ہے۔ اس کا بیان ان پنجابی شعروں میں سنئے ؎

سو حصے رب رحمت کیتی، حضرت خود فرمایا
اک حصہ وچ دنیا ورتیا آخر تیک ونڈایا
اس اک حصے تھیں پیار محبت خلقت وچ پسایا
اواں پتراں بھیناں بھائیاں پیار ایسے تھیں سارا
انساناں حیواناں ہر وچ مہر محبت پائی!!
بھلی یا بری محبت سب اس اک حصے تھیں آئی
اک گھٹ سو حصہ جو رحمت ایہہ حصہ بھی نالے
پورا سو کر ورتے گا رب روز قیامت والے
رب دی رحمت نال کی نسبت رحمت بندیاں تائیں
اک حصہ وچ سب بندیاں اوہ سو حصے واسائیں

کفرِ نفاق

کفر کی ایک قسم کفر نفاق ہے۔ اور یہ کفر یہ ہے۔ کہ دل سے

تو انکار کرے۔ مگر اپنی جان و مال بچانے کو زبان سے اقرار کرے۔ جیسے کہ منافقوں کا حال تھا۔ کہ جب انہوں نے اسلام کو قوی ہمت دیکھا۔ اور معلوم کیا۔ کہ اگر ہم ایمان نہ لائے۔ تو مارے جائیں گے۔ یا جزیہ دینا پڑے گا۔ تو انہوں نے یہ ترکیب کی۔ کہ دل سے تو بدستور منکر رہے۔ مگر زبانی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا اقرار کرکے وقت نکال لیا۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کا حال اللہ نے پہلے پارہ میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ — یعنے "بعض لوگ زبان سے تو کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آئے۔ حالانکہ وہ دل سے ماننے والے نہیں ہیں"

اس قسم کے منافقوں کی مثال اس مریض کی سی ہے۔ جو ایک خوفناک مرض میں مبتلا ہو۔ اور چند دواؤں کا ورد نام یاد کرلے۔ اور ان دواؤں کے ناموں کا ورد زبان پر جاری رکھے۔ مگر ان کا استعمال نہ کرے۔ تو کیا ایسا مریض ان دواؤں کے ناموں کے ورد ہی سے اچھا ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ یہی حال ان منافقوں کا ہے۔ کہ زبانی زبانی کلمہ پڑھ لیا۔ مگر دل سے انکار ہی رکھا۔ پھر اس زبانی زبانی اقرار سے کیا فائدہ ؟

نفاق کی قسمیں

نفاق کے معنے ہیں برائی کو چھپا کر بھلائی ظاہر کرنا۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک "اعتقادی" جیسے حقیقی نفاق۔ دوسری "عملی" یعنے حقیقی نفاق تو نہ ہو۔ مگر منافقوں جیسے عمل اور عادتیں موجود ہوں چنانچہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ و سلم نے اپنے ایک ارشاد میں فرمایا ہے

اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ - اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ - وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ — منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے۔ تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو توڑ دے اور امانت میں خیانت کرے"

مسلمانو! سن لو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے جھوٹ بولنے،

وعدہ خلافی کرنے اور خیانت کرنے کو منافق کا کام بتایا ہے۔ تو اب جو مسلمان ہو کر ان عادتوں میں سے کسی عادت کو اپنائے گا۔ تو وہ اگرچہ حقیقی منافق نہ سہی۔ مگر منافقوں کا سا کام تو اس نے ضرور کیا۔ اور منافقوں کی علامت تو اس میں پائی گئی۔ اس لئے مسلمانو! ان بری باتوں سے بچو۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منافق کی ایک نشانی بد زبانی بھی ارشاد فرمائی ہے۔ یعنے منافق بد زبانی بہت کرتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو بد زبانی سے بھی بچنا چاہیئے۔

مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات پر عمل کریں۔ اور اپنے رسول کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

در ہمہ اقوال و احوال اے فتا!
قبلۂ خود ساز خلق مصطفےٰ

بھائیو! یہ جتنی قسمیں کفر کی بیان ہوئیں۔ سبھی مہلک اور موجب عذاب ہیں۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک قسم کے کفر سے بچو۔ اللہ تعالیٰ اسی لئے فرماتا ہے۔ کہ تم میرا کفر کس طرح کرو گے۔ جب کہ میں نے تم کو بنایا۔ اور پھر ماروں گا بھی۔ اور مار کر پھر زندہ بھی کروں گا۔ اور پھر تم سب کو میرے سامنے پیش بھی ہونا ہے۔ کیا تم مرو گے نہیں؟ کیا تم ہمیشہ یہیں بیٹھے رہو گے؟ نہیں نہیں! اس خدا نے جس نے تم کو پیدا کیا۔ زندگی دی۔ اس نے ہی تم پر موت بھی وارد کرنی ہے۔ اور جب اس کا پیغام اجل آ گیا۔ تو پھر کوئی نہ بچ سکے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک لاکھوں کروڑوں انسان پیدا ہوئے۔ اور پھر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شہر خموشاں میں چل بسے۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے ؎

اَیْنَ الْاَکَاسِرَۃُ الْجَبَابِرَۃُ الْاُولٰے
کَنَزُوا الْکُنُوْزَ فَمَا بَقِیْنَ وَلَا بَقُوْا!

جابر بادشاہ جو تھے۔ وہ کہاں گئے؟ اور جس دولت کو انہوں نے جمع کیا تھا۔ اور اس کے جمع کرنے میں عبادت معبود کو مسدود کیا اور جان جوکھوں

میں ڈال کر موجود کیا تھا۔ اور جس کی نہ زکوٰۃ دی۔ نہ خیرات نہ صدقہ وغیرہ۔ اب وہ دولت غیروں بلکہ دشمنوں کے قبضہ میں آ گئی۔ اور ان کی بیبیاں جن کی خوشنودی کو خدا کی خوشنودی پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اجنبیوں کے نکاح میں آ گئیں۔ سہ

کہ بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است
منہ بر جہاں دل کہ بیگانہ ایست
چو مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست
مکن تکیہ بر ملک جاہ و حشم!
کہ پیش از تو بودست بعد از توہم!

الغرض اس طرح کی بہتیری باتیں ہم اپنی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ باوجود اس کے گائے بکری کی طرح جو اپنے ہم جنس کو ذبح ہوتے دیکھ کر بھی متنبہ نہیں ہوتیں۔ ہم اپنے ہم جنسوں کے حال کو دیکھ کر متنبہ نہیں ہوتے۔ فرصتِ حیات کو جو ہر وقت رخصت ہو رہی ہے۔ غنیمت نہیں سمجھتے نہ فائدے اس سے اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ بمضمون اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اسی سے آخرت کا ذخیرہ ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ سہ

دنیا کھیتی آخر سیتی، خود حضرت فرماوے
جیسا اس وچ بیجے کوئی ویسا ہی پھل پاوے
اس کھیتی نال نہ کھیتی کوئی جے توں بیج کماویں
سونا روپا پیدا ہووے خوشیاں کر کر کھاویں
جے توں اس نوں محنت کر کے بیبی اج دہاڑے
بھلکے ہوسن تیرے ناہیں بوہل اتے کھواڑے
جے بیجن دیہے کجھ نہ بیبی موسم پیا گواویں
اگے فصل جو پکے دیکھیں رو رو پچھوتاویں

عقلمند وہی ہے۔ جو اس وقت کچھ ایسا ذخیرہ کرے جو آخرت میں کام

آوے ۔ خدا فرماتا ہے۔ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔ ؎

تَزَوَّدْ مِنَ الدُّنْيَا فَاِنَّكَ رَاحِلٌ!
وَاعْلَمْ بِاَنَّ الْمَوْتَ لَاشَكَّ نَازِلٌ

؎
بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری!!
بجز جانِ من ورنہ حسرت خوری!
غنیمت شمار ایں گرامی نفس!
کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس!
مکن عمر ضائع بافسوس حیف!
کہ فرصت عزیزاست والوقت سیف!

جب تک جان میں جان ہے ۔ تب تک ذکرِ خالق جان سے بند نہ کرنا ورنہ بعد از جان بے دہن حسرت و ندامت کا فغاں ہے ۔ ؎

اگر مردہ سکیں زباں داشتے
بفریاد و زاری فغاں داشتے
کہ اے زندہ چوں است امکان گفت
لب از ذکر چوں مردہ برہم مخفت

موت کو یاد رکھو

میرے بھائیو! جس خدا نے یہ زندگی اور جان عطا فرمائی ہے اسی خدا کے حکم سے ایک دن مرنا بھی ہے۔ اور موت سے کسی کو مفر نہیں۔ سب نے یہاں سے جانا ہے ۔ مگر افسوس! آج موت کو بھلا دیا گیا ہے ۔ اور ہم دنیا میں ایسے محو ہو گئے ہیں۔ کہ جیسے ہم نے مرنا ہی نہیں۔ اور اپنے خالق و مالک کے سامنے پیش ہونا ہی نہیں۔ بزرگو! یہ جتنی بھی خلافِ شرع حرکتیں ہوتی ہیں اس کی زیادہ تر وجہ یہی موت کو بھول جانا ہے۔ موت اگر یاد رہے ۔ اور اللہ کے حضور حاضر ہونے کا ہر وقت خیال رہے۔ جس کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ کہ اللہ تمہیں مارے گا اور پھر زندہ کرکے اپنے سامنے تمہیں پیش کرے گا۔ تو یہ آئے دن کی ناجائز اور بُری حرکتیں ایک دم رک جائیں ۔ موت اگر پیشِ نظر رہے ۔ تو اس

دنیا میں معیت ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک حکایت

چنانچہ ایک بادشاہ کی حکایت ہے۔ کہ وہ ایک اللہ والے فقیر کے پاس حاضر ہُوا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ اُس فقیر نے ایک گولی کھائی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کہ یہ گولی جو آپ نے کھائی ہے کیسی تھی۔ فقیر نے کہا۔ یہ جسمانی طاقت کے لئے ہے۔ جسے میں اس لئے کھاتا ہوں۔ تاکہ اللہ اللہ کرنے کے لئے بدن میں طاقت رہے۔ بادشاہ نے کہا۔ تو ایک گولی مجھے بھی کھلایئے۔ چنانچہ فقیر نے ایک گولی اس بادشاہ کو بھی کھلا دی۔ بادشاہ وہ گولی کھا کر واپس ہُوا۔ تو اُس نے اپنے بدن میں قوتِ مردمی کا ایک ہیجان پایا۔ اور رات بھر اس گولی کے اثرات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور گولی کی یہ بے پناہ تاثیر دیکھ کر اس فقیر کی طرف سے بدگمان ہو گیا۔ کہ میں تو بھلا بادشاہ ہوں۔ میری کئی بیویاں ہیں۔ اور میرا ایک ہی گولی سے یہ حال ہوا ہے۔ تو فقیر جو روز یہ گولی کھاتا ہے۔ کیا کرتا ہوگا۔ ضرور وہ کوئی بدمعاش ہے۔ ورنہ یہ گولی کھا کر وہ کس طرح صبر کرتا ہے۔ اس بدگمانی میں وہ دوسرے دن پھر اس فقیر کے پاس پہنچا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ جناب! جو گولی آپ نے مجھے دی تھی۔ اس کے اثرات سے میں تو ابھی تک ہیجان میں ہوں۔ پھر آپ ہر روز یہ گولی کھا کر کس طرح گزارا کرتے ہیں؟ فقیر صاحب اس کی بدگمانی کو سمجھ گئے۔ اور بادشاہ سے کہنے لگے۔ بادشاہ سلامت! ان باتوں کو رہنے دیجئے۔ اب آپ اپنے مرنے کی فکر کیجئے۔ مجھے آج ہی یہ معلوم ہُوا ہے۔ کہ آپ آٹھ روز کے بعد مر جائیں گے۔ یہ لیجئے ایک گولی اور لے لیجئے۔ اور اسے کھا لیجئے۔ تاکہ آٹھ روز تک کچھ تھوڑی بہت ہمت باقی رہے۔ آپ اس عرصہ میں اپنی سلطنت کا کچھ انتظام کر جائیں۔ تاکہ آپ کے بعد اس میں کوئی بدنظمی پیدا نہ ہو۔ بادشاہ کا یہ پیشگوئی سن کر رنگ فق ہو گیا۔ اس اللہ والے فقیر کی باتوں پر اُسے یقین تو تھا ہی۔ اس لئے اُسے یقین ہو گیا۔ کہ میں واقعی آٹھ روز کے بعد مرنے والا ہوں۔ چنانچہ وہ ایک گولی اور لے کر محل میں آیا۔ اور موت کی فکر میں اس کا کھانا پینا چھوٹ گیا۔ گولی بھی اس

نے کھائی لیکن اٹھنے بیٹھنے کی بھی اس میں ہمت نہ رہی۔ دن رات جاگ کر اللہ اللہ کرنے لگا۔ اور سلطنت اپنے بیٹے کے سپرد کرکے گوشہ نشین ہو گیا۔ وہی گولی جو پہلے ایک بار کھا کر مردمی طاقت سے بے چین ہوگیا تھا اب اس گولی کا کوئی اثر نہ دیکھا۔ آخر آٹھ دن گزر گئے۔ لیکن وہ مرا نہیں۔ یہ بات دیکھ کر وہ پھر فقیر کے پاس پہنچا۔ اور پوچھنے لگا۔ کہ آپ نے تو میرے مرجانے کی خبر دی تھی۔ پھر میں مرا کیوں نہیں۔ فقیر نے مسکرا کر جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! مجھے آپ کی بدگمانی کو رفع کرنا منظور تھا۔ چنانچہ اب آپ کی وہ بدگمانی دور ہو جائے گی۔ سنئے! آپ کو تو پھر بھی آٹھ دن کی مہلت کا خیال تھا۔ اور آٹھ دن کے بعد مرنے کا یقین تھا۔ لیکن پھر بھی موت کے ڈر سے اس گولی کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ تو مجھے تو موت کا کھٹکا ہر وقت رہتا ہے۔ اور ایک گھڑی بھر کی مہلت کا بھی یقین نہیں۔ پھر خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ کہ مجھ پر اس گولی کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ بادشاہ نے اس حقیقتِ حال کو سن کر فوراً دل سے وہ بدگمانی دُور کردی۔

تو میرے بھائیو! موت کا اگر دھیان رہے۔ تو خدا گواہ ہے، انسان کبھی کوئی خلافِ شرع حرکت نہ کرے۔ مگر افسوس کہ ہم موت کو بھول گئے۔ اور قبر کی منزل کو فراموش کر دیا۔ مسلمانو! سب نے ایک دن قبر میں جانا ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو قبر کی فکر میں ایسے امور سے باز رہتے ہیں۔ جن کی بدولت قبر کے عذاب سے رہائی ملتی ہے۔ جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:۔ ؎

رکھیو یاد ہمیشہ قبراں آکھیا نبی سوہارے
قبر بندے نوں نت پنج واری ناں آواز پکارے
کہ میں گھر ہاں تنہا کلا ساتھی کوئی نہ لیاویں
میں وچ خرچ نہیں کجھ اوتھوں باجھوں خرچ نہ آویں
دیوا بال لیاویں اوتھوں میں وچہ سخت انھیرا
میں وچ فرش فروش نہ کوئی فرشش بناویں میرا

بیں وچ سپ تے ٹھوٹھیں زہری بن تریاق نہ آویں
یاراں آکھیا اسی نہ سمجھے یا حضرت سمجھاویں
حضرت کہیا قبر وچ ساتھی پڑھن قرآن پچھانوں
دکھ سکھ وچ نہ پڑھنا چھوڑو ساتھی ایہو جانو!
دیوں مال اللہ دے راہ وچ خرچ قبر دا بھائی!
پڑھن نماز تہجد راتیں دیوا ایہہ روشنائی!
فرش قبر دا بدیاں چھڈو نیک اعمال کماؤ!
چھوڑ باطل نوں حق قبولو ایہہ تریاق بناؤ!

زمین کی ندا

منبہات میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت درج ہے۔ اُسے سنو اور عبرت حاصل کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ زمین ہر روز دس باتوں کی ندا کرتی ہے۔ اور یوں کہتی ہے:-

یَا ابْنَ اٰدَمَ تَسْعٰی عَلٰی ظَهْرِیْ وَ مَصِیْرُكَ فِیْ بَطْنِیْ - اے آدمی! تو میری پیٹھ پر چلتا ہے۔ لیکن ایک دن میرے پیٹ میں بھی آئے گا۔ وَ تَعْصِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ وَ تُعَذَّبُ فِیْ بَطْنِیْ — تو میری پیٹھ پر تو گناہ کرتا ہے۔ لیکن میرے پیٹ میں تجھ کو عذاب دیا جائے گا۔ تَضْحَكُ عَلٰی ظَهْرِیْ وَ تَبْكِیْ فِیْ بَطْنِیْ — میری پیٹھ پر تو تُو ہنستا ہے۔ لیکن میرے پیٹ میں تو روئے گا۔ وَ تَجْمَعُ الْمَالَ عَلٰی ظَهْرِیْ وَ تَنْدَمُ فِیْ بَطْنِیْ۔ میری پیٹھ پر تو تُو مال جمع کرتا ہے۔ لیکن میرے پیٹ میں تجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ وَ تَاْكُلُ الْحَرَامَ عَلٰی ظَهْرِیْ وَ تَاْكُلُكَ الدِّیْدَانُ فِیْ بَطْنِیْ - میری پیٹھ پر تو تُو حرام کھاتا ہے۔ اور میرے پیٹ میں کیڑے تجھے کھا جائیں گے:(منبہات)

میرے بھائیو! زمین کے اس اعلان کو سنا؟ زمین کا یہ اعلان بالکل حق ہے۔ لہذا موت اور قبر کو یاد رکھو کہ ایک دن مرنا ہے۔ اور قبر میں جانا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

مسلمانو! یہاں یہ بات بھی سنتے چلو۔ کہ وہ لوگ جو اپنے مردوں کو جلتی آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ اور قبر میں دفن کرنے کو برا جانتے ہیں۔ اور میت کے دفن کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ آگ ایک ایسا جوہر ہے۔ جو ہر ناپاک اور کثیف چیز کو جلا دیتا ہے۔ اور ہر چیز کی بدبو اور تعفن کو بہت جلد فنا کر دیتا ہے۔ اور قبر میں لاش سڑ گل جاتی ہے۔ لہذا میت کو زمین میں دفن کرنے سے جلانا بہتر ہے ان لوگوں کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر ذرا بھی تامل و غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آگ خائن صفت ہے۔ جو چیز اسے دو۔ بہت جلد اسے کھا لیتی ہے۔ اور فوراً تلف کر دیتی ہے۔ اور زمین امانت دار ہے۔ جو چیز اس میں دفن کی جاتی ہے۔ بعینہ باقی رہتی ہے۔ پس مردہ کو زمین میں سونپنا خائن کے حوالے کرنے سے ہر چہا بہتر ہے۔ اسی واسطے جبلت انسانی اس امر کی مقتضی ہے۔ کہ جب کسی ادنیٰ یا اعلےٰ چیز کی حفاظت و حراست منظور ہوتی ہے۔ تو اسے زمین میں دفن کرتے ہیں۔ خواہ از قسم اموال و خزائن ہوں۔ یا جواہرات و معدنیات وغیرہ۔ اور جب کسی چیز کو نیست و نابود اور تلف کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسے آگ کے شعلے میں جھونک دیتے ہیں۔ اور آدمی کو قیامت کا اور اپنے متروکہ اجسام میں تعلق ارواح کا انتظار ہمیشہ نظر ہے۔ اور مردے کو آگ میں ڈال کر اور جلا کر خاکستر کر دینا اس انتظار کے صریح مخالف ہے۔ نیز اس میں مردے کی کمال درجے کی بے قدری بھی ہے۔ وجہ یہ کہ آگ تو کم معاملہ ناپاک اور ناکارہ چیزوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور جن نیک چیزوں اور عمدہ چیزوں کو باقی رکھنا منظور ہوتا ہے۔ تو ان میں یہی معمول ہے۔ کہ زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور معترضین کا یہ اعتراض کہ جوہر ناری ہر چیز کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ یہ اعتراض اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب کہ مدفون چیز کا دوبارہ نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ اور جب کسی چیز کا زمین ہی میں چھپا دینا مقصود ہو۔ تو اس کی بدبو و تعفن سے کیا خوف؟ وجہ یہ کہ اس کا اثر زمین کے لوگوں کو مطلق نہیں پہنچتا۔ اور میت کے دفن کرنے کی صورت میں بہت سی بدن کی رطوبتیں

گل سڑ کر خشک ہو جاتی ہیں۔ اور جسم کے کل اعضاء اور اجزاء اپنی شکل و ہیئت پر برقرار رہتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا یہ شخص جس طرح زندگی کی حالت میں سوتا تھا۔ ویسا ہی اب سوتا ہے۔ بخلاف جوہر ناری کے کہ وہ اجزائے بدن کو ایسا جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ کہ شکل اور مقدار تک مطلقاً باقی نہیں رہتا۔ دوسرا اس کا جواب یوں ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی کی خلقت خاک ہی سے ہے اور کُلُّ شَیْئٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ کے مطابق اس کو اپنی اصلی حالت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ بخلاف آگ کے کہ وہ جنات اور شیاطین کی خلقت کا مادہ ہے۔ پس جب انسانی جسم مرنے کے بعد آگ میں جلایا جائے گا۔ تو اسکی روح لطیفہ آگ کے دہوئیں میں آمیزش کرکے شیاطین و جنات سے پوری پوری مشابہت پیدا کرے گی۔ اسی واسطے اکثر ان لوگوں کی روحیں جو مرنے کے بعد آگ میں جلائی جاتی ہیں۔ شیاطین کا حکم پیدا کرکے لوگوں کو چمٹتی پھرتی ہیں۔ اور ایذا دیتی ہیں۔ پس انسان کو مرنے کے بعد زمین میں دفن کرنا درحقیقت اس کے اصل مادہ اور حقیقی خلقت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اور جلانے میں اس کی حقیقت کو بالکل پلٹا دینا ہے۔

ایک عالم کا بہترین جواب

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک اسلامی لشکر حدود سیستان میں آیا۔ وہاں کے باشندوں میں سے جو سب کے سب غیر مسلم اور میت کو جلانے والے تھے۔ ایک بڑا دانا اور اس دھرم کا ایک بڑا عالم اسلامی لشکر کی طرز و روش اور چال چلن دیکھنے آیا۔ اور مسلمانوں کی تفتیش احوال اور ان کی وضع و آئین پر مطلع ہو کر بطور اعتراض کہا۔ کہ اے مسلمانو! تمہاری عادت و خصائل بڑے عمدہ ہیں۔ اور سچے دین میں یہی باتیں ہونی چاہئیں۔ مگر ایک عادت تم میں بُری ہے۔ کہ اپنے مردوں کو زمین میں دفن کرتے ہو۔ آگ میں نہیں جلاتے۔ حالانکہ جسم انسانی کو خاک میں دبانا ناپاکی اور بدبو پیدا کرتا ہے اور آگ میں جلانے سے تعفن کا بالکل ازالہ ہو جاتا ہے۔ اس لشکر میں فقہائے اسلام میں سے ایک فقیہہ و عالم بھی موجود تھے۔ انہوں نے

اس معترض کا یہ اعتراض سن کر کہا۔ کہ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں۔ اگر تم اس میں میری تسلی کر دو۔ تو پھر میں بھی تمہارے اس اعتراض کا شافی جواب دوں گا۔ چنانچہ اہل اسلام کے عالم نے پوچھا: بھلا بتاؤ تو، اگر کوئی شخص کسی شہر میں نووارد ہو۔ اور وہاں کسی عورت سے نکاح کرے۔ اور اپنی خانگی امور کی حفاظت اور کھانا پکانے کے لئے ایک باورچن عورت رکھے۔ پھر اس کی منکوحہ سے لڑکا پیدا ہو۔ اب اس کو ایک سفر درپیش آیا۔ اور سفر سے واپس آنے تک اپنے لڑکے کو یہیں چھوڑنا چاہتا ہے۔ اب بتائیے۔ کہ وہ مسافر اس اپنے لڑکے کو ان دونوں عورتوں میں سے کس کے سپرد کرے۔ آیا اپنی منکوحہ کو سونپ کر جائے یا اس باورچن دگھر کی نوکر، کے سپرد کر کے جائے؟ اس غیر مسلم عالم نے اس مسئلہ کو سن کر بڑی لاابالی سے کہا۔ کہ بھلا ماں کے ہوتے ہوئے اس کھانا پکانے والی ماما کو سونپنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لڑکا تو اپنی ماں ہی کے پاس رہ سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ اس باورچن کا بچہ نہیں۔ اپنی ماں کا بچہ ہے۔ فقیہہ عالم نے جواب دیا۔ کہ تم نے خود ہی اپنے اعتراض کا جواب دے دیا۔ اسی تمہارے جواب میں تمہارے اعتراض کا جواب ہے۔ غور کرو۔ کہ روحِ آسمانی جب دنیا میں آئی۔ تو اس کے واسطے ایک زمینی جسم زمین سے بنایا گیا۔ اور یہ زمینی بدن جب بن کر تیار ہوا۔ تو اسے روح عنایت فرمائی۔ اور غذا و لباس رہنے سہنے کی جگہ اور دیگر جملہ منافع اس کو زمین ہی سے پہنچائے۔ اور آگ اس کے لئے بطور ایک باورچن اور خادمہ کے لئے عنایت فرمائی۔ جو اس کے لئے صرف کھانے پکانے ہی کا کام کرتی ہے۔ پس آدمی کی اصل ماں زمین ہے۔ اور آگ اس کی باورچن، اور کھانا پکانے والی۔ اور جب یہ آسمانی روح جو بدن کے حق میں باپ کے مانند ہے۔ عالم برزخ میں سفر کرنے کا ارادہ کرے۔ تو ناچار اپنے فرزند کو جو بدن ہے۔ اس کی اصل ماں کو سونپنا پڑے گا۔ نہ کہ اس باورچن اور کھانا پکانے والی کے حوالے کرے گا۔ اس غیر مسلم عالم نے یہ جواب سنا۔ تو انصاف کے پیش نظر اس جواب کی داد دینے لگا۔ اور فوراً قائل ہو گیا۔ کہ واقعی میت

کو جلانے سے بہتر یہ ہے۔ کہ اسے سپردِ زمین کیا جائے۔

بہرحال میرے بھائیو! انسان نے ایک دن مرنا ہے۔ اور قبر میں جانا ہے۔ لہٰذا موت کو ہمیشہ یاد رکھو اور بُرے کاموں سے بچو۔

موت مسلمان کیلئے نعمت ہے

مسلمانو! یہ موت جو اللہ نے پیدا کی ہے اور فرمایا ہے۔ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔ کہ وہ پھر تمہیں مارے گا۔ تو یہ موت بھی مسلمان کے لئے ایک نعمت ہے۔ اور نعمت اس طرح ہے کہ مسلمان نے اس دارالاعمال میں کمالات کی تحصیل کے لئے جو جو مشقتیں اور محنتیں کی ہیں۔ اور جن مصائب کو برداشت کیا ہے۔ لازم ہے۔ کہ وہ ان کا پھل پائے۔ اور اگر یہ موت نہ ہوتی تو انسان ابد الآباد تک اعمالِ شاقہ کی کش مکش میں گرفتار اور مبتلا رہتا اور اس محنت کا ثمرہ ہرگز نہ پاتا۔ اسی لئے یہ موت بھی مسلمان کے لئے نعمتوں میں سے شمار کی گئی ہے۔ اور بزرگوں نے فرمایا ہے۔۔ اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ ـ یعنی موت ایک ایسا پل ہے۔ جو محبوب سے محبوب کے وصال کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نیک مسلمان مرنے سے ڈرتا نہیں۔ اور بھائیو! ہم جو موت سے ڈرتے ہیں۔ اسلئے کہ اپنے گناہوں کا ہمیں علم ہے۔ اگر انسان گناہوں سے باز رہے تو پھر اس کی موت وصال محبوب ہے۔ کہ اللہ والوں کے انتقال کو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں بزرگ کا وصال ہو گیا۔

ہاں تو بھائیو! موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ موت سب سے بڑی واعظ ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ اَخْرَجَہُ الطبرانی ــ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی انگشتری پر لکھوا رکھا تھا۔ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یَا عُمَرُ۔ یعنی "اے عمر۔ موت وعظ و عبرت کے لئے کافی ہے":

عبرتناک اشعار

میرے بھائیو! یہ دنیا کا گھر ایک مکڑی کے جالے کی مانند ہے۔ جسے موت کا ایک ہی جھونکا فنا کر دے گا۔

ایک عربی شاعر لکھتا ہے ؎

إِنَّمَا الدُّنْيَا فَنَاءٌ لَيْسَ فِي الدُّنْيَا ثُبُوتٌ!
إِنَّمَا الدُّنْيَا كَبَيْتٍ نَسَجَتْهُ الْعَنْكَبُوتُ

اور ایک فارسی شاعر نے لکھا ہے: ؎

ایں جہاں نقشے برآبے بیش نیست
موج آبے یا سرابے بیش نیست

اور ایک اردو شاعر نے کیا ہی عبرت ناک شعر لکھے ہیں:-

؎

جا سیر ذرا کر جو مکانات ہیں اُجڑے
کیا ہو گئے جن کے تھے بہت خادم و لالا
رہتی تھیں بڑی چلمنیں جن غرفوں کے آگے
پورا ہیگا مکڑی نے وہاں آن کے جالا
وہ ستھرے چمن سیر کے اب گھاس ہے ان میں
بلبل نہ وہاں ہیگی نہ گل ہیگا نہ لالا
کیا ہو گئے وہ لوگ جو رکھتے تھے تجمّل
کچھ بھی ہے نشاں ان کا کہاں فوج رسالا؟
اس عمر کے گلشن میں خزاں آ گئی تیری
خم ہو گیا جو سرو ترا راست تھا بالا
ہیہات صد افسوس صد افسوس صد افسوس
نقارہ ہُوا کوچ کا محل نہ سنبھالا
سوجھے گی تجھے اس گھڑی جب بند ہوئی آنکھ
پہنا کے کفن گور میں تنہا تجھے ڈالا
اس روز قیامت کو کہ کام نہیں گے وہاں سب
کیا عذر گناہوں کا بنایا ہے بھلا لا!
اب عذر گناہوں سے جو رونا ہے سو رولے
کچھ کام نہ آئے گا وہاں گریہ و نالا

ہشیار کو اِک حرفِ نصیحت ہے کفایت
کافی نہیں نادان کو دفتر نہ رسالہ

سُلطان ابراہیم بن ادہم کی حکایت

سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا۔ کہ بادشاہی چھوڑ کر آپ قبرستان میں کیوں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور بجائے زندوں کے ان مُردوں سے صحبت رکھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ میں نے اہل دنیا کو چار قسم پر پایا۔ بعض مرگئے ہیں۔ بعض جیتے ہیں۔ اور دنیا میں موجود ہیں۔ اور بعض ماں کے پیٹ میں ہیں۔ اور بعض باپ کی پیٹھ میں۔

جو قبروں میں ہیں۔ وہ قبروں میں چلاتے ہیں کہ اے باقیماندو! ہم لوگ بغیر تمہارے قید خانہ لحد میں گرفتار ہیں۔ تم آ چکو۔ تو قیامت برپا ہو۔ اور ہم اس تنگی و تاریکی سے خلاصی پائیں۔ اور

جو ماؤں کے پیٹ یا باپوں کی پشتوں میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اے دنیا کے رہنے والو! عدم کو کیوں نہیں جاتے؟ اور دنیا ہمارے لئے کیوں خالی نہیں کرتے؟

الغرض یہ ایک طرف سے ہنکاتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے بلاتے ہیں۔ بتاؤ اس صورتِ حال میں میں کیوں نہ اس ناپائیدار دنیا سے کنارہ کروں؟ اور ملک آخرت کا طلب گار بنوں؟ کہ ملک وہاں کا بے زوال اور بادشاہ اس ملک کا لایزال ہے۔ یہاں کے تو بہت سے بادشاہ مر گئے۔ اور بے نام و نشان ہو گئے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔ ؎

دس برس کی عمر جس دم ہو گئی یا بیست کی
آدمی کو چاہیئے کچھ قدر سمجھے زیست کی
تیس کے سن تک نشاط زندگی حاصل رہے
جب ہوا چالیس کا ہر کام میں کاہل رہے
جب گئے اس عمر کوتاہ سے برس پورے پچاس

فرق آتا ہے نظر میں جاتے ہیں ہوش وحواس
ساٹھویں میں تکیہ و دیوار کی حاجت پڑے
جب ہوا ستّر کا ہر اک کام میں دقّت پڑے
قصہ کوتاہ ہے جیو تم سو برس یا ایک دن
اس جہانِ بے بقا سے کوچ ہوگا ایک دن

ارشادِ نبوی مسلمانو! حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ ۔ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ
وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ ۔ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ
وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ ۔ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ

یعنی پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت سمجھ ۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ۔ صحت کو بیماری سے پہلے ۔ اور غنا کو تنگدستی سے پہلے اور فرصت کو مشغول ہونے سے پہلے ۔ اور زندگی کو موت سے پہلے ؎

سبحان اللہ! کیا ہی عجب ارشاد ہے۔ جوانی اللہ کی ایک ایسی نعمت ہے۔ کہ اس میں ہر قسم کی اطاعت پورے طور پر ادا ہو سکتی ہے۔ جو شخص اپنی جوانی میں ٹھیک ہو گیا۔ سمجھ لو وہ آخر تک درست رہے گا۔ جو جونی میں خراب ہو گیا۔ وہ آخر عمر تک بھی خراب ہی رہے گا۔ ایک بزرگ لکھتے ہیں۔ ؎

کر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں
جب بڑھاپا آ گیا پھر ایسی ہو سکتی نہیں

اسی طرح صحت ۔ غنا ۔ اور زندگی یہ سب چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں ۔ اور ان کی ہمیں قدر کرنی چاہیئے ۔ اور اللہ کی اطاعت میں سرگرم رہنا چاہیئے ۔

خدا تعالےٰ نے اس آیت میں صاف فرما دیا ہے۔ کہ تم سب ایک دن میرے حضور میں پیش ہونے والے ہو۔ میں نے ہی تمہیں پردۂ عدم سے نکالا ۔ اور زندگی دی ۔ پھر تمہیں ماروں گا بھی ۔ اور پھر تمہیں دوبارہ زندہ کروں گا اور تم سب

میری طرف ہی لوٹ کر آنے والے ہو۔ پھر بتاؤ تم کس بات پر نازاں ہو۔ اور میرا کفر کرتے ہو۔ اور میرا کہا نہیں مانتے۔

میرے بھائیو! ایک دن مرنا ہے۔ اور مر کر پھر زندہ ہونا ہے۔ اور پھر اپنے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس عمر نا پائیدار کی ساری روئیداد کا ہم سے سوال کرنا ہے۔ اور ہمیں جواب دینا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

حق چو فرماید چہ آوردی مرا
اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود را درچہ پایاں بردۂ
قوت و قوّت درچہ فانی کردۂ
گوہر دیدہ کجا فرسودۂ!!
پنج حس را در کجا پالودۂ

یعنی اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا۔ کہ اے بندے! بتا میں نے جو تمہیں دنیا میں مہلت دی تھی۔ اس مہلت میں تو میرے لئے کیا لایا؟ تو نے اپنی عمر کن باتوں میں گزاری۔ اپنی قوت کن کاموں میں صرف کی؟ آنکھوں سے کیا کام لیا۔ اور اسی طرح ہاتھ پیر اور کان وغیرہ سے کیا کام لیتے رہے؟ کیوں بھائیو! بتاؤ اس روز ان باتوں کا کیا جواب دو گے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ اور مر کر جینا ہے۔ اور پھر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ اور پیش بھی اس طرح ہونا ہے۔ کہ

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ——

خدا فرماتا ہے۔ کہ اے دنیا دارو! زمینوں اور مکانوں کے خریدنے اور بنانے والو اور دنیا کے دھندوں میں پھنس کر ہمیں بھول جانے والو! تم جب ہمارے پاس آؤ گے۔ تو یہ سب کی سب چیزیں تمہاری یہیں ہی رہ جائیں گی۔ اور تم سب جیسے کہ دنیا میں اکیلے گئے تھے۔ اکیلے ہی ہماری بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

کتنا اونچا قصر دنیا کو بنا لے جاؤ گے
کتنی گہری اس کی بنیادیں کھدا لے جاؤ گے
کتنا عرض اور طول میں اس کو بڑھا لیجاؤ گے
کھینچ کر اس کا کہاں تک سلسلہ لے جاؤ گے
اس کو کیا چلتی دفعہ سر پر اٹھا لے جاؤ گے
آئے تھے کیا لائے تھے جاؤ گے کیا لے جاؤ گے

ہاں تو بھائیو! خدا کے حضور پیش ہو کر ہر بات کا فیصلہ ہوگا۔ اور خدا فرماتا ہے۔ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ـــ یعنی آج کے دن کسی جان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پورا پورا انصاف ہوگا اور جو کچھ تم کرتے رہے اس کا بدلہ ملے گا۔ میرے بھائیو! یہ دن آنے والا ہے اور خوب یاد رکھو۔ یہ دن بڑا ہی ہیبت ناک دن ہے۔

خلاصۃ التفسیر میں ہے۔ کہ اس دن لوگ ننگے بدن ہوں گے۔ اور سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ سروں پر ہوگا۔ پشتوں پر گناہوں کے انبار ہوں گے۔ اس عالم میں پسینہ بہے گا۔ لوگ اپنے ہی پسینوں میں ڈوبے ہونگے اس روز اس المناک شدت کی گرمی میں صرف ایک ہی سایہ ہوگا۔ اور وہ سایہ عرش الٰہی کا سایہ ہوگا۔ اور اس سایہ میں صرف سات قسم کے لوگوں کو جگہ مل سکیگی۔

عرش الٰہی کے سایہ میں

پہلے وہ حاکم جو انصاف پرور ہوں گے۔ دوسرے وہ لوگ جو جوانی میں عبادت گزار ہونگے۔ تیسرے وہ لوگ جو مسجدوں میں آنے والے ہوں گے۔ چوتھے وہ لوگ جو اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ پانچویں جو اللہ تعالےٰ کے اور بندوں کے حقوق پورے کرنے والے ہوں گے۔ چھٹے اللہ سے ڈر کر زناکاری سے بچنے والے۔ ساتویں وہ لوگ جو ہر حال میں اللہ سے ڈرنے والے، اور اس کے خوف سے رونے والے ہوں گے۔

پھر یہ لوگ حساب کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ اور ہر شخص کو یہ خطاب ہوگا کہ اِقْرَاْ کِتَابَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا۔ یعنی لے

یہ تیرا اعمالنامہ ہے۔ اسے خود ہی پڑھ۔ اور خود ہی دیکھ کر تو نے کیا کیا کیا؟۔
چنانچہ ہر شخص اپنا اعمالنامہ دیکھے گا۔ اور اس میں اپنی ہر حرکت کو درج دیکھیگا۔
اور بول اٹھے گا۔ يٰوَيْلَتَنَا مَا لِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً
اِلَّآ اَحْصَاهَا۔ یعنی ہائے! اس نامۂ اعمال کو کیا ہوا۔ کہ ہر چھوٹی بڑی
بات اس میں لکھی ہوئی موجود ہے۔

پھر وہ خدا سے کہے گا۔ الٰہی! میرے اس نامۂ اعمال پر کوئی گواہ بھی ہے
اللہ تعالیٰ زمین کے اس مکان کو کہ جہاں جہاں اس نے نیکی یا بدی کی تھی۔
فرمائے گا۔ کہ اس کے حق میں گواہی دو۔ وہ صاف صاف کہہ دیں گے کہ
اے ہمارے پروردگار جو کچھ اس نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ہے۔ درست ہے
اس بندے نے واقعی یہ کام کئے ہیں۔ اور ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں۔
یہی معنی ہے اس آیت کریمہ کا۔ کہ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ
اَوْحٰى لَهَا۔

اس کے بعد پھر ملزم عرض کرے گا۔ الٰہی! کوئی اور بھی گواہ ہے؟ تو
اللہ تعالیٰ اسی کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر اس کے ہاتھ پیر وغیرہ اعضار سے
فرمائے گا۔ کہ تم سچ سچ کہو۔ کہ اس نے تمہارے ساتھ یہ حرکتیں کیں یا نہیں؟
چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ
تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ آج ہم ان کے موہنوں پر مہر
لگا دیں گے۔ اور ان کے ہاتھ اور پیر بول پڑیں گے۔ اور جو کچھ وہ کرتے
رہے۔ اس کی وہ شہادت دیں گے" اس وقت ملزم اپنے اعضار کو مذمت کریگا
کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اور میرے ہی خلاف گواہی دے دی۔ تو وہ جواب
دیں گے۔ اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔ ہمیں اسی اللہ نے
بلوایا۔ جس نے ہر چیز کو بولنے کی قدرت دی ہے" پھر اس کے بعد
خدا فرمائے گا۔ اے ملزم! تیرے ان گناہوں پر ان گواہوں کے علاوہ
میں خود بھی ایک شاہد ہوں۔ بتا اب کیا کہتا ہے! بھائیو! خود ہی
سوچ لو۔ پھر اس وقت اس ملزم کا کیا حال ہوگا۔ خدا محفوظ رکھے۔

اور ہمیں ان برائیوں سے بچنے کی توفیق دے۔

میرے بھائیو! یاد رکھو۔ اگر آج ہم نے کفر و نافرمانی کو نہ چھوڑا۔ تو کل قیامت کے دن جب اللہ کے حضور پیش ہوئے۔ تو نافرمانی کا بدل ضرور مل کر رہے گا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ اس لئے آج کوشش، اور نیک کام کرو۔ اور اللہ کے سچے بندے بن کر رہنا سیکھو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۱۹
انیسواں وعظ

توبہ کا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا
اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (پ ۲۸ ع ۱۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی طرف سچی توبہ کرو
جو آگے کو نصیحت ہو جائے“

حضرات! آج میں چاہتا ہوں کہ کچھ ”توبہ“ کے متعلق عرض کروں۔
میرے بھائیو! آج کل خدا تعالےٰ کی نافرمانی۔ اور اس کے احکام و ارشادات
سے بے رخی بہت عام ہو چکی ہے۔ اور ہم لوگ خدا کو بھول کر اس دنیا میں

کچھ ایسے محو و غافل ہو چکے ہیں۔ کہ عاقبت کا کچھ خیال ہی نہیں رہا۔ بس یہی سمجھ لیا ہے۔ کہ اسی دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور یہاں سے ہم نے کبھی جانا ہی نہیں۔ حالانکہ یاد رکھئے۔ کہ یہ دنیا دارالفنا ہے۔ اسے بقا نہیں۔ جو بھی یہاں آیا ہے۔ جانے کے لئے آیا ہے۔ اور جو بھی پیدا ہوا ہے۔ مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ ایک عربی شاعر لکھتا ہے۔ ؎

اَلَا یَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی
سَتُدْفَنُ عَنْ قَرِیْبٍ فِی التُّرَابِ
لَکُمْ مَلَکٌ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ
لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

یعنی اے بلند محل کے رہنے والے عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔ اور تمہیں فرشتہ ہر روز ندا دیتا ہے۔ کہ پیدا ہو مرنے کے واسطے۔ اور مکان بناؤ ویران ہونے کے لئے۔

دُنیا

بزرگو! اور عزیزو! یہ دنیا دل لگانے کے قابل نہیں۔ اس میں رہو لیکن مسافر بن کر۔ اس کے اسباب و سامان سے بیشک متمتع اور مستفید ہو۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ یہ سب سامان اس کے ایک دن یہیں رہ جائیں گے۔ اور ہمیں بالکل اسی طرح خالی ہاتھ واپس جانا ہے۔ جس طرح کہ پہلے روز یہاں آئے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ۔

"یعنی تم اسی طرح اکیلے کے اکیلے ہمارے پاس آؤ گے۔ جس طرح کہ پہلی دفعہ تم کو ہم نے پیدا کیا تھا"

بھائیو! دیکھ لو۔ انسان دنیا میں آتا ہے۔ تو تنہا، اور بغیر کسی سامان و دولت کے۔ اور جب دنیا سے جاتا بھی ہے۔ تو تنہا اور بغیر کسی سامان و دولت کے۔ ؎

مہیا گو کہ سب سامان ملکی اور مالی تھے!
سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

اس دنیا میں کوئی امیر ہے۔ یا فقیر۔ بادشاہ ہے یا رعیت۔ چھوٹا ہے یا بڑا۔ موت آجانے تو بڑے سے بڑا آدمی بھی جب مرتا ہے۔ تو نہ اس کی امارت باقی رہتی ہے۔ نہ حکومت۔ نہ اس کا وہ رعب قائم رہتا ہے نہ دبدبہ۔ بلکہ چھوٹا بڑا امیر غریب سب برابر ہو جاتے ہیں ؎

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے
خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے

ہارون رشید کی حکایت

خلیفہ ہارون رشید ایک دفعہ کشتی پر بیٹھے ہوئے دریائے دجلہ کی سیر کر رہا تھا۔ کہ اچانک اُسے اپنے تخت و تاج اور اپنی وسیع سلطنت پر کچھ فخر سا پیدا ہوا۔ اور دریا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اے دریا! دیکھ تو میری مملکت کے اندر بہ رہا ہے میں اس سرزمین کا بادشاہ ہوں۔ جہاں دوسرے لوگ مجھے خراج دیا کرتے ہیں تو بھی مجھے خراج دیا کر۔ اتنا کہا ہی تھا۔ کہ دریا میں ایک بھنور پیدا ہوا۔ اور اس بھنور میں سے ایک ایسی موج اٹھی۔ جس نے ایک پیالہ بیش قیمت موتیوں سے بھرا ہوا کشتی میں پھینک دیا۔ اور پھر ہاتف سے ایک آواز آئی۔ کہ لے اے ہارون رشید! یہ خراج۔ ہارون رشید نے اس پیالے کو اٹھایا۔ اور یہ دیکھ کر کہ اس کے اندر لاکھوں کے موتی ہیں۔ بڑا خوش ہوا۔ اتنے میں پھر ایک آواز آئی۔ کہ اے ہارون رشید۔ ان موتیوں کو پا کر بڑے خوش ہو رہے ہو۔ لیکن یہ پیالہ جس میں یہ موتی پڑے ہیں۔ اسے بھی ذرا غور سے دیکھو۔ تاکہ تمہیں اس کے متعلق بھی کچھ سبق حاصل ہو ۔۔۔ چنانچہ ہارون رشید نے اس پیالے کو غور سے جو دیکھا۔ تو وہ کسی مردہ انسان کے سر کا خول تھا۔ ہاتف نے پھر کہا۔ کہ دیکھا اے ہارون رشید! یہ ہے انسان کی اس دنیوی زندگی کی انتہا۔ دیکھ ان موتیوں کی خوشی میں اپنے انجام کو نہ بھول جانا۔ ہارون رشید یہ دیکھ سن کر بہت رویا۔

تو میرے عزیزو! اس ناپائیدار دنیا میں محو و مستغرق ہو جانا بہت ہی بڑی نادانی ہے۔

سرائے

ایک اور عبرت آموز حکایت سنئے۔ ایک بادشاہ کے بہت بڑے شاہی محل کے دروازے پر شام کے وقت ایک فقیر آیا۔ اور محل کے اندر جانے کی کوشش کرنے لگا۔ دربان نے اسے روکا۔ اور کہا۔ آوارہ آدمی! کہاں جاتا ہے۔ یہ شاہی محل ہے۔ اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں۔ فقیر بولا! مگر اسے شاہی محل کون کہتا ہے۔ یہ تو ایک سرائے ہے۔ اور مجھے صرف ایک رات گزارنا ہے۔ لہذا سرائے کے اندر جانے دو۔ میں رات گزار کر کل چلا جاؤنگا۔ دربان نے کہا۔ بے وقوف! یہ سرائے نہیں۔ شاہی محل ہے۔ فقیر نے کہا بیوقوف یہ شاہی محل نہیں۔ سرائے ہے۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ اور بات بادشاہ تک جا پہنچی بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ فقیر کو میرے حضور حاضر کیا جائے۔ میں اس سے پوچھتا ہوں۔ کہ یہ سرائے کس صورت میں ہے؟ چنانچہ فقیر کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ اور بادشاہ نے اس سے پوچھا۔ کیوں میاں فقیر! اس شاہی محل کو تم سرائے کیوں کہہ رہے ہو؟ وہ بولا حضور! یہ بتائیے۔ کہ اس میں آپ سے پہلے کون رہتا تھا؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ کہ میرے والد۔ اس نے کہا۔ اور آپ کے والد سے پہلے اس میں کون رہتا تھا۔ وہ بولا۔ میرے دادا۔ اور حضور! آپ کے دادا سے پہلے اس میں کون رہتا تھا۔ کہا میرے پردادا۔ فقیر نے کہا۔ تو حضور! سرائے اور کس کو کہتے ہیں۔ سرائے کا یہی تو معنیٰ ہے۔ کہ آج اس میں کوئی اور۔ اور کل کوئی اور۔ لوگ آتے رہے۔ اور کچھ عرصہ قیام کر کے جاتے رہے۔ آج کل اس میں آپ رہ رہے ہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد آپ بھی چلے جائیں گے۔ پھر آپ کا بیٹا اس میں رہے گا۔ تو فرمائیے! یہ سرائے نہ ہوئی۔ تو اور کیا ہوئی۔

بادشاہ کے دل پر اس جواب کا بڑا اثر ہوا۔ اور وہ رونے لگا۔ میرے عزیزو۔ ہم سب کو بھی اس حقیقت پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ یہ دنیا واقعی ایک سرائے ہے۔ اس میں دل لگانا مناسب نہیں۔

گناہوں کی زندگی

میرے بھائیو۔ آج جو دنیا بھر میں کثرت کے ساتھ اپنے اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے۔ اور اسکے احکام

سے بے نیازی برتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ ہم نے اسی دنیا کو اپنا مستقل گھر سمجھ رکھا ہے۔ اور حشر و نشر اور خدا کے حضور حاضری کا احساس تک نہیں رہا۔ حالانکہ ایک دن یقیناً ایسا آنے والا ہے۔ جس دن یہ ساری دنیا فنا ہو جائے گی۔ اور کچھ باقی نہ رہے گا۔ خدا فرماتا ہے:-

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ — (پ۲۴ ع۴) اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے۔ جتنے آسمانوں میں ہیں۔ اور جتنے زمین میں ہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے۔"

پھر فرمایا!

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ — پھر دوبارہ پھونکا جائے گا۔ جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائینگے۔

یعنی اسرافیل علیہ السلام جب صور پھونکیں گے۔ تو ساری دنیا گر جائیگی اور جب دوبارہ پھونکیں گے۔ تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔

پھونک

حضرات! یہاں ایک دوسری بات بھی سمجھ لیجئے۔ آج کل بعض لوگ بزرگوں کی پھونکوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ان پھونکوں میں کیا پڑا ہے۔ حالانکہ دیکھ لیجئے۔ کہ اسرافیل علیہ السلام کی ایک پھونک ہی سے ساری دنیا گر جائے گی۔ اور پھونک ہی سے اٹھ بھی کھڑی ہوگی۔ بھائیو! ہمارے تو جد امجد حضرت آدم علیہ السلام بھی پھونک ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ خود اپنی ہی پھونک کو دیکھ لیجئے۔ کبھی بوتی آگ میں پھونکئے۔ تو بجھی ہوتی آگ جل اٹھتی ہے۔ اور جلتے چراغ کو پھونکئے۔ تو جلتا چراغ بجھ جاتا ہے۔ گویا آپ کی پھونک آگ لگا بھی دیتی ہے۔ اور بجھا بھی دیتی ہے۔ پھر اللہ والوں کی پھونک میں کیوں اثر نہ ہوگا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ایک دن یہ ساری دنیا فنا ہو جائے گی۔ اور ایک روز یقیناً ایسا آنے والا ہے۔ جس روز سب نے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اور اللہ نے ہم سے عمر بھر کے ایک ایک لمحے کا حساب لینا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ۔

(پ ۲۳ ع ۳) ـــــ وہ تو نہ ہوگی مگر ایک چنگھاڑ۔ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے "

یعنی صور اسرافیل کی کڑک اور چنگھاڑ سے سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور سب اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سب سے حساب لے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ ؎

حق چو فرماید چہ آوردی مرا — اندریں مہلت کہ من دادم ترا

عمرِ خود را در چہ پایاں بردۂ — قوّت و قوّت در چہ فانی کردۂ

پنج حس را در جہاں پلودۂ — گوہر دیدہ کجا فرسودۂ

یعنی حق تعالیٰ بندے سے پوچھے گا۔ کہ ہم نے جو تمہیں مہلت یعنی عمر دی۔ تم اس مہلت میں میرے لئے کیا لائے؟ اور اپنی عمر کو تم نے کس کام میں صرف کیا۔ اور اپنی قوت اور روزی کو تم نے کہاں خرچ کیا۔ اور ان ہاتھ پاؤں وغیرہ سے کیا کام لیا۔ اور آنکھوں سے کیا کام لیا۔ ان آنکھوں سے اللہ والوں کی زیارت کی۔ قرآن پاک دیکھا۔ یا سینما دیکھا؟ پیروں سے چل کر مسجد میں گئے۔ یا تھیٹر میں؟ ہاتھوں سے کسی غریب کی دستگیری کی۔ یا کسی غریب کا مال اڑایا الغرض ہر ایک بات کا جواب لیا جائے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھئے۔ کہ خداوند کریم قادر مطلق ہے۔ وہ ان ہاتھوں اور پیروں سے بھی جوابے گا۔ اور جو جو کچھ برے کام ان اعضاء سے کئے گئے ہوں گے۔ یہ ہاتھ پیر خود ہی بول کر بتا دیں گے کہ الٰہی! اس بندے نے ہمارے ساتھ یہ یہ برے کام کئے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے :-

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ـ (پ ۲۳ ع ۳) ـــ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے۔ اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کر دیں گے۔ اور ان کے پاؤں ان کے لئے کی گواہی دیں گے "

میرے بھائیو! کل قیامت کے دن کوئی بات چھپ نہ سکے گی۔ اور اگر کسی نے چھپانے کی کوشش کی۔ تو اس کے ہاتھ پیر بول اٹھیں گے۔ اور سارا کچا چٹھا بیان کردیں گے۔

ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم

ممکن ہے۔ اس دورِ الحاد میں بعض لوگوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ہاتھ پیر بولنے لگ جائیں۔ مگر بھائیو! عقل سلیم والے کسی شخص کو اس حقیقت میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ غور تو کیجئے۔ زبان کیا ہے؟ ایک گوشت کا ٹکڑا ہی تو ہے۔ تو جس خدائے قادر نے اس گوشت کے ٹکڑے کو قوتِ گویائی عطا فرما رکھی ہے۔ وہی خدا اگر ان ہاتھوں، اور پیروں کو یہ قوت دے دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھئے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود سرتاپا برہان اور اللہ کی قدرتوں کا مظہر کامل وجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز و تصرفات کو دیکھ کر کون بدبخت ہے۔ جو اللہ کی قدرتوں کا انکار کر سکے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اختیارات و تصرفات سے اللہ کی قدرتوں کو منوایا ہے۔ مثلاً ابوجہل کا

ابوجہل کا قصہ

مشہور قصہ ہے۔ کہ وہ ایک روز اپنی مٹھی میں چند کنکر بند کرکے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ ؎

گر رسولی چیست در دستم نہاں
چوں خبر داری ز رازِ آسماں

یعنے اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تو رسول ہے۔ تو بتا میرے اس ہاتھ کے اندر کیا چیز پنہاں ہے؟ تمہارا جو یہ دعوے ہے۔ کہ میں آسمانی راز کو بھی جانتا ہوں۔ تو لو بتاؤ۔ میری مٹھی کے اندر کیا ہے؟ — بھائیو! دیکھ لو! ابوجہل بھی اس امر کا اقرار کر رہا ہے۔ کہ جو رسول ہو۔ وہ غائب و نہاں کو جان لیتا ہے۔ اسی لئے تو کہا۔ کہ اگر تم رسول ہو۔ تو بتاؤ میری مٹھی میں کیا چیز پنہاں ہے؟ گویا جو رسول ہو وہ غیب کو جان لیتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی "غیب دانی" کو تسلیم نہ کرے۔ تو اندازہ کر لیجئے کہ

اس نے کس حد تک ظلم کیا۔ اور کس حد تک وہ جا پہنچا۔ خدا تعالیٰ ایسے بدعقیدہ سے بچائے۔ ہاں تو ابوجہل نے جب حضور سے یہ کہا۔ تو حضور نے فرمایا۔ تم اگر چاہو تو میں بتا دوں۔ کہ تمہاری مٹھی کے اندر کیا ہے۔ اور اگر چاہو۔ تو مٹھی کے اندر کی چیز خود بول اٹھے۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور میں کون ہوں؟ ابوجہل حیران ہو کر بولا۔ یہ تو عجیب ترباتت ہوگی۔ اگر میری مٹھی کے اندر کی چیز خود بول اٹھے۔ میرے بزرگو! ذرا ہمارے حضور کا تصرف دیکھنا۔ کہ دشمن کی مٹھی کے اندر بھی حضور کا حکم جاری ہو گیا۔ اور ابوجہل کی مٹھی کے اندر سے پتھر کے کنکر بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! ہم پتھر کے چھ کنکر ہیں۔ اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ابوجہل حضور کا یہ اعجاز دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ تم تو بہت ہی بڑے جادوگر ہو۔ (معاذ اللہ) بدبخت یہ اعجاز بھی دیکھ کر ایمان نہ لایا۔

حضرات! اس معجزہ کو بیان کرنے کا میرا مطلب یہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ معجزہ دکھا کر گویا اس امر کا اعلان فرمایا۔ کہ دیکھ لو۔ میں خدا کا رسول ہوں۔ تو جب خدا کے رسول میں خدا کی دی ہوئی اتنی طاقت ہے۔ کہ وہ پتھروں کو بلوا سکتا ہے۔ تو خود خدا میں یہ طاقت کیوں نہ ہوگی۔ کہ وہ ہاتھوں اور پیروں کو بلوالے۔ دیکھا آپ نے اس اعجاز نبوی نے قدرتِ خداوندی کو کس طرح ظاہر فرما دیا۔

اور سنئے! قرآن فرماتا ہے۔ کہ جنت میں نہریں جاری ہوں گی — فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ — اور اسی طرح دوسری آیات میں اس حقیقت کا اظہار ہے۔ کہ جنت میں متعدد نہریں جاری ہوں گی۔ تو اگر کسی فلسفی دماغ میں یہ حقیقت نہ آ سکے تو وہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا یہ اعجاز دیکھ لے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی پانچوں انگلیوں سے پانچ نہریں جاری کرکے دکھا دیں اور بتا دیا۔ کہ اگر اللہ کے رسول میں خدا کی دی ہوئی یہ طاقت ہے۔ کہ وہ اپنی انگلیوں سے نہریں جاری کردے۔ تو خود اللہ میں یہ طاقت کیوں نہ ہوگی۔ کہ وہ جنت میں متعدد نہریں جاری فرما دے۔

میرے بھائیو! ہمارے حضور نے اللہ کی قدرتوں کو ظاہر فرما دیا۔ اور حضور

کی جس قدر بھی طاقت و قدرت تسلیم کی جائے گی۔ یہ اللہ ہی کی قدرتوں کا اقرار ہوگا۔ اور حضور کو جس قدر بھی بعض لوگوں کی طرح "عاجز و کمتر اور ناکارہ" بتایا جائے گا۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) وہ در اصل اللہ ہی کی قدرتوں کا انکار ہوگا۔ کہتے ہیں نا درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پیر کا تدین و کمال اس کے مریدوں کے تدین و کمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ پیر کامل ہے۔ تو اس کے مرید بھی کمال دکھیں گے۔ اور اگر پیر ہی خالی ہے۔ تو مرید بھی خالی ہی ہوں گے، بلا تشبیہ اگر اللہ کے رسول کو عاجز و ناکارہ بتایا جائے گا۔ تو یہ اللہ کی قدرتوں کا انکار ہوگا۔ پس اے مسلمانو! تم اپنا یہی ایمان رکھو۔ کہ ہمارے حضور بڑی طاقتوں کے، اور بڑے اختیار کے مالک ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب سے بڑی طاقت اور اختیار والے خدا کے رسول ہیں۔ اور ہمارے حضور اتنی بڑی خدا داد قدرت کے مالک ہیں۔ کہ چاند کو توڑ دیں۔ اور پھر جوڑ دیں۔ سورج کو پلٹا لیں۔ پتھروں کو بلوا لیں۔ کھاری کنوؤں کو میٹھا کر دیں۔ اور خشک کھجوروں کو اگا دیں۔ ؎

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے منکر دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ایک دن سب نے مرنا ہے۔ اور اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پھر اے میرے بھائیو! خدا کی نافرمانیوں میں مشغول ہو جانا کتنی بڑی غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ عزیزو! احساس پیدا کرو۔ اور اللہ کی نافرمانیوں سے باز آؤ۔ اور گناہوں کی دنیا سے نکلو۔ اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچو۔

صغیرہ کبیرہ

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ بعض لوگ یہ پوچھا کرتے ہیں کہ مولوی صاحب! فلاں گناہ کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ؟ حالانکہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہر حال وہ گناہ ہی ہے۔ اور صغیرہ ہونے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ اب اسے بلا خوف اپنا لیا جائے۔ اور اس بات سے دل کو اطمینان دے لیا جائے۔ کہ یہ تو صغیرہ گناہ ہے۔

کیوں دوستو! اگر کسی کے مکان میں چنگاری بھر آگ لگ جائے۔ تو کیا اس چنگاری کو محض ایک چنگاری سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی؟ اور اسے بجھایا نہ جائے گا؟ یا اس فکر سے کہ کہیں یہ چنگاری بڑھتے بڑھتے ہمہ گیر آگ نہ بن جائے۔ اُسے فوراً بجھا دیا جائے گا؟ یقیناً اسے فوراً بجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ کیونکہ اسی چنگاری کا ایک عظیم شعلہ بن جانے کا احتمال ہے۔ پس اسی طرح گناہ صغیرہ بھی کوئی معمولی بات نہ سمجھو۔ بلکہ اس سے بھی بچنے کی کوشش کرو۔ اور اسے بھی مٹانے کی فکر کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہی صغیرہ گناہ پھر تمہیں کبیرہ گناہوں کی دنیا میں بھی لے جائے گا۔ اور ایک دن یہی چنگاری ایک عظیم شعلے کی صورت اختیار کرلے گی۔

بھائیو! جو بھی گناہ ہے۔ وہ خطرناک ہے۔ اور یہ بات بھی سمجھ لو کہ گناہ صرف یہی نہیں۔ کہ کسی کو قتل کرنا۔ کسی کو لوٹ لینا۔ ڈاکہ زنی۔ شراب نوشی۔ بے نمازی پن وغیرہ۔ بلکہ بعض ایسے گناہ بھی ہیں۔ کہ جن کا کثرت بیباقہ ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مگر اس کا احساس کسی کو بھی نہیں۔ کہ یہ بات بھی گناہ ہے۔ مثلاً کسی اللہ کے بندے کو حقیر جاننا یہ دل کا گناہ ہے۔ اور آج اس مرض میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔

جنید بغدادی کی حکایت

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک سائل کو دیکھا۔ جو تندرست اور صحت مند تھا۔ آپ نے دل میں اس کے متعلق یہ خیال کیا۔ کہ یہ شخص تندرست اور صحت مند ہو کر سوال کر رہا ہے۔ کیسا بُرا آدمی ہے۔ رات کو آپ سوئے تو خواب میں کوئی شخص ان کے لئے مردار کا کچھ گوشت لایا۔ فرمایا! یہ تو مردار معلوم ہوتا ہے۔ جواب ملا۔ مگر آج دن کو تو آپ نے ایک اللہ کے بندے کو حقیر جان کر مردار کا گوشت کھایا ہے۔ حضرت جنید یہ خواب دیکھکر چونکے۔ اور جاگ کر اس اللہ کے بندے کی تلاش میں نکلے۔ پتہ چلا کہ وہ فلاں محلے میں رہتا ہے۔ چنانچہ یہ وہیں پہنچے۔ اور جب اس کے سامنے پہنچے، تو اس نے جنید کو دیکھتے ہی یہ آیت پڑھی۔ کہ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ

مِنْ عِبَادِہٖ — یعنے وہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ حضرت جنید کو اب پتہ چلا۔ کہ یہ تو کوئی مرد حق آگاہ ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء صفحہ)

تو بھائیو! اس قسم کے جملہ گناہ بھی گناہ ہیں۔ اور سب کے سب گناہ لائق ترک ہیں۔

توبہ

اور یہ اللہ اور اس کے رسول کا کرم ہے۔ کہ اس نے گناہوں سے لتھڑے ہوئے انسان کو پاک و صاف ہو جانے کا ایک بڑا ہی سہل طریقہ بتا دیا ہے۔ اور عمر بھر گناہ کرنے والے شخص پر ایک ایسا علاج ظاہر فرما دیا ہے۔ کہ جو گناہ گار اس علاج کو اپنا لیگا وہ اس مرض سے کلیتہً شفایاب ہو جائے گا۔ اور گناہوں سے بالکل صاف ہو جائے گا۔ وہ علاج کیا ہے؟ سچے دل سے توبہ۔ اور میں نے جو آیت پڑھی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں اسی علاج کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اے ایمان والو! سچے دل سے توبہ کر لو۔

توبہ کا مطلب ہے۔ گناہوں کی دنیا سے نکل کر اللہ کی طرف رجوع کر لینا۔ اور حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ دل سے ندامت و پشیمانی اٹھانا زبان سے استغفار کرنا۔ اور اعضار سے ناشائستہ افعال کو نہ کرنا۔ اور اس کے دوبارہ نہ کرنے کا عزم کر لینا۔ یہ توبہ نصوح ہے۔ اور جو شخص ایسی توبہ کرلے۔ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ وہ شخص اس طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ اس نے کبھی کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا۔ کہ گناہ گار بندہ جب یہ کہتا ہے، کہ اے رب! میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔ تو اللہ تعالےٰ جواب میں فرشتوں سے خطاب فرماتا ہے۔ کہ اے میرے فرشتو! تم گواہ رہو۔ کہ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا۔

پانی کا عذاب

بھائیو! آج کل جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے۔ سب جانتے ہیں۔ اور اس کی پاداش میں ہم پر آئے دن ہو نت نئے عذاب آ رہے ہیں۔ وہ بھی سب کے سامنے ہیں۔ ایک

پانی ہی کا عذاب ایسا ہے۔ جو ہر سال ہم پر نازل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیئے۔ یہ سب کچھ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ. (پ۲۵ع۵)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچی۔ وہ اس سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو! آؤ ہم سچے دل سے اللہ کے حضور توبہ کریں۔ اور سچے دل سے توبہ کرکے اس کے عذابوں سے اپنے آپ کو بچا لیں۔ —

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

۲۰

بیسواں وعظ

اَوْلِیَاءِ کِرَام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَقَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ (پ۱۹ ع۱۸)

وہ اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا۔ قبل اس کے کہ آپ پلک ماریں۔

حضرات! — آج میں حضرات اولیاء کرام کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب بندے کیا کوئی علم و اختیار اور تصرف و اختیار رکھتے ہیں۔ یا نہیں؟ اور کیا وہ مابزہ نفی اور کسی طاقت

کے ملک نہیں ہوتے یا اللہ تعالیٰ نہیں بڑی بڑی طاقتیں دے رکھی ہوتی ہیں — درود شریف پڑھئے ، اور بیان سنیئے :۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

سب سے پہلے چند تمہیدی کلمات سنئے ۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور یہ ساری مخلوق میں عزت وکرامت کے شرف سے مشرف فرمایا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اسے " لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ " کا تاج پہنا کر اسے عزت بخشی ہے۔ انسان پتھر کی مانند مجبور محض نہیں ہے۔ پتھر مجبور محض ہے۔ وہ نہ بول سکتا ہے۔ نہ چل سکتا ہے۔ نہ دیکھ سکتا ہے۔ نہ سن سکتا ہے۔ ایک پتھر ایک جگہ پڑا ہو۔ تو جب تک اسے کوئی شخص ہلائے نہیں۔ وہ مدتوں ایک ہی جگہ بدستور پڑا رہے گا۔ برخلاف انسان کے کہ وہ پتھر کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے اختیار دے رکھے ہیں۔ وہ بول سکتا ہے۔ چل سکتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے۔ سن سکتا ہے۔ وہ مختار ہے۔ اپنی مرضی سے وہ جہاں چاہے جاتا ہے۔ جو چاہے دیکھتا ہے جو چاہے سنتا ہے۔ ایک پتھر جب آپ اٹھا کر کسی کتے پر پھینکتے ہیں۔ تو وہ کتا دیکھ لیجئے۔ اس پتھر کو کاٹنے نہیں دوڑتا۔ بلکہ پتھر پھینکنے والے کو بھونکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی جانتا ہے۔ کہ پتھر تو بے اختیار ہے۔ اختیار والا تو وہ ہے۔ جس نے یہ پتھر اٹھا کر مجھ پر پھینکا ہے۔ گویا ایک جانور بھی یہ سمجھتا ہے۔ کہ انسان مجبور محض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کچھ اختیار بھی دیئے ہیں۔

یہاں آج کل کے ان عقلمند لوگوں کی اس بات کی تردید بھی ہو گئی۔ جو نماز نہیں پڑھتے۔ اور جب ان سے کہا جائے۔ کہ میاں نماز پڑھا کرو۔ تو بڑی سادگی سے جواب دیتے ہیں۔ کہ صاحب! ہمارا اس میں کیا۔ جو کرتا ہے خدا کراتا ہے۔ تقدیر میں لکھا ہوگا۔ تو نمازی بن جائیں گے۔ گویا یہ بے عملی کا جرم ان کے اپنے اختیار سے سرزد نہیں

ہوتا۔ بلکہ وہ مجبور ہیں۔ اور بلا اختیار ان سے یہ گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ کیوں صاحب اگر یہی بات ہے۔ تو پھر ایک قاتل کو کبھی پھانسی کی سزا نہ ملنی چاہیئے۔ اس لئے کہ قتل اگر ہوا۔ تو قاتل کا کیا اختیار۔ تقدیر ہی میں ایسا لکھا تھا۔ جو ہو گیا۔ چور کو بھی کبھی کوئی سزا نہ ملنی چاہیئے۔ اس لئے کہ چوری اگر ہوئی تو بلا اختیار ہوئی۔ چور کا کوئی قصور نہ تھا۔ مزہ ہی تو آ جائے۔ جب یہی تقدیر کا مسئلہ کوئی قاتل یا کوئی چور عدالت میں بھی بیان کرے۔ جب کہ جج صاحب دریافت کریں۔ کہ کیوں میاں تم نے فلاں شخص کو قتل کیوں کیا؟ تو وہ اسی سادگی سے وہاں بھی یہی جواب دے۔ کہ جج صاحب! اس میں میرا کیا قصور۔ میں تو مجبور ہوں۔ بلا اختیار ہوں۔ جو کراتا ہے خدا کراتا ہے۔ پھر اس قتل میں میرا کیا قصور۔ اور چور بھی یونہی کہے۔ کہ چوری اگر ہوئی۔ تو تقدیر میں یونہی لکھا تھا۔ جو ہو گیا۔ اس میں میرا کیا اختیار۔ مگر میرے بھائیو! ایسا جواب کوئی بھی نہیں دیتا۔ بلکہ مجرم جرم کے بعد ڈرتا ہے۔ اور سزا کے خوف سے لرزاں رہتا ہے۔ کیونکہ اسے علم ہوتا ہے۔ کہ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ اپنے اختیار سے کیا ہے۔ اور عدالت بھی اسے سزا اسی لئے دیتی ہے۔ کہ مجرم کا یہ جرم اس کے اپنے اختیار سے ہوا ہے۔ لہذا یہ قابل سزا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ انسان پتھر کی مانند مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے اُسے نیک کام کرنے اور برے کام سے بچنے کا اختیار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ نیکی کا نیک بدلہ اور بدی کی سزا بیان فرما کر اعلان فرما دیا ہے۔ کہ

مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔

جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

اب جو اپنے اختیار سے ایمان لائے گا۔ اور اچھے کام کرے گا۔ وہ اپنے اسی اختیار سے نیکی کو اپنانے کا نیک پھل پائے گا۔ اور جو اپنے اس اختیار سے بدی کو اختیار کرے گا۔ وہ اس کی سزا ضرور بھگتے گا۔ اور اگر اس کا کوئی اختیار نہ ہوتا۔ تو نہ نیکی نیکی شمار ہوتی، اور نہ بدی بدی۔ اور نہ وہ سزا و جزار کا مستحق ہوتا۔

ایک چور کی حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک چور کی حکایت لکھی ہے۔ کہ ایک چور کسی باغ میں گھس گیا۔ اور درخت پر چڑھ کر پھل توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ اتنے میں باغ کا مالی بھی آ گیا۔ اور اس نے چور سے مخاطب ہو کر کہا۔ او ظالم! یہ کیا کر رہے ہو! پرایا مال کھاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ چور درخت پر سے بولا۔ میاں مالی! بڑے جاہل ہو تم۔ قرآن بھی کبھی پڑھا ہے یا نہیں؟ سبحان اللہ! کیا کہنے اس چور کے۔ کہ چوری اور سینہ زوری۔ چور اور درس قرآن! گویا ایک چور کی بھی یہ جرأت کہ قرآن کا درس دینے لگا۔ یہاں ایک بات سمجھنے کے لائق یہ بھی ہے۔ کہ ہر قرآن پڑھنے والا ضروری نہیں۔ کہ سچا ہی ہو۔ بلکہ بعض گمراہ بھی اپنی گمراہی کی بدولت، قرآن پاک سے اپنی گمراہی کا استدلال کرنے لگتے ہیں۔ اور اسی لئے قرآن پاک نے بھی اعلان فرما دیا ہے۔ کہ وَ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا۔ یعنی اس قرآن سے کئی لوگ اپنے خیال خام، نادانی، اور غلط ترجمہ کرنے کے باعث، گمراہ بھی ہو جاتے ہیں۔

میرے بھائیو! قرآن پاک تو سراپا ہدایت ہی ہدایت ہے۔ مگر مزاج کا سعید اور درست ہونا بھی شرط ہے۔ مزاج درست اور مومنانہ ہو۔ تو یہ قرآن اس کے لئے مشعل ہدایت اور ہادی و مرشد ہے۔ اور اگر مزاج ہی کافرانہ ہو۔ تو پھر یہ قرآن پاک اس کے لئے بجائے ہدایت کے گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ اور یہ قصور اس کے اپنے مزاج کا ہے۔ دیکھئے گھی کیسی عمدہ چیز ہے۔ مقوی اور زور آور۔ مگر اس کے استعمال کے لئے قوی اور تندرست معدہ کی ضرورت ہے۔ معدہ اگر صحیح ہو۔ تو گھی اس کے لئے واقعی مقوی اور زور آور ثابت ہوگا۔ اور اپنے جوہر دکھائے گا۔ اور اگر معدہ ہی کمزور ہو۔ تو گھی وہاں موجب مرض بن جائے گا۔ اور بیمار معدہ رکھنے والا گھی کھائے گا۔ تو بجائے تقویت کے اسے دست لگ جائیں گے۔ اور وہ اور بھی کمزور ہو جائے گا۔ تو فرمایئے۔ یہ قصور گھی کا

ہے یا اس مرد بیمار کا اپنا قصور ہے۔ کونین کی ٹکیہ ملیریا بخار کی دافع ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ بخار اترا ہوا ہو۔ تو اسے کھایا جائے۔ اور اگر بخار کے اندر اسے کھا بیٹھے گا۔ تو بخار اگر ۱۰۱ تھا۔ تو اب ۱۰۳ ہو جائے گا۔ تو یہ کونین کی افادیت کا قصور نہیں۔ بلکہ استعمال کنندہ کے مزاج کا قصور ہے۔ قرآن پاک کو اگر نیک نیتی اور مزاج سعیدہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تو ہدایت و شفا ملے گی۔ اور اگر بغض و حسد اور کفر و عناد کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تو فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ کے مطابق یہ کفر کا مرض اور بھی بڑھے گا۔

ہاں تو اس چور نے مالی سے کہا۔ کہ قرآن کا مطالعہ کرو۔ تو تمہیں پتہ چل جائے۔ کہ خدا کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ پھر سوچو تو سہی۔ کہ جب اس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ تو میں جو دو من کی لاش ہوں۔ کیا خدا کی مرضی کے بغیر ہی درخت پر چڑھ گیا ہوں اور اس کی مرضی کے بغیر ہی یہ پھل توڑ توڑ کر کھا رہا ہوں۔ بھائی مجھ سے کیا کہتے ہو۔ خدا سے کہو۔ مالی نے یہ درس سنا۔ تو اس نے چور کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور چور کو نیچے گرا لیا۔ اور پھر اپنا وزنی جوتا اتار کر تڑا تڑ اس کی چندیا پر مارنے لگا۔ اب چور چلایا۔ اور کہنے لگا۔ اے ظالم! چھوڑ مجھ کو اور مت مار مجھ کو۔ مالی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ میری طرح قرآن تم نے بھی نہیں پڑھا۔ اور تم بھی نرے جاہل ہی ہو۔ بیوقوف! قرآن کا مطالعہ کرو۔ تو تمہیں پتہ چل جائے۔ کہ خدا کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ تو پھر سوچو تو سہی۔ کہ جب اس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ تو میرا یہ اتنا بڑا وزنی جوتا کیا خدا کی مرضی کے بغیر ہی تمہارے سر پر پڑ رہا ہے۔ بھائی مجھ سے کیا کہتے ہو۔ خدا سے کہو۔ چور کا اپنا ہی درس جب اس کے لئے وجہ مصیبت بن گیا۔ تو پکار اٹھا۔ کہ بھئی! مسئلہ سمجھ میں آگیا ہے۔ کہ انسان کا بھی کچھ اختیار ہے۔ اور جو برا یا اچھا کام یہ کرتا ہے۔ اپنے

اختیار سے کرتا ہے۔

حضرات: سمجھے کچھ آپ! مطلب میرا یہ ہے۔ کہ انسان پتھر کی مانند مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے اسے اختیارات بھی عطا فرمائے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ کہ ہر انسان اپنے گھر میں تو مختار ہوتا ہی ہے۔ اور یوں کہا جاتا ہے۔ کہ اس گھر میں میرا اختیار ہے۔ یا اس گھر میں فلاں صاحب کا اختیار ہے۔ گویا اس انسان کو اللہ تعالٰے نے کافی اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

اب سنئے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ بھائیو! جب ما و شما اور عوام کو اللہ کی طرف سے اختیارات حاصل ہیں۔ تو غور فرما لیجئے۔ کہ جو اللہ تعالٰی کے مقبول اور مقرب بندے ہیں۔ ان کو کیوں نہ اللہ کی طرف سے ہم سے بھی زیادہ اختیارات ملے ہوں گے؟ اور وہ پاک لوگ کیوں نہ ہم سے بھی کئی درجہ بڑھ کر مختار و متصرف ہوں گے۔ اور ان کی ہمتیں اور طاقتیں کیوں نہ ہم سب سے زیادہ بڑی ہوں گی۔ بھائیو! جب ہم عوام کو ان پتھروں کے برابر سمجھنا خلاف واقعہ ہے۔ تو ان مقبولانِ حق اولیاء کرام کو بتوں اور پتھروں کے برابر سمجھنا کس قدر خلاف واقعہ اور فاش غلطی ہے۔ پھر وہ آیات جن میں ان بتوں کے مجبور محض ہونے اور ان کے نہ سننے، نہ دیکھنے، اور مدد نہ کر سکنے کا بیان ہے۔ ان آیات کو ان اولیاء کرام پر اور مومنوں پر چسپاں کرنا کس قدر جرأت اور بیباکی ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ قرآن پاک میں جن آیات میں "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" فرما کر ان کے بے اختیار ہونے کا بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ بت ہیں نہ کہ اولیاء کرام۔ مثلاً اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ۔ وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں۔ جو نہ انہیں نقصان دے نہ نفع۔ اور اس قسم کی دوسری جملہ آیات یہ سب آیات بتوں اور کافروں کے لئے ہیں۔ پھر جو شخص ان آیات کو اولیاء کرام اور مومنوں پر محمول کرے۔ تو یہ اس کا بڑا ہی ظلم ہے۔ اور بخاری شریف سے پوچھئے۔ تو اس کا یہ ارشاد ہے۔ کہ یہ بات نہ یہ کہ ظلم ہی ہے۔ بلکہ شرارت بھی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ:۔

وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ وَ قَالَ إِنَّهُمْ انْطَلَقُوْا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.

(بخاری شریف صفحہ ۱۰۲۴ ج ۲)

"یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو اللہ کی مخلوق میں شریر سمجھتے تھے۔ جو لوگ ان آیات کو جو کافروں کے لئے اتری ہیں۔ مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔"

سن لیا آپ نے کہ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں۔ جو بتوں اور اولیاء کرام، کافروں اور مومنوں کو ایک ہی سطح پر رکھ دیتے ہیں۔ بھائیو! جب ایک عام انسان پتھر کے برابر نہیں۔ بلکہ پتھر کے مقابلہ میں ہزاروں درجہ بہتر اور با اختیار ہے۔ تو یہ بت اور اللہ کے ولی کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

قرآن پاک اب آیئے! قرآن پاک سے دریافت کریں۔ کہ ان اولیاء کرام میں کوئی ممتاز طاقتیں ہیں۔ اور انہیں خدا کی طرف سے مخصوص اختیارات حاصل ہیں یا نہیں؟ کیا یہ پاک لوگ مجبور محض ہیں۔ اور بتوں کے برابر ہیں؟ یا انہیں اللہ تعالیٰ عام انسانوں سے بھی کہیں زیادہ طاقتیں، اور اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے دربار میں تشریف فرما تھے۔ اور سارا لشکر دربار میں حاضر تھا۔ آپ نے دیکھا۔ کہ سب لشکری پرندے بھی موجود ہیں۔ مگر ہُدہُد حاضر نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ کہ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِيْنَ۔ یعنی "کیا بات ہے۔ کہ ہدہد حاضر نہیں ہے۔" بات یہ ہوئی۔ کہ ہدہد اس روز اڑتا ہوا صنعاء ملک یمن میں پہنچ گیا تھا۔ اس ملک کے لوگ سورج کے پجاری تھے۔ اور ان کی حکمران ایک عورت تھی۔ جس کا نام بلقیس تھا۔ قرآن پاک میں بلقیس کے تخت کے متعلق ارشاد ہے۔ " وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی "اس کا تخت بہت بڑا تھا" مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ یہ تخت چالیس گز چوڑا۔ اور اسی گز لمبا۔ اور تیس گز اونچا تھا۔ اور سونے و چاندی کا بنا ہوا تھا۔ اور بڑے بڑے قیمتی

جواہرات سے مرصع تھا۔ بلقیس نے ایک مضبوط گھر بنوایا تھا۔ جس گھر میں دوسرا گھر تھا۔ پھر اس گھر کے اندر تیسرا گھر تھا۔ اور پھر اس تیسرے گھر کے اندر چوتھا تھا۔ اسی طرح پھر اس میں پانچواں۔ اور پانچویں میں چھٹا۔ اور چھٹے میں ساتواں گھر تھا۔ اس ساتویں گھر میں وہ تخت مقفل رہتا تھا۔ ھُدھُد یہ سب کچھ دیکھ کر جب واپس پلٹا۔ تو سلیمان علیہ السلام سے اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کی۔ اور یہ سارا واقعہ سنایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اچھا جاؤ، اور اب میرا ایک خط لے جاؤ۔ جو میں بلقیس کے نام لکھتا ہوں چنانچہ آپ نے ایک خط لکھا۔ جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر لکھا۔ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ۔ میرے معاملہ میں بڑائی ظاہر نہ کرو۔ اور مسلمان بن کر میرے حضور حاضر ہو جاؤ" اور اس خط پر شاہی مہر لگا کر ہدہد کو دیا۔ تاکہ وہ یہ خط بلقیس کو پہنچا دے۔ چنانچہ ہدہد گیا۔ اور یہ خط بلقیس تک پہنچا آیا۔ بلقیس یہ خط پڑھ کر گھبرائی اور ارکین سلطنت سے مشورہ کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیکھنے کے لئے اپنے ملک سے چل پڑی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصد ہدہد بارگاہِ سلیمانی میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ بلقیس آپ کی زیارت کے لئے آ رہی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس وقت دربار سے خطاب فرمایا۔ اور یوں گویا ہوئے۔

یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَیُّکُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ
"اے درباریو! تم میں کون ہے۔ کہ وہ اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے آئے۔ قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں"

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا۔ کہ بلقیس کا وزنی تخت اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے پہلے میرے پاس پہنچ جائے۔ یہاں یہ بات رکھنے کے قابل ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار اور بلقیس کے تخت کے مقام کا درمیانی فاصلہ دو مہینہ کی راہ کا تھا۔ اور طول و عرض

تخت کا آپ سن چکے۔ کہ اسّی گز لمبا۔ چالیس گز چوڑا۔ اور تیس گز اونچا اتنے بڑے وزنی تخت کو اور اتنی دور دراز سے حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے ہیں۔کہ بلقیس سے پہلے پہلے یہاں کوئی لے آئے۔ فرمایئے: اتنی دور سے اتنے بڑے تخت کا اتنی جلدی آ جانا کیا قرینِ قیاس ہے؟ ہرگز نہیں۔ عقل میں یہ بات آتی ہی نہیں۔ مگر قرآن پاک فرماتا ہے:۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ — ایک جنّ اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں وہ تخت آپ کے پاس لے آؤنگا قبل اس کے کہ آپ کا یہ اجلاس برخاست ہو۔

دیکھئے! وہ جن کہہ رہا ہے۔کہ حضور آپ کا یہ دربار برخواست ہونے سے پہلے پہلے میں وہ تخت یہاں لا سکتا ہوں۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ نہیں میں اس سے بھی جلد تر چاہتا ہوں۔ تو۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ — ایک علم والا اٹھا۔ اور اس نے عرض کی۔ کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا۔ قبل اس کے کہ آپ پل ماریں۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام نے دیکھا۔ تو تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا۔ (پ۱۹ ع ۱۸)

دیکھئے ایک علم والے نے کیا کرامت دکھا دی۔ کہ اتنا بڑا وزنی تخت جسے کئی آدمی ہلا تک نہ سکیں۔ اور اتنی دور سے جہاں دو مہینے میں صرف پہنچا جائے۔ اور واپسی کے لئے دو مہینے مزید درکار ہوں۔ سلیمان علیہ السلام کا وہ سپاہی اسے آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے لے بھی آیا۔ قرآن پاک میں "اٰتِيْكَ بِهٖ" ہے۔ یعنی "اُسے آپ کے پاس لے آؤں" اور "آنا" جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب پہلے "جانا" بھی ثابت ہو۔ معلوم ہوا۔ کہ وہ "عالم" پل بھر کے عرصہ میں اتنی دور چلا بھی گیا۔ اور پھر آ بھی گیا۔ اور آیا بھی اتنی

عظیم چیز کو ساتھ لاکر۔ اور پھر مزید حیران کن یہ بات کر گیا بھی اور آیا بھی۔ اور دربار سے غائب بھی نہیں ہوا۔ گویا یہاں بھی وہاں بھی۔ اور پھر یہاں بھی۔

کیوں دوستو! یہ ایک عالم ولی کی طاقت ایک بہت بڑی طاقت ہے یا نہیں؟ جو قرآن سے ثابت ہے۔ اور یہ عالم ولی حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک غلام تھا۔ پھر وہ حضرات اولیاء کرام جو حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ان میں یہ طاقت کیوں نہ ہوگی۔ کہ وہ یوں فرمائیں ؎

وَ لَوِ انْکَشَفَتْ عَوْرَۃُ مُرِیْدِیْ بِالْمَشْرِقِ وَ اَنَا بِالْمَغْرِبِ لَسَتَرْتُھَا۔ (بہجۃ الاسرار ص۹۹) اگر میرے کسی مرید کا ستر مشرق میں ننگا ہو جائے۔ تو میں مغرب میں بھی ہوں گا۔ تو اسے ڈھانپ دوں گا۔

یہ ارشاد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرا مرید کہیں بھی ہو۔ مشکل کے وقت میں اس کی مدد کر سکتا ہوں۔ اب اگر آپ کے اس ارشاد پر "عقل" جو بڑے نام عقل ہے بول اٹھے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت والے واقعہ کے متعلق اس سے پوچھئے۔ کہ وہ کیسے ہو گیا؟ اگر وہ ہو سکتا ہے۔ تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر قرآن کے ارشاد فرمودہ واقعہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔

میرے بھائیو! ان اللہ والوں کو جو جو طاقتیں عطا ہوئی ہیں۔ وہ چونکہ ممتاز اور مخصوص ہیں۔ جو عوام کو نہیں ہیں۔ اسی لئے عوام کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ مگر سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ ہمارے ایمان میں تو آتی ہیں۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ بیشک بیشک ان اللہ والوں کو وہ طاقتیں ملی ہیں۔ کہ بقول رومی ؎

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ

ایک مثال آیئے ان اللہ والوں کی طاقت و کمال کی ایک مثال سنیئے۔ دیکھئے! لوہا جب آگ کی بھٹی میں ڈال دیا جاتے۔ تو تھوڑی دیر کے بعد اس لوہے کا وہ پہلا رنگ ڈھنگ باقی نہیں رہتا۔ آگ کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ اور اس آگ کے ہی فیض سے کام بھی وہ کرنے لگتا ہے۔ جو آگ کرتی ہے۔ یعنے آگ کا کام جلانا ہے۔ تو جو لوہا آگ میں کچھ عرصہ رہ کر باہر نکلا ہو۔ وہ بھی جلانے لگتا ہے۔ اب اس لوہے کو آگ تو نہ کہا جائے گا۔ مگر ڈرا بھی اس سے اسی طرح جائے گا۔ جس طرح آگ سے ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ اگر آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جاتا ہے تو اس لوہے کو بھی ہاتھ لگانے سے ہاتھ جل جاتا ہے۔ بلا تشبیہہ جو مقبولانِ حق اپنے محبوبِ حقیقی کی محبت کی بھٹی میں اپنے آپ کو ڈال چکے ہیں۔ وہ اگرچہ خدا تو نہیں بن جاتے۔ مگر کام ان کے ایسے ہو جاتے ہیں۔ جو دراصل ہوتے تو فاعل حقیقی ہی کے ہیں۔ مگر ظہور ان کا ان اللہ والوں سے ہونے لگتا ہے۔ جیسے تپے ہوئے لوہے کی جلانے کی صفت اگرچہ آگ ہی کی صفت ہے۔ لیکن آگ کی اس صفت کا ظہور اس لوہے میں سے ہونے لگتا ہے۔ مولانا رومی نے اسی لئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ؎

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود!
گرچہ از حلقوم عبداللہ شود

آپ اس تپے ہوئے لوہے کی طرف بڑھیں۔ تو گویا آگ پکار اٹھتی ہے۔ کہ خبردار! اسے ہاتھ لگایا۔ تو میں جلا دوں گی۔ اسی طرح حدیثِ قدسی میں موجود ہے۔ کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ:۔

مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۸۹)

جو میرے کسی ولی سے بیر رکھتا ہے۔ اُسے میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ وہ میرے ساتھ جنگ کرے ؀

دیکھا آپ نے؟ کہ ان اولیاء کرام کی طرف دستِ گستاخی بڑھانا خدا تعالےٰ کے غضب و جلال کو دعوت دینا ہے۔ اسی لئے مولانا رومی یہ بھی

فرماتے ہیں۔ کہ ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد!
میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

حدیث پاک

آپ نے یہ لوہے کی مثال سنی۔ اب آپ حدیث پاک بھی سنئے۔ تا کہ یہ مثال اور بھی زیادہ آپ کی سمجھ میں آ سکے۔ اور پتہ لگ سکے۔ کہ ان اللہ والوں کی طاقتیں کس نوع کی ہیں۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ میرا بندہ جب کثرتِ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ تو میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ تو

فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ
وَ یَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهٖ وَ رِجْلَهُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَ
اِنْ سَئَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ ــ (مشکوٰۃ شریف صـــ)

"میں اس (ولی) کے کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے۔
اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے
ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کے پاؤں
بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے کچھ
مانگے۔ تو میں اُسے عطا فرما دیتا ہوں"

دیکھئے! اس حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ کا یہ صاف ارشاد موجود ہے۔ کہ اپنے مقبول و مقرب بندے کے کان میں بن جاتا ہوں۔ آنکھ اس کی میں بن جاتا ہوں۔ ہاتھ اس کے میں بن جاتا ہوں۔ اور پاؤں بھی اس کے میں بن جاتا ہوں۔ وہ دیکھتا، سنتا، اور پکڑتا اور چلتا ہے۔ تو میرے ساتھ۔ تو فرمایئے جس مقبولِ حق کی یہ شان ہو۔ اس کے لئے نزدیک و دور کا امتیاز ہی کب باقی رہ جاتا ہے؟ اور دور کی چیز کو دیکھنا۔ اور دور کی آواز کا سننا اس کے لئے محال کیسے رہ سکتا ہے؟ اس اللہ کے بندے کے کان ہمارے کانوں کی مثل نہیں رہتے؟ کہ دور کی آواز نہ سن سکیں۔ بلکہ اس کے

کان "کُنْتُ سَمْعَہٗ" کے مطابق اب ایسے کان ہیں۔ جن کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔ کہ یہ کان اب میری طاقت سے سنتے ہیں۔ اسی طرح اس کی آنکھیں اب ایسی آنکھیں ہیں۔ جن کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔ کہ یہ آنکھیں اب میری طاقت سے دیکھتی ہیں۔ اسی طرح ولی کے ہاتھ پیر بھی خدائی طاقت سے کام کرنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ آئینہ کو دیکھئے۔ جو ایک

آئینہ

چھوٹی سی چیز ہے۔ مگر اپنی صفائی کی بدولت جب وہ آفتاب کے سامنے آتا ہے۔ تو آفتاب کی صفات کا اس میں سے ظہور ہونے لگتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ کہ جس طرح اصل آفتاب کی طرف دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اسی طرح آئینہ میں جو اس آفتاب کا عکس نظر آتا ہے۔ اس عکس کی طرف دیکھنے سے بھی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ جس طرح اصل آفتاب تاریک جگہوں کو روشن کر دیتا ہے۔ اسی طرح عکس آفتاب بھی جو آئینہ میں نظر آتا ہے۔ تاریک مقام کو روشن کر دیتا ہے۔ آئینہ کا یہ جو وصف ہے۔ اگرچہ بظاہر آئینہ کا وصف نظر آتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ سارا وصف اُسی اصل آفتاب کا ہے۔ جس کا ظہور اس آئینہ سے ہونے لگا ہے۔ برعکس اس کے آپ ایک بہت بڑا لمبا چوڑا پتھر لے لیں۔ اور اسے آفتاب کے سامنے رکھ دیں۔ تو فرمائیے۔ کیا اس پتھر میں سے بھی عکس آفتاب اور اس کی آب و تاب نظر آئے گی؟ ہرگز نہیں، پتھر وہی پتھر رہے گا اور بدستور ویسے کا ویسا ہی نظر آئے گا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ پتھر کا باطن مثل آئینہ کے صاف نہیں۔ اور صفاتِ آفتاب کا مظہر بننے کے لئے اندرونی صفائی اور باطنی لطافت کی ضرورت ہے۔

حضرات! اسی مثال سے واضح ہو گیا۔ کہ اولیاء کرام مجاہدات و ریاضات سے اپنے قلوب کو اس قدر صاف و شفاف اور اپنے باطن کو لطیف بنا لیتے ہیں۔ کہ آفتاب معرفت کی کرنیں ان کے قلوب سے پھوٹنے لگتی ہیں اور صفاتِ حق کا ظہور اُن کے حق نما وجود سے ہونے لگتا ہے۔ حدیث قدسی جس کا ذکر آپ سن چکے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ

حق جب کثرتِ نوافل کے ساتھ اپنے دل کو صاف و شفاف کر لیتا ہے۔ تو اس کے ہاتھ پیر اور چشم و گوش صفاتِ حق کے مظہر بن جاتے ہیں۔ اور اس کے یہ اعضاء مقدسہ عوام کے اعضاء کی مانند نہیں رہتے۔ بلکہ ان کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

پتھر

آئینہ کی مثال آپ سن چکے۔ اور اس کے مقابلہ میں آپ نے پتھر کا ذکر بھی سن لیا۔ میرے بزرگو! اولیاء کرام ایک آئینہ حق نما ہیں۔ پھر ان کے برابر وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں۔ جن کے لئے خدا کا یہ ارشاد موجود ہے۔ کہ

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (پ۱ ع۹) "پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے۔ تو وہ پتھروں کی مثل ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتے ہ

فرمائیے! جن لوگوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ان کے دل مظہر صفات کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ درجہ تو انہی پاک لوگوں کا حصہ ہے۔ جن کے قلوب مثل آئینہ کے صاف اور شفاف ہیں۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں چینیوں اور رومیوں کے مقابلہ کی ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک بار چینیوں اور رومیوں کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی۔ کہ دونوں میں سے فن کار اور بہترین نقاش کون ہے؟ چینی کہتے تھے۔ کہ ہم سے بڑھ کر کوئی نقاش نہیں۔ اور رومی کہتے تھے۔ کہ اس فن میں ہمارا کوئی مد مقابل نہیں آخر فیصلہ یہ ہوا۔ کہ دو دیواریں آمنے سامنے ہوں اور دونوں فریق اپنی اپنی دیواروں پر اپنا اپنا عمل کریں۔ اور نقش و نگار بنائیں اور دونوں دیواروں کے درمیان ایک پردہ بھی ہو۔ تاکہ ایک دوسرے کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ چنانچہ وہ دیواریں منتخب ہوئیں۔ درمیان میں ایک پردہ لٹکا دیا گیا اور دونوں فریقوں نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا ؎ (اردو منظوم ترجمہ)

رنگ و روغن سینکڑوں گودام سے
چینیوں نے اک مہینہ تک لئے

دل لگا کر کام انہوں نے وہ کیا!
بن گئی دیوار تختہ باغ کا!

یعنی چینیوں نے مختلف قسم کے رنگ و روغن استعمال کرکے دیوار پر ایسے ایسے نقش و نگار بنا ڈالے۔ کہ دیوار مثل باغ و گلزار کے نظر آنے لگی۔ اور ادھر سے

رومیوں نے کچھ لیا روغن نہ رنگ
پر ذرا دیوار پر چھوڑا نہ زنگ

یعنی رومیوں نے اس دیوار کو صیقل کرنا شروع کر دیا۔ اور مہینہ بھر یہی عمل جاری رکھا۔ اور ہر روز مل مل کے اسے صاف کرتے رہتے۔ حتیٰ کہ اس دیوار کو مثل آئینہ کے بنا ڈالا۔ تو سے

جب نظر کی رومیوں کے کام پر!
پردہ جو اٹھا، تو کیا آیا نظر
تھا مرقع چینیوں کا ہو بہو
فرق دونوں میں نہ تھا مقدارِ مو

یعنی جب درمیان سے پردہ اٹھا۔ تو چینیوں نے محنت سے جس قدر نقش و نگار اپنی دیوار پر بنائے تھے۔ اُن سب کا عکس رومیوں کی دیوار سے نظر آنے لگا۔ اور بالکل وہی مرقع اس میں سے بھی نظر آنے لگا۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے یہ حکایت لکھ کر اس سے نتیجہ یہ اخذ فرمایا ہے سے

کر حسد کو باہر اپنے سینہ سے
دل کو کر تو صاف بغض و کینہ سے
ذکرِ حق سے قلب کی کر تو جلاء
علم سے اس وقت ہو کچھ فائدہ
دل ہیں جن کے صاف بغض و کینہ سے
کیا چمکتے ہیں پڑے آئینہ سے

یعنی جن کے دل بغض و حسد سے صاف اور ذکرِ حق سے منور ہیں۔ اُن کے دل آئینہ کی طرح صاف اور چمکیلے ہیں۔ اور صفاتِ حق کا جلوہ و مرقع ان کے چمکیلے دلوں سے نظر آنے لگتا ہے۔ میرے بزرگو! یہ حقیقت ہے۔ کہ دل کی جلا اس ذکرِ حق سے حاصل ہوتی ہے۔ اور بغض و حسد اور کینہ اور غفلت سے یہ دل سیاہ اور بدتر ہو جاتا ہے۔ پس اے مسلمان بھائیو! اپنے دلوں کو بغض و حسد اور کینوں سے پاک اور صاف رکھو۔ اس لئے کہ۔ ؎

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا!
جس سینہ میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا

اتفاق واتحاد

میرے عزیزو: اتحاد و اتفاق بڑی اچھی چیز ہے۔ کہ سب سے مقدم دِلی اتحاد ہے۔ یعنی کسی مسلمان بھائی سے اگر ہاتھ ملاتے ہو۔ تو ہاتھ ملانے سے پہلے اپنا دل بھی اس سے ملاؤ۔ یوں نہ ہو کہ دل سے تو تم اُسے بُرا سمجھو۔ اور اس تاک میں رہو۔ کہ موقعہ ملے تو اسے نقصان و تکلیف پہنچاؤں۔ اور بظاہر اس سے ہاتھ ملاؤ۔ اس ہاتھ ملانے اور زبانی خوشامد کا کیا فائدہ۔ جب تک کہ دل سے بھی اسے اچھا نہ سمجھو۔

لطیفہ

یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ ایک کنوئیں میں کتا گر کر مر گیا۔ تو گاؤں والے مولوی صاحب کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئے۔ کہ کنواں پاک کیسے ہو؟ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ کنوئیں کا سارا پانی نکال دو۔ چنانچہ گاؤں والوں نے کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا۔ اور پھر دوسرے روز اسی کنوئیں سے ایک پیالہ پانی کا بھر کر مولوی صاحب کے پاس لائے۔ اور بولے۔ کہ مولانا! ہم نے کل کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا تھا۔ اور آج یہ پیالہ اسی کنوئیں سے بھر کر لائے ہیں۔ پہلے آپ یہ پانی پئیں۔ پھر ہم پئیں گے۔ مولوی صاحب نے پیالہ لیا۔ تو پانی میں دیکھا۔ کہ کتے کے چند بال بھی ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا۔ کہ یہ بال کیسے ہیں؟ تو وہ بولے۔ کہ کتے کے ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا۔ اور کتا کہاں ہے؟ وہ بولے۔ کہ کنوئیں کے

اندر ہی۔ مولوی صاحب نے کہا۔ کہ کتے کو کنوئیں سے نکالا نہیں؟ وہ بولے کہ آپ نے کتے کے نکالنے کا کب کہا تھا۔ آپ نے تو فرمایا تھا۔ کہ پانی سارا نکال دو۔ سو ہم نے پانی تو سارا نکال دیا ہے۔ کتا بھی نکالنے کا نہ آپ نے حکم دیا اور نہ ہم نے نکالا۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ پاگلو! کتا ہی نہیں نکالا۔ تو پانی نکالنے کا کیا فائدہ؟ پانی ہزار بار بھی نکالو۔ جب تک کتا نہ نکالو گے۔ کنوآں ناپاک ہی رہے گا۔

تو میرے بھائیو! ہاتھ ہزار بار بھی ملاؤ۔ کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک کہ بغض و کینہ کا کتا بھی دل سے نہ نکالو گے۔ یہ کیا کہ دل میں تو وہی بغض و حسد بدستور موجود ہے۔ اور اوپر اوپر سے معانقے بھی ہو رہے ہیں۔ اور مصافحے بھی ہو رہے ہیں۔ بھائیو! اپنے دل پہلے صاف کرو۔ اور ان عدوتوں اور کینوں کے کتے کو اس دل سے باہر نکال پھینکو۔ تا کہ تمہارے دل پاک اور صاف ہو سکیں۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ یہ اللہ والے مظہرِ صفاتِ حق ہوتے ہیں۔ ان کا چلنا، پھرنا، دیکھنا، سننا اور بولنا سب خدائی طاقت سے ہوتا ہے یہ بولتے بھی ہیں۔ تو در اصل اللہ ہی بولتا ہے۔ چنانچہ مولانا رومی ہی فرماتے ہیں کہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی ان کا بولنا اللہ ہی کا بولنا ہے۔ اگرچہ بظاہر اللہ کا بندہ بول رہا ہوتا ہے۔ مگر اصل میں اللہ ہی بولتا ہے۔

دعائے بزرگاں

مولانا رومی نے یہاں ایک بڑے مزے کی بات کہی ہے فرماتے ہیں۔ کہ ؎

ایں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست
فانی است وگفتِ او، گفتِ خداست

یعنی مردِ حق کی دعا دوسروں کی دعا کی طرح نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مرد

حق نے اپنے آپ کو مٹا دیا ہوتا ہے۔ اور اس کا بولنا خدا کا بولنا ہوتا ہے۔ تو سے

چوں خدا از خود دعا وکد کند!
پس دعائے خویش را چوں رد کند!

جب خدا خود اپنے آپ سے کچھ طلب فرمائے۔ تو اپنی ہی طلب کو وہ کیسے رد فرمائے گا؟ یعنی اس مردِ حق کی دعا کو ضرور قبول فرما دیگا۔

میرے بھائیو! اسی لئے ہم اللہ والوں کے حضور حاضر ہو کر دعا کے طالب ہوتے ہیں۔ کہ ہماری دعائیں مستجاب نہیں ہیں۔ اور ان اللہ والوں کی دعا اللہ جلدی سنتا ہے۔ تو ان کے ذریعہ و وسیلہ سے ہم بامراد ہو کر وہاں سے لوٹتے ہیں۔ اور حدیث قدسی میں بھی آپ سن چکے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنۡ سَاَلَنِیۡ لَاُعۡطِیَنَّہٗ۔ اگر میرا ولی مجھ سے کچھ مانگے۔ تو میں ضرور اسے دیتا ہوں۔ پس ان اللہ والوں کے پاس حاضر ہونا اور ان کی دعاؤں سے بامراد ہو کر لوٹنا ایک حقیقت ہے۔ جس کا انکار کرنا پرلے درجہ کی بے خبری ہے۔

بیماں! میرے بزرگو! اس حدیث پر بعض برائے نام عقلیں معترض بھی ہوتی ہیں۔ کہ دیکھئے اس میں بندے کے متعلق کہہ دیا گیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے چشم و گوش اور ہاتھ پیر میں ہو جاتا ہوں۔ بھائیو! یہ اعتراض اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ کے مقرب بندوں کو اپنی مثل سمجھ لیا جائے۔ اور ان کی قربتِ حق اور معیتِ خدا کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے۔ حالانکہ یہ اللہ والے فنا فی اللہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی ایک ایک ادا صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور ان کے چشم و گوش، اور ہاتھ پیر واقعی اس شان کے ہوتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں اپنی طرف منسوب فرمانے لگتا ہے۔ اور یہ تو کیا۔ لیجئے اس سے بھی بڑھ کر ایک اور ایسی حدیث سنئے۔ جس سے ان اللہ والوں کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ کہ حضور فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا۔ کہ :-

يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ - اَمَا عَلِمْتَ اِنَّكَ لَوْ عُدْتَهٗ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهٗ - يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ - قَالَ يَارَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ - قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ الخ (مشکوٰۃ شریف)

"اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا۔ تو تم میری بیمار پرسی کے لئے نہ آئے۔ بندہ عرض کرے گا۔ الٰہی! تیری بیمار پرسی کیسے کرتا؟ تُو تو رب العالمین ہے۔ (تُو کب بیمار ہوا تھا۔ تُو تو ان چیزوں سے پاک ہے) خدا فرمائے گا۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ فلاں میرا بندہ بیمار تھا۔ اور تم نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ تم اگر اس میرے بندے کی بیمار پرسی کے لئے جاتے تو تم مجھے وہیں اس کے پاس پاتے۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تم سے کھانا مانگا۔ اور تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ کہے گا۔ الٰہی! تمہیں کھانا کیسے کھلاتا۔ تُو تو رب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا۔ کہ فلاں میرے بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ تم اگر اسے کھانا کھلا دیتے۔ تو تم مجھے وہیں پاتے"

کیوں جناب! اب تو لاٹھی پیروں تک بھی بات نہ رہی۔ بلکہ یہاں تو خدا تعالٰے صاف صاف یوں فرما رہا ہے۔ کہ وہ جو میرا بندہ بیمار تھا وہ میں ہی تھا۔ اور میں ہی بیمار ہوا تھا۔ حدیث کے لفظ مَرِضْتُ کے ہیں - میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا۔ فرمایئے! اب یہاں خدا سے کیا کہا جائے گا۔ کہ الٰہی! عجب بات ہے۔ ہم تو تیری توحید بیان کرتے پھرتے ہیں۔ اور تو خود اپنے بندوں کی بیماری کو بھی اپنی بیماری، اور ان کی بھوک کو بھی اپنی بھوک بیان فرما رہا ہے۔ الٰہی بتا اب ان لوگوں سے ہم کیا

کہیں۔ جن پر ہم یہ الزام دھرتے پھرتے ہیں۔ کہ تم بندوں کو خدا سے ملا دیتے ہو۔ اب وہ کیا کہیں گے کہ خدا خود بھی تو اپنے بندوں کو اپنے ساتھ ملا رہا ہے۔

بھائیو! اپنا تو ہر حدیث پاک پر ایمان ہے۔ اور ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہ یہ اللہ والے یہ شان رکھتے ہیں۔ کہ ان کی ہر ادا ادار حق ہوتی ہے اور ان کو خدا تعالےٰ سے ایسا خاص تعلق حاصل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کا قرب و عروج ظاہر فرمانے کو محض مجازاً ان کے مرض، وجوع کو بھی اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔ حالانکہ وہ ان چیزوں سے بالکل پاک و منزہ ہے۔ اب بھی اگر کسی عقل میں ان اللہ والوں کا مرتبہ نہ آسکے۔ اور کوئی برائے نام عقل اب بھی نہ سمجھے۔ تو ایسی عقل سے خدا سمجھے۔

حضرت فاروق اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہما

حضرات! آپ سن چکے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ ان کے کان، آنکھ، اور ہاتھ پیر میں ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے۔ اب آیئے اس حقیقت کا مشاہدہ فرمایئے دیکھئے حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ اور اس لشکر کا میر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ چنانچہ حضرت ساریہ لشکر کو لے کر اس ملک میں گئے۔ اور کافروں سے جہاد کرنے لگے۔ ادھر مدینہ منورہ میں ایک روز خطبہ دیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچانک آواز دی۔ کہ "یا سَارِیَہ اَلْجَبَلْ" یعنی اے ساریہ! پہاڑ کے ساتھ رہو۔ اور پہاڑ کو اپنے پیچھے رکھو۔ لوگ حیران ہوئے۔ کہ خطبہ کے اندر یہ بے جوڑ بات کیسی؟ ساریہ تو یہاں سے بہت دور کسی دوسرے ملک میں مصروف جہاد ہے۔ پھر یہاں اسے آواز دینے کا کیا معنی؟ تھوڑے دنوں کے بعد میدان جہاد سے ایک قاصد آیا۔ اور اس نے بتایا کہ ہمارا مقابلہ کافروں سے ہو رہا تھا۔ اور ہم پر کافر غالب آرہے تھے کہ ہمیں ایک غیبی آواز سنائی دی۔ کہ "اے ساریہ! پہاڑ کے ساتھ رہو اور پہاڑ کو

اپنے پیچھے رکھو، چنانچہ ہم نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ اور پہاڑ کو پیچھے رکھ کر ہم نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا۔ اور پھر دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ تو دشمن شکست کھا گیا۔ اور اللہ نے ہمیں فتح دی۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۸)

حضرات! اس حدیث پاک کو سنا آپ نے؟ دیکھئے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے اتنی دور لڑنے والے مجاہدین اسلام کو دیکھ لیا۔ اور وہیں سے انہیں ہدایت دی۔ اور ادھر اتنی دور سے ان مجاہدین نے مدینہ منورہ کی آواز سن لی۔ اور اس ہدایت پر عمل کر کے فتح پالی۔ کیوں بھائیو! ہم تو تھوڑی دور کی آواز بھی نہیں سن سکتے۔ اور قریب کی چیز بھی بغیر عینک کے نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ان اللہ والوں نے اتنی دور و دراز سے مدینہ منورہ کی آواز سن لی۔ اور حضرت فاروق نے اتنی دور دراز کا نقشۂ جنگ دیکھ لیا۔ تو یہ کیا بات ہے؟ وہی جو خدا نے فرمایا ہے۔ کہ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ الخ۔ کہ میں اس کے کان ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ تو حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں وہ آنکھیں تھیں۔ جن کے متعلق خدا کا ارشاد ہے۔ کہ وہ میں ہو جاتا ہوں۔ تو فاروق نے جو اتنی دور کی چیز دیکھ لی۔ تو اُن آنکھوں سے جو خدا کی طرف منسوب ہو چکیں تھیں اور ایسی آنکھوں سے نزدیک و دور کی کوئی چیز غائب نہیں رہ سکتی اور ان مجاہدین کے بھی کان چونکہ وہ کان تھے۔ جو خدا کی طرف منسوب ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی دور کی آواز سن لی۔

بھائیو! اب خود ہی انصاف کر لو۔ کہ جس محبوبِ پاک صلے اللہ علیہ و سلم کی محبت و اطاعت سے اس کے غلاموں کی یہ شان ہے۔ پھر اس محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ و سلم کی اپنی چشمانِ مبارک کیوں نہ فرش و عرش کی ہر شئے کو ملاحظہ فرماتی ہوں گی۔ اور اس کے کان کیوں نہ ساری کائنات کی آوازیں سنتے ہوں گے؟ سچ فرمایا اعلیحضرت نے کہ ؎

سرِ عرش پر ہے تری گزر دلِ فرش پر ہے تری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اور دوسری جگہ فرمایا کہ:۔ ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حضرت مریم علیہا السّلام

حضرات! حضرت مریم علیہا السّلام کا قصہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ جب آپ کے ہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو اس وقت آپ شہر سے باہر ایک جنگل میں ایک کھجور کے خشک درخت کی جڑ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ آپ کو اس وقت بھوک محسوس ہوئی۔ تو آپ سے فرمایا گیا۔ کہ

هُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۔ (پ۱۶ ع ۵)
یعنی کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔

چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے ہاتھ سے اس خشک درخت کو ہلایا۔ تو آپ کے ہاتھ کی برکت سے وہ کھجور کا درخت فوراً سرسبز ہو گیا۔ اور اسی وقت پھل لایا۔ اور تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرنے لگیں۔ جو آپ نے کھائیں۔

دیکھا آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کے ہاتھ نے کیا کرامت دکھائی۔ کہ ایک پرانے خشک درخت کو لگتے ہی اُسے ہرا بھرا کر دیا۔ اور اس کے ساتھ تازہ پھل لگ گئے۔ بھائیو! یہ بھی وہی بات تھی۔ جو اللہ نے فرمائی ہے کہ اپنے مقرب بندے کے ہاتھ میں ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ تو اس خشک درخت کو جس ہاتھ سے ہلایا گیا۔ وہ وہی ہاتھ تھا۔ جو اللہ کی طرف نسبت رکھتا تھا۔

میرے بھائیو! ایک ہاتھ ہمارے بھی ہیں۔ کہ کسی ہرے بھرے لہلہاتے پودے کو لگائیں۔ تو وہ مرجھا جائے۔ اسی لئے ایک شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ ؎

ہم نے پھولوں کو بھی جب دم چھو لیا مرجھا گئے ÷ تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا

محفلِ میلاد کی شیرینی

حضرات! یہاں ایک میٹھی بات بھی سنتے چلیے۔ وہ یہ کہ ہم جو محفلِ میلاد شریف میں ولادتِ طیبہ کا ذکر کرنے کے بعد شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دیکھیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادتِ طیبہ ہوئی۔ تو کھجور کے درخت سے اللہ تعالیٰ نے تازہ پکی ہوئی کھجوریں اوپر سے پھینکیں۔ گویا پیغمبر کی ولادت پر شیرینی کھلانا سنتِ الٰہی ہے اور یہ کوئی نئی بات یا بدعت نہیں ہے۔

حضرات اللہ والوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ کی طاقتوں کے واقعات آپ نے سن لیے۔ رہ گیا ان اللہ والوں کے پاؤں کی شان کا بیان، تو وہ آپ ابتدائے وعظ میں سن چکے۔ کہ دو مہینہ کی مسافت سے اتنا بڑا وزنی تختِ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک سپاہی آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لے آیا تھا۔ تو یہ ان اللہ والوں کے پاؤں کی طاقت ہے کہ وہ اپنے پاؤں سے اتنی دور گیا بھی اور پل بھر میں آ بھی گیا۔ اور یہ صرف اس لیے کہ وہ پاؤں ایسے پاؤں تھے۔ جو اللہ کی طرف منسوب ہو چکے تھے۔ اسی لئے میں نے اپنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نورانی اور بے مثل پائے انور کے متعلق لکھا ہے۔ کہ ؎

اس پائے مصطفیٰ کے پائے کو کون پائے
جو عرش سے ہو آئے پھر بھی نہ تھکنے پائے

اکیسواں وعظ

شہر رمضان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ـــــ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ (پ۲)

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا"

حضرات! رمضان شریف کا مہینہ آ رہا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ آج کچھ رمضان شریف کے فضائل و برکات اور اس کے متعلق احکام عرض کروں۔ بھائیو! قرآن پاک کی یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے رمضان و قرآن کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ مقدس کتاب قرآن مجید رمضان کے مہینے میں نازل فرمائی گئی۔ یعنے رمضان شریف کے دیگر فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے۔ کہ اللہ کی آخری کتاب قرآنِ پاک اسی مہینے میں اتاری گئی۔

قرآن کی صداقت

حضرات! چونکہ قرآن اور رمضان کا آپس میں بڑا تعلق اور مناسبت ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر پہلے ایک بات قرآن کے متعلق بھی سن لیجئے۔ اور قرآن کی صداقت کا ایک جلوہ ملاحظہ فرمایئے۔ دیکھئے آج دنیا میں بہت سے مذہب موجود ہیں۔ اور ہر مذہب والے اپنی اپنی کتاب پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

عیسائی کہتے ہیں۔ کہ یہ انجیل اللہ کی کتاب ہے۔ یہودی کہتے ہیں۔ کہ یہ توارات اللہ کی کتاب ہے۔ ہندو کہتے ہیں۔ کہ وید خدا کا کلام ہے۔ اور سکھ اپنے گرنتھ کو خدا کا کلام بتاتے ہیں۔ میرے بھائیو! انجیل و توارات پر ہمارا ایمان ہے کہ جو کتاب حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت موسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ واقعی وہ اللہ کی کتاب ہے۔ لیکن اب جو توارات و انجیل ہمارے سامنے ہے۔ اس میں تحریف ہو چکی ہے۔ اور اس وقت ہم جب توارات و انجیل کا ذکر کریں گے۔ وہ موجودہ محرّف توارات و انجیل کا ذکر ہوگا۔

بھائیو! آج ان سب کتابوں کو ایک طرف رکھو۔ اور ایک طرف قرآن پاک کو رکھو۔ پھر ان سب کی صداقت کا امتحان لو۔ اور دیکھو۔ سچائی کا ثبوت کس کتاب سے ملتا ہے۔

پہلے ایک مثال عرض کروں۔ دیکھئے! ایک شہر میں ایک نووارد یونہی گھومتا پھرتا نظر آجائے۔ تو سپاہی اسے دیکھ کر اسے روک لیتا ہے۔ اور اس سے کچھ سوال کرتا ہے۔ اگر وہ نووارد ان سوالات کا صحیح جواب دیدے۔ تو خیر۔ ورنہ وہ مشکوک اور زیر حراست ہو جاتا ہے۔ سپاہی اس سے پوچھتا ہے کہ:۔

تمہارا نام کیا ہے ؟

تم کہاں سے آئے ؟

تم کس کی طرف آئے ؟

تم کیوں آئے ؟

تم کب آئے ؟

ان سوالات کا وہ اگر جواب دیدے۔ تو ٹھیک ہے۔ اور اگر جواب نہ دے تو وہ شخص مشکوک نظروں سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ بھائیو! اسی اصول کے مطابق تم آج کل کی جملہ کتابوں کو بھی پرکھ لو۔ ہم ان سب کتابوں سے پہلا سوال یہ کرتے ہیں کہ:-

تمہارا نام کیا ہے؟

اس سوال کا جواب نہ تو موجودہ انجیل دیتی ہے۔ نہ توراۃ۔ نہ وید اور نہ گرنتھ۔ ساری انجیل اور توراۃ پڑھ ڈالو۔ کہیں بھی تو انجیل نے نہیں بتایا۔ کہ میرا نام انجیل ہے۔ اور توراۃ نے نہیں بتایا کہ میرا نام توراۃ ہے۔ چاروں ویدوں میں سے ایک وید بھی تو نہیں بتاتا۔ کہ میرا نام وید ہے۔ اور گرنتھ بھی نہیں بتاتا۔ کہ میرا نام گرنتھ ہے۔ دوسرا سوال ہم یہ کرتے ہیں۔ کہ اچھا اتنا تو بتا دو کہ، تم کہاں سے آئے؟

اس سوال کے جواب میں بھی سب کتابیں خاموش ہیں۔ پھر ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ چلو یہی بتا دو کہ۔

تم کس کی طرف آئے؟

اس سوال کا جواب بھی کوئی نہیں۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ

تم کیوں آئے؟

اس بات کا جواب بھی کسی کتاب نے نہ دیا۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ

تم کب آئے؟

اس سوال کا جواب بھی نہیں ملتا۔

میرے بھائیو! ان سب سوالات کا جواب آج کوئی بھی کتاب نہیں دیتی ہاں ان سب سوالات کا جواب اگر کوئی کتاب دینے والی ہے۔ تو وہ یہی اللہ کی آخری اور دائمی بھی کتاب قرآن مجید ہے۔ دیکھئے۔ ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کا نام کیا ہے؟

تو جواب ملتا ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ۔

یعنی میرا نام قرآن مجید ہے۔

آپ کہاں سے تشریف لائے ؟

تو جواب ملتا ہے :۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ــــ

یعنی رب العالمین کی طرف سے آیا ہوں۔

آپ کس کی طرف تشریف لائے۔

جواب ملتا ہے :۔ نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ــ

یعنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف آیا ہوں۔

آپ کیوں تشریف لائے۔

جواب ملتا ہے۔ هُدًى لِّلنَّاسِ ــــ

یعنی لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آیا ہوں

آپ کب تشریف لائے ؟

جواب ملتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔

یعنے رمضان شریف کے مہینے میں آیا ہوں۔

اس کے بعد پھر ہم نے یہ بھی پوچھا۔ کہ حضور! آپ نے ان سب باتوں کا جواب تو دے دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا۔ کہ آپ رمضان کے مہینے میں تشریف لائے مگر یہ نہ ارشاد فرمایا۔ کہ رمضان شریف میں آپ دن کو تشریف لائے۔ یا رات کو؟ ذرا اس بات کا جواب بھی دے دیجئے۔ تو فرمایا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ــــ

یعنی قدر کی رات کو آیا ہوں۔

دیکھا مسلمانو! قرآن پاک نے ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا یا نہیں؟ یہ ہے صداقت و عظمت قرآن پاک کی۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ! کہ اللہ نے ہمیں ایسی عظیم اور دائمی سچی کتاب عطا فرمائی۔ بھائیو! اس کی قدر کرو۔ اور اس کی ہدایات پر عمل کرکے اپنے دونوں جہان سنوار لو۔ افسوس کہ آج ہم نے اس کی کما حقہٗ قدر نہ کی۔ اور اس کے ارشادات کو بھلا دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم طرح طرح کی مشکلات میں گھر گئے ہیں۔ شاعر لکھتا ہے ؎

درسِ قرآں نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا
چاٹ لیں تم نے کتب فلسفۂ انگلش کی
ہاتھ بھولے سے بھی قرآں کو لگایا ہوتا

حضرات! رمضان شریف آ رہا ہے۔ اس ماہِ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جبریل بھی قرآن کا دورہ کیا کرتے تھے۔ آؤ رمضان شریف میں قرآن کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دو۔ اور پھر اپنی زندگی میں قرآن پاک کو ہمیشہ کے لئے اپنے پیشِ نظر رکھو۔ اور اسی طرح اس کی تلاوت اور اس کے ارشادات پر عمل کرنا جاری رکھو ؎

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

شہرِ رمضان

حضرات! یہ شعبان کا مہینہ ہے۔ اور اس کی انتیسویں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اجتماع میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں حسب ذیل اعلان فرمایا — فرمایا:۔

لوگو! تم پر ایک بہت ہی با برکت مہینہ سایہ افگن ہونے والا ہے وہ ایسا مہینہ ہے۔ جس میں ایک رات ہزار مہینوں کی راتوں سے بہتر ہے۔ خدا نے اس ماہ میں روزے رکھنے فرض کئے ہیں۔ اور رات کو قیام کرنا نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں نفلی نیکی کا کام کرے گا۔ وہ ایسا ہوگا کہ اس نے گویا اور دنوں میں فرض ادا کیا۔ اور جو شخص اس مہینے میں فریضہ ادا کرے وہ ایسا ہے۔ کہ گویا اس نے اور دنوں میں ستر فریضے ادا کئے۔ ماہِ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ وہ باہمی سلوک اور مروّت کا مہینہ ہے۔ وہ ایسا مہینہ ہے۔ کہ مومن کا رزق اس مہینے میں بڑھ جاتا ہے۔ جو کوئی اس مبارک مہینے میں روزے دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی۔ اور آگ سے نجات ملے گی۔ اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔

صحابہ نے عرض کیا۔ حضور! ہم میں ہر ایک اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کا روزہ افطار کرا سکے۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص پانی کے ایک گھونٹ سے بھی کسی کا روزہ کھلوائے گا۔ تو خدا تعالےٰ یہی ثواب عطا فرمائیگا اور اگر کوئی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلائے پلائے گا۔ تو خدا تعالیٰ اسے میرے حوض کوثر سے شربت پلائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ سارے محشر میں جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاس نہ ہوگا۔ اس ماہ مبارک کا پہلا حصہ رحمت ہے۔ درمیانی حصہ بخشش ہے۔ اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے؛

دوستو! یہ مکمل ارشاد مشکوٰۃ شریف[۱۶۵] میں موجود ہے۔ اس پر خوب غور کیجئے۔ اور رمضان شریف کی برکتوں کا اندازہ لگائیے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے۔ کہ رمضان شریف کی پہلی تاریخ کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو مقید کر دیا جاتا ہے۔

چار باتیں

مسلمانو! ایک دوسری حدیث میں وارد ہے۔ کہ اس مہینے میں چار باتیں بہت ضروری ہیں۔ دو ان میں سے ایسی ہیں۔ جن سے تمہارا پروردگار راضی ہو جاتا ہے۔ اور دو ایسی ہیں۔ کہ جن کے بغیر تمہارا چارہ نہیں۔ ان چار میں سے ایک تو کلمہ شہادت ہے۔ اور دوسرے توبہ و استغفار کی کثرت۔ یہ دونوں باتیں خدا کو بڑی پسند [illegible]۔ تیسرے جنت کا طلب کرنا اور دوزخ سے پناہ مانگنا۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں۔ جو تمہارے لئے ضروری [illegible] ان کے بغیر چارہ نہیں۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ یعنی جس شخص نے رمضان کے روزے اس کی فرضیت و ثواب مان کر اور اللہ کی خوشنودی اور شوق سے رکھے۔ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ رمضان شریف کی

پہلی رات کو شیطان زنجیروں سے جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پھر منادی پکارتا ہے کہ اے طالب خیر! آگے بڑھ۔ اور اے طالب شر! اپنی شرارت و سرکشی سے باز آ جا۔

شیطان قید میں

میرے بھائیو! آپ نے سنا کہ رمضان شریف میں شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں۔ اس ارشاد حق بنیاد کے پیش نظر یہ بات سمجھ لو۔ کہ کل قیامت کے دن جب بے نمازی مثلاً حضور ایزدی میں پیش کیا گیا۔ اور اس سے پوچھا گیا۔ کہ تم نے نماز کیوں نہ پڑھی؟ تو اس بے نمازی نے اگر جواب یہ دیا۔ کہ الٰہی! مجھے شیطان نے نماز پڑھنے سے روک دیا تھا۔ تو ممکن ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا عذر قبول کر لے۔ یہ اس کی رحمت پر منحصر ہے۔ چاہے تو گرفت فرمائے۔ اور چاہے۔ تو معاف فرما دے۔ لیکن "بے روز" یعنی روزہ نہ رکھنے والا یہ عذر نہ کر سکے گا۔ یعنے اگر "بے روز" سے پوچھا گیا۔ کہ تو نے روزہ کیوں نہ رکھا؟ اور روزہ دار نے جواب یہ دیا۔ کہ الٰہی! میں روزہ رکھتا تو سہی۔ لیکن شیطان نے مجھے روزہ نہ رکھنے دیا۔ تو شیطان فوراً حاضر ہو کر کہہ دے گا۔ کہ الٰہی! یہ جھوٹ بکتا ہے۔ میں تو رمضان کے مہینے میں قید میں تھا۔ پھر اس سے پوچھا جائے۔ کہ اس کے پاس کون آیا تھا۔ جس نے اسے روزہ نہ رکھنے دیا؟ تو "بے روز" لاجواب ہو جائے گا۔ اور پکڑ لیا جائے گا۔

مسلمانو! سوچ لو۔ کہ اگر روزہ نہ رکھا۔ تو کیا عذر پیش کرو گے شیطان تو قید میں ہوتا ہے۔ پھر یہ بے روز کس شیطان کے بہکانے میں آتے ہیں؟ بھائیو! یہ بے روز خود ہی سوچ لیں۔ کہ کل کیا جواب دیں گے۔

یہاں یہ نہ سمجھ لیا جائے۔ کہ بے نمازی ہونا کوئی بری بات نہیں۔ توبہ توبہ!! بے نمازی ہونا بھی سخت خطرناک ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں آتا ہے۔ کہ جب جنتی لوگ جہنم والوں سے پوچھیں گے۔ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ۔ تمہیں کس چیز نے جہنم میں ڈالا؟ — تو وہ جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ

المُصَلِّیْنَ — ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ — دیکھا آپ نے کہ نماز کا نہ پڑھنا جہنم میں لے جاتا ہے۔ میرا مطلب تو صرف یہ ہے۔ کہ بے نمازی کا ایک عذر بن سکتا ہے۔ مگر بے روزہ کا تو کوئی بھی عذر نہیں چل سکتا۔

روزہ دار کے مشاغل

بھائیو! روزہ دار اس مہینے میں دن کو کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ اور یہ کھانا پینا رمضان کے مہینے سے پہلے جائز تھا۔ مگر ماہِ رمضان میں حرام ہو جاتا ہے۔ پھر خود ہی سوچ لو۔ کہ جو چیزیں رمضان سے پہلے حلال تھیں۔ جب وہ بھی اس مہینے کے دنوں میں حرام ہو گئیں۔ تو جو چیزیں رمضان سے پہلے بھی حرام تھیں۔ مثلاً جھوٹ۔ غیبت۔ چغلی۔ لڑائی جھگڑا۔ گالی گلوچ۔ وہ رمضان کے مہینے میں کیوں اور بھی زیادہ حرام نہ ہو جائیں گی۔ یعنی روزہ دار جب رمضان کے مہینے میں کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ تو وہ جھوٹ، چغلی، گالی گلوچ وغیرہ کیوں نہ چھوڑے؟ اب فرمایئے۔ جو شخص کھانا پینا تو چھوڑ دے۔ لیکن یہ بُری باتیں نہ چھوڑے۔ جھوٹ۔ فریب۔ گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا بدستور جاری رکھے۔ وہ کس قسم کا روزے دار ہے؟ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص محض کھانا پینا چھوڑ دے۔ اور جھوٹ بولنا نہ چھوڑے۔ تو کوئی حاجت نہیں۔ کہ وہ کھانا پینا بھی چھوڑ دے"

مطلب یہ کہ روزہ دار کو چاہیئے۔ کہ وہ روزے کے ساتھ جہاں کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ جھوٹ۔ فریب۔ لڑائی جھگڑا اور بدزبانی بھی چھوڑ دے بلکہ ایک دوسری جگہ حضور نے فرمایا ہے۔ کہ تم سے اگر کوئی لڑائی کرے۔ گالی دے۔ تو تم اس سے یوں کہو۔ کہ بھئی! جواب تو میں بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن میں کچھ نہ کہوں گا۔ اس لئے کہ میں روزے سے ہوں۔ لیکن میرے دوستو! اب تو معاملہ یہ نظر آتا ہے۔ کہ ہم سے کوئی لڑنے لگے۔ تو ہم گویا یوں کہتے ہیں۔ کہ چپ ہو جا۔ ورنہ یاد رکھنا۔ میں روزے سے ہوں۔ روزہ تم ہی سے کھولوں گا۔ یعنے تمہیں کھا ہی تو جاؤں گا۔

روزے کے دنوں میں کئی لوگ شطرنج کھیلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تاش کی بازی لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور ان سے جو پوچھو۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو جواب ملتا ہے۔ مولانا! روزے کا ٹائم پاس کر رہے ہیں — واہ سبحان اللہ! کیسے مبارک کام سے روزے کا ٹائم پاس کیا جا رہا ہے۔ "پاس کیا جا رہا ہے۔ گویا اگر شطرنج نہ کھیلا گیا۔ تاش کی بازی نہ لگائی گئی۔ تو ٹائم وہیں کا وہیں رک جائے گا۔ دن گزرے گا نہیں۔ شطرنج کھیلو تو دن گزرے تاش کی بازی لگاؤ۔ تو ٹائم پاس ہو۔ خدا رحم فرمائے۔ بھائیو! روزے کا ٹائم اللہ اللہ کرکے پاس کرو۔ قرآن کی تلاوت سے پاس کرو — درود شریف پڑھتے ہوئے پاس کرو۔ اور روزہ افطار کرو۔ تو مسجد میں نہ کہ سینما میں۔ افسوس ہم کیا سے کیا ہو گئے۔ ؎

آہ اسلام! تیرے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

بیس تراویح

میرے بھائیو۔ یہ مہینہ مبارک سرتاپا رحمت ہی رحمت ہے۔ اس کے دن رات میں اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کی رحمتوں سے جھولیاں بھر لو۔ اور اس کی عبادت میں جتنی زیادتی ہو سکے کرو۔ نہ کہ کمی کی طرف خیال دوڑانے لگو۔ دنیا کے معاملے میں تو ترقی اور زیادتی کی طرف دوڑتے ہو سو روپیہ تنخواہ ہو۔ تو کہتے ہو۔ اے کاش دو سو روپے ہو جائیں۔ دو سو ہو۔ تو کہتے ہو۔ اے کاش! چار سو روپے ہو جائیں۔ لیکن اللہ کی عبادت کے معاملے میں الٹا دوڑتے ہو۔

بھائیو! اللہ کی یاد کے معاملہ میں بھی ترقی اور زیادتی کی طرف قدم بڑھاؤ اور یہ نہ کہو۔ کہ بیس تراویح نہ سہی آٹھ سہی۔ میں یہاں کسی پر اعتراض نہیں کرتا جو آٹھ پڑھتے ہیں۔ وہ اپنے مسلک کے مطابق پڑھتے ہیں۔ پڑھیں۔ میں تو اپنے حنفی بھائیوں سے کہتا ہوں۔ کہ میرے بھائیو! تمہارے مسلک میں تو بیس تراویح ہیں۔ تم اپنے مسلک پر قائم رہو۔ اور یاد رکھو۔ احتیاط بھی اسی میں ہے۔ دیکھ لو۔ آپ نے اگر لاہور سے ایک چیز خریدنی ہو۔ اور آپ اپنے گاؤں سے وہ چیز خریدنے لاہور روانہ ہوں۔ اور کوئی شخص آپ سے یوں کہے۔ کہ وہ

چیز آٹھ روپے میں ملتی ہے۔ لہذا آٹھ روپے ساتھ لے جانا۔ اور ایک اور شخص یوں کہے۔ کہ نہ بھئی! وہ چیز تو بیس روپے میں ملتی ہے۔ لہذا بیس روپے سے کم نہ لے جانا۔ ورنہ تکلیف ہوگی۔ تو انصاف سے بتایئے۔ کہ دانا آدمی کیا کریگا۔ اور کتنی رقم ساتھ لے جائے گا؟ بھائیو! صاف بات ہے۔ کہ جو دانا آدمی ہے وہ بیس روپے ہی ساتھ لے کر جائیگا۔ اور لاہور پہنچ کر اگر اسے وہ چیز آٹھ روپے میں ملی۔ تو بارہ روپے واپس لے آئیگا۔ اور اگر بیس کو ملی تو بغیر کسی تکلیف کے پھر بھی وہ چیز خرید لیگا۔ اور اگر اس نے ساتھ آٹھ روپے لئے۔ تو فرمایئے۔ اگر وہ چیز آٹھ کو ملی۔ جب تو وہ چیز خرید لے گا۔ لیکن اگر بیس کو ملی۔ تو پھر وہ کیا کریگا وہاں تو ادھار بھی کسی سے نہ ملیگا؟ لہذا احتیاط اسی میں ہے۔ کہ ساتھ وہ بیس روپے ہی لے کر جائے۔ میرے حنفی بھائیو! اسی طرح بیس تراویح ہی پڑھو۔ تاکہ کل قیامت کے دن تمہیں تکلیف نہ ہو۔ بالفرض اگر وہاں یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ تراویح آٹھ تھیں۔ تو ہم کہیں گے۔ الٰہی! ان میں سے تو آٹھ قبول فرمالے۔ اور خدا نے بارہ زیادہ پڑھنے پر ناراض تو ہونا نہیں۔ کہ تو نے میری نماز زیادہ کیوں پڑھی۔ اس کی ناراضگی تو بہر حال نماز نہ پڑھنے پر ہی ہوگی۔ اور بھائیو! اگر وہاں بیس تراویح ثابت ہوئی۔ تو پھر بھی انشاء اللہ ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ کہ ہمارے پاس تو بیس ہی ہوں گی۔ **پس** احتیاط اسی میں ہے۔ کہ بیس ہی پڑھی جائیں۔

بہرحال اے مسلمانو! یہ مہینہ مبارک بڑی رحمتوں کا مہینہ ہے۔ اس کی قدر کرو۔ اور اس کا دن رات خدا کی عبادت میں گزارو۔ اس مہینہ مبارک کے لئے ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

سعادت کے جلو میں رحمت پروردگار آئی!
مسلمانوں کے گھر چل کر خدا کا لطف عام آیا
درِ میخانۂ وحدت کے پٹ جبریل نے کھولے
ترستے تھے جسے میخوار گردش میں وہ جام آیا

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞

باٸیسواں وعظ ۲۲

عید کا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (پ۳۰ ع۱۲)

بیشک وہ مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا ۔

حضرات! — میں چاہتا ہوں کہ آج عید کے متعلق کچھ باتیں عرض کروں ۔ آپ نے قرآن پاک کی آیت مبارکہ سنی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۔ اس کا معنی یہ ہے ۔ کہ بیشک وہ مراد کو پہنچا ۔ جو ستھرا ہوا ۔ خدا تعالیٰ نے اس ارشاد میں طہارت و پاکیزگی اور صفائی کی توصیف فرمائی ہے ۔ میرے دوستو! اس طہارت و صفائی کے متعلق کچھ سننے سے پہلے میرے چند تمہیدی کلمات سن لیجئے ۔

جسم و روح

یہ انسان جو چلتا پھرتا نظر آتا ہے ۔ اس کا ایک جسم ہے ۔ اور ایک روح ۔ جسم اس کا کثیف ہے ۔ اور روح لطیف ۔ جسم

اس جہان کا باشندہ ہے۔ اور روح اس جہان کا۔ یہ روح یہاں گویا ایک پردیسی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن پاک پڑھتے ہوئے روحانی سرور و انبساط پیدا ہوتا ہے۔ کسی پردیسی کو گھر سے خط آئے۔ تو وہ اس خط کو پڑھ کر بیحد خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ قرآن پاک روح کے دیس کا گویا ایک خط ہے۔ جسے پڑھا جائے تو روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ روح اس دوسرے دیس یعنی عالم امر ہی سے ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ——

میرے بھائیو! ان دونوں کو یعنی جسم و روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یکجا جمع فرما دیا۔ اور چونکہ وہ رب العالمین ہے۔ اس لئے اس نے ان دونوں کی پرورش کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ وہ جسم کا بھی رب ہے اور روح کا بھی۔ جس طرح جسم کی پرورش کے لئے خدا تعالیٰ نے طرح طرح کی خوراک، گندم چاول۔ پھل فروٹ وغیرہ پیدا فرمائے ہیں۔ ان چیزوں کو کھا کر جسم ترو تازہ رہتا ہے۔ اسی طرح روح کی غذا بھی خدا تعالیٰ نے مہیا فرمائی ہے۔ اور وہ ہے ذکرِ حق۔ اس غذا سے روح ترو تازہ رہتی ہے۔ چنانچہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔ اور جسم چونکہ اس جہان کا باشندہ ہے۔ اس لئے اس کی غذا بھی یہیں پیدا ہوتی ہے۔ اور روح چونکہ دوسرے جہان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اس کی غذا بھی اسی عالم سے تعلق رکھنے والی ہے۔ اور اس کی غذا بھی وہی ہے۔ جو فرشتوں کی غذا ہے۔ فرشتوں کی غذا نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ کے مطابق یہی ذکر و تسبیح ہے۔ اور روح کی غذا بھی یہی ہے۔

میرے بزرگو! یہ جسم بیمار بھی پڑ جاتا ہے۔ اور جب یہ بیمار پڑے تو اس کے علاج کے لئے اللہ نے مختلف دوائیاں پیدا فرمائی ہیں۔ اسی طرح روح بھی بیمار پڑ جاتی ہے۔ اور بیمار روح کے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے دوا مہیا فرمائی ہے۔ اور جس طرح جسم کے لحاظ سے اس کی دوا اسی جہان

سے پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح روح کے اصلی وطن کے لحاظ سے اس کی دوا بھی اوپر سے بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد حق ہوتا ہے۔ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنے ہم نے یہ قرآن نازل فرمایا۔ جو مومنوں کے لئے شفاء و رحمت ہے:

روحانی معالج

میرے دوستو! اب اور سنو کہ جس طرح دنیا میں جسمانی معالج موجود ہیں۔ اسی طرح اللہ نے روحانی معالج بھی پیدا ہوئے ہیں۔ جسمانی معالج حکیم و ڈاکٹر ہیں۔ اور روحانی معالج اولیاء کرام ہیں۔ اور جس طرح تم اپنی جسمانی بیماریوں کے علاج کے لئے حکیموں و ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہو۔ اپنی مشکل اور پریشانی ان کے سامنے بیان کرتے ہو۔ اور یوں کہتے ہو۔ کہ حکیم صاحب مجھ پر رحم کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب مجھے بچا لیجئے۔ اسی طرح روحانی علاج کے لئے اولیاء کے حضور حاضر ہونا پڑتا ہے۔ اور اپنی جملہ پریشانیوں کو ان کے حضور پیش کرکے ان سے یہ عرض کرنا پڑتا ہے۔ کہ حضور ہم پر رحم کیجئے ہمیں بچا لیجئے۔ اور یاد رکھئے۔ کہ جسم و روح کو حقیقی طور پر شفا دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ لیکن جس طرح اللہ کے ہوتے ہوئے شفا پانے کے لئے کسی حکیم و ڈاکٹر کے ہاں جانا منافیٔ توحید نہیں۔ اور شرک نہیں۔ اسی طرح کسی ولی کے حضور حاضر ہو کر فریاد کرنا بھی ہرگز منافیٔ توحید اور شرک نہیں۔ اور یہ بات بھی سمجھنے کے قابل ہے۔ کہ جب یہ جسمانی طبیب اپنے فن میں اتنے ماہر ہوتے ہیں۔ کہ ہماری صرف نبض ہی دیکھ کر ہمارے اندر کے جملہ عوارض اور ساری کیفیات کو جان جاتے ہیں۔ پھر اولیاء کرام کے علم و عرفان میں کلام کرنا اور ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ یہ بات نہیں جانتے۔ اور وہ نہیں جانتے۔ کس قدر نادانی ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

این حکیمانِ جہان دانشورند بر مقام تو ز تو واقف ترند
پس طبیبانِ الٰہی در جہان چون ندانند از تو اسرارِ نہان
حالِ تو دانند یک یک مو بمو زانکہ پر ہستند از اسرارِ ہو

یعنے یہ جسمانی معالج تیری بیماریوں پر تجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ ان

کی نظر میں اتنی وسعت رکھتی ہے۔ کہ جہاں تمہاری نظر نہیں پہنچتی ان کی پہنچ جاتی ہے۔ پھر جو روحانی معالج ہیں۔ وہ مخفی بھید کیوں نہ جانتے ہوں گے۔ یہ روحانی معالج وہ مبارک ہستیاں ہیں۔ جو تیرا ایک ایک حال مو بمو جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ "اسرار ہُو سے پُر ہیں"

میرے بھائیو! ان اللہ والوں کی وسعتِ نظر کا کیا کہنا یہ اس قدر بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ کہ سب دنیا ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ اسی لئے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ؎

نَظَرْتُ اِلیٰ بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ اِلیٰ حُکْمِ التَّصَالِیْ

"یعنے میں نے تمام ممالک الٰہیہ کو دیکھ لیا۔ اور وہ میری نگاہ میں گویا ایک رائی کے مانند ہیں"

ایک شاعر نے گویا اسی ارشاد کا ترجمہ اس شعر میں لکھا ہے۔ کہ

؎ اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا مجھ کو
کہ فلک خال سے چھوٹا نظر آیا مجھ کو

روحانی صفائی

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ کچھ بیماریاں جسم کی بھی ہیں۔ اور کچھ روح کی بھی ہیں۔ اور یاد رکھیئے کہ اسی طرح کچھ گندگیاں جسم کی بھی ہیں۔ اور کچھ روح کی بھی ہیں۔ جسم کی گندگیاں وہ چیزیں ہیں۔ جن سے جسم گندہ ہو جاتا ہے۔ جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ دیگر نجاستیں۔ اسی طرح روح کی گندگیاں وہ چیزیں ہیں جن سے روح گندہ ہو جاتی ہے۔ اور خوب یاد رکھئے۔ کہ وہ چیزیں کفر و شرک جھوٹ، مکر و فریب اور سب غیر شرعی حرکات ہیں۔ ان سب سے روح گندی ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح آپ نہیں چاہتے۔ کہ آپ کے جسم پر کوئی میل یا نجاست لگ جائے۔ آپ کے بدن پر کوئی گندگی لگ جائے تو آپ فوراً اسے صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی روح کو بھی گندہ نہ ہونے دے۔ جسم پر گندگی لگ

جائے۔ تو پانی سے دھو لی جاتی ہے۔ اور روح پر کوئی گندگی لگ جائے۔ تو اس کا پانی توبہ ہے۔ میرے بھائیو! پھر اس روحانی گندگی کے لیئے توبہ کرتے ہوئے شرم و ندامت سے جو آنسو گنہ گار کی آنکھوں سے بہتے ہیں۔ وہ آنسو دن کی ساری میل دور کر دیتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کجا آبے رواں غنچہ بود
ہر کجا اشکے رواں رحمت شود

جہاں پانی بہتا ہو۔ وہاں پھول اور غنچے اُگتے ہیں۔ اور جہاں اللہ کے خوف سے گنہ گار کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں وہاں رحمت کے پھول اُگتے ہیں۔

ظاہری و باطنی صفائی

میرے بھائیو! ان تمہیدی کلمات کے بعد اب قرآن پاک کا ارشاد پھر سنو۔ کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ یعنی جو پاک اور صاف ستھرا ہو گیا۔ وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے صفائی اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو نجات یافتہ اور مراد پا لینے والے فرمایا ہے۔ اور یاد رکھیئے۔ کہ صفائی ایک عام لفظ ہے۔ اور آیت کریمہ میں ہر قسم کی صفائی کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ یعنی اسلام آپ کے جسم کو اگر صاف و ستھرا دیکھنا چاہتا ہے۔ تو وہ آپ کی روح کو بھی تمام گندگیوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ اور یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔ کہ اس نے جہاں ہمیں جسمانی طور پر صاف و ستھرا رکھا۔ وہاں اس نے ہماری روحانی صفائی کا بھی انتظام فرمایا۔ اسلام ہم سے ظاہری و باطنی صفائی کا طالب ہے۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ طہارت کے چار مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو تمام گندگیوں سے پاک رکھے۔ دوسرا یہ کہ اپنے اعضاء کو گناہوں اور نافرمانیوں سے پاک رکھے۔ تیسرا یہ کہ اپنے دل کو بری عادتوں سے پاک رکھے۔ اور چوتھا یہ کہ دل کو ماسوائے خدا کے خیال سے خالی رکھے۔ یہ ہے اسلام کی

کامل طہارت اور پاکیزگی۔

میرے بزرگو اور دوستو! اسلام ہی ایک ایسا دین ہے۔ جس نے ظاہری و باطنی صفائی کی تعلیم دی ہے۔ اسلام کے سوا دوسرا کوئی ایسا مذہب نہیں جس میں ایسی پاکیزہ تعلیم ہو۔ ہاں بعض مذاہب نے کسی حد تک دل کی صفائی پر تو زور دیا۔ مگر جسم کی صفائی کو نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اخلاق کا تعلق صرف دل سے ہے۔ حالانکہ دل و دماغ اور جسم کا ایک دوسرے سے ایسا گہرا اور مضبوط تعلق ہے کہ لازمی طور پر ایک دوسرے کا اثر قبول کرتا ہے۔ اور طہارتِ جسمانی کا اثر تصفیہ قلب پر ضرور پڑتا ہے۔ جسم کی صفائی کے بغیر دل کی صفائی مشکل ہے۔ اسی لئے قرآن نے یہ تعلیم دی کہ رَبَّکَ فَکَبِّرْ وَ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ۔ یعنی رب کی بڑائی بیان کر۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ اور حدیث نے یہ ارشاد فرمایا کہ بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَةِ۔ یعنی دین کی بنیاد پاکی و نفاست پر ہے۔

نئی تہذیب کی صفائی

میرے دوستو! ایک صفائی نئی تہذیب کی بھی ہے بظاہر جسم و لباس صاف اور ستھرا۔ لیکن جسم و لباس پیشاب کی چھینٹوں سے ملوث۔ حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے اسی لئے فرمایا کہ اِسْتَنْزِهُوْا عَنِ الْبَوْلِ۔ یعنی پیشاب کی چھینٹوں سے بچو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم تھا۔ کہ ایک طبقہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والا پیدا ہوگا۔ جو کھڑے کھڑے ہی پیشاب کر دیا کرے گا اور چھینٹوں سے ملوث ہوا کرے گا۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ ایک اَپ ٹوڈیٹ والد نے جو کھڑے کھڑے پیشاب کرنے کا عادی تھا۔ اپنے بیٹے سے کہا۔ بیٹا دیکھو میں نے کس قدر ترقی حاصل کی ہے۔ اب مزہ جب ہے کہ تم مجھ سے بھی بڑھ کر ترقی حاصل کرو۔ بیٹے نے جواب دیا۔ ابا جان! ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ ایک دن ہونہار لڑکے کو پیشاب جو لگا۔ تو وہ بانس کی سیڑھی کے اوپر چڑھ کر اوپر کے ڈنڈے پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ باپ نے کہا ارے نالائق

یہ کیا بدتمیزی؟ بیٹا بولا۔ ابا جان! بدتمیزی نہیں۔ ترقی اور آپ سے بھی بڑھ کر ترقی۔ آپ نے ہی تو کہا تھا۔ کہ مجھ سے بھی بڑھ کر ترقی حاصل کرنا۔ تو آپ جب کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں۔ پھر میرے لئے تو ترقی کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ میں سیڑھی لگا کر پیشاب کروں۔

تو میرے بھائیو! یہ ہے نئی تہذیب کی صفائی۔ اور اسلام کی صفائی یہ ہے کہ جسم بھی صاف اور پاک ہو۔ کپڑے بھی صاف اور پاک ہوں۔ اور روح بھی صاف ستھری ہو۔ جسم و روح دونوں ہر قسم کی نجاست سے پاک ہوں۔

میرے بھائیو! اسلام کا اصل مقصد تو روحانی صفائی ہے۔ لیکن روحانی صفائی کے لئے چونکہ جسمانی صفائی ضروری ہے۔ اس لئے اسلام میں اس کی بھی بڑی تاکید ہے۔ اور جا بجا ان دونوں صفائیوں کی تعلیم و انتظام فرمایا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ اس راز کو صرف اسلام ہی نے پایا ہے ورنہ بتائیے۔ کہ عبادت کے ساتھ ساتھ ظاہری صفائی غسل و وضو اور نئے کپڑے خوشبو وغیرہ کا کس مذہب نے درس دیا ہے؟ اور ظاہری صفائی کے جو احکام اسلام میں ہیں۔ کس دین میں ہیں؟ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ یہ وضو اسلام ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ طہارت کی وہ پاکیزہ اور دل پسند صورت ہے۔ جو ہمیں اسلام کے سوا کہیں نظر نہیں آتی۔ اس میں وہ ساری باتیں آ جاتی ہیں۔ جن کی آج کل طبی اصول شدت کے ساتھ تاکید کرتے ہیں۔ اور جن کی رعایت صحت جسمانی کے لئے ضروری ہے۔

میرے دوستو! وضو جو طہارتِ جسمانی کرتا ہے۔ اسلام نے اس کے ساتھ ہی ساتھ توبہ و استغفار کو بھی رکھ کر طہارت روحانی کو بھی پہلو بہ پہلو رکھا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے ہوئے جو دعائیں مانگتے تھے۔ ان میں سے ایک دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ —

"اے اللہ تو مجھے توبہ کرنے والوں اور طہارت چاہنے والوں میں شامل کر دے"

توبہ استغفار باطنی طہارت ہے۔ اور وضو و غسل ظاہری طہارت ہے۔ اسلام نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔

عید کے دن

میرے دوستو! یہ جو عید کے دن نہانے نئے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے کی اسلام میں تعلیم دی گئی ہے۔ یہ بھی اسی جسمانی اور ظاہری صفائی ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ عید کے دن مسلمان نہاتے ہیں۔ نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ اور جسمانی صفائی و طہارت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن میرے بھائیو! ہمارے ان صاف اُجلے اور نئے کپڑوں اور نہائے ہوئے اور خوشبو سے ہوئے جسم کے اندر اگر ہماری روح خلافِ شرع حرکات اور اللہ کی نافرمانیوں کی نجاست سے ملوّث ہو۔ تو ان نئے کپڑوں اور نہائے ہوئے بدن کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کا کیا فائدہ؟ یہ تو ایسا ہوگا۔ جیسے زہر کی پڑیا پر شہد کی چٹ لگا دی جائے۔

میرے عزیزو! روزہ ایک بھی نہ رکھا ہو۔ مہینہ بھر اللہ کی نافرمانی میں گزارا ہو۔ بجائے مسجد کے ساری راتیں سینما میں کٹی ہوں۔ بجائے تلاوتِ قرآن کے فلمی غزلیں نوکِ زبان پر رہی ہوں۔ گویا روح کو دن رات نجاست ہی میں لوٹ رکھا ہو۔ اور آج عید کے دن نئے کپڑے پہن کر عید گاہ میں آ گئے۔ تو یہ تو گویا ایک نجاست تھی۔ جس پر چاندی کا ورق چسپاں کر کے اس کی نمائش کر دی گئی ہے۔

از بروں طعنہ زدی بر بایزید
وز درونت ننگ مے دارد یزید

خوشی کا دن

میرے بزرگو! آپ نے میرے پچھلے وعظ میں جو شہرِ رمضان کے متعلق میں نے سنایا تھا۔ یہ حدیث آپ نے سُنی۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کے مہینہ کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت ہے۔ دوسرا مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا عشرہ ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ مہینہ رحمت و مغفرت

اور جہنم سے آزادی کا مہینہ ہے۔ اور اُدھر قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔ کہ

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ یعنی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی خوشی مناؤ

تو اس مہینہ بھر میں جو ہم پر اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت ہوئی۔ اور جہنم سے آزادی ملی۔ عید کے دن ہم اس رحمت و انعام الٰہی کی خوشی مناتے ہیں۔ اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

اور سنئے! کہ رعایا کس قدر خوش ہوتی ہے۔ جب ان کی بھلائی اصلاح اور ترقی کے لئے گورنمنٹ کوئی قانون نافذ کرتی ہے۔ اور عموماً ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہر سال اسی مہینہ کی اسی تاریخ کو اس کی یادگار کے طور پر خوشی منائی جاتی ہے۔ ایک طالب علم کو کتنی خوشی ہوتی ہے۔ جب وہ پاس ہو جاتا ہے۔ رمضان شریف ایک ایسا مہینہ ہے۔ جس میں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی اور اصلاح و ترقی کے لئے ایک خدائی قانون۔ یعنی قرآن مجید نازل ہُوا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہر ایک مسلمان کی حرارت ایمانی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ پس زندگی کا ایک بہترین دستور العمل پاکر۔ اور ایک مہینہ کے سخت امتحان میں کامیاب ہو کر ایک مسلمان کا خوش ہونا فطری بات ہے۔ عید اسی خوشی کا نام ہے۔

صدقۂ فطر

میرے بھائیو۔ اسلام ایک عالمگیر ہمدردی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ عالم ہیں۔ آپ کی رحمت سے کوئی محروم نہیں رہا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غربا و مساکین۔ اور یتیموں کی طرف نظر خاص رکھتے۔ اور ہر طرح ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ ؎

سَلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سَلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی

سبحان اللہ: اتنی بڑی شان کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

اور اس قدر تواضع کہ جس کا کوئی نہیں۔ اس کے حضور ہیں۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

کنزِ ہر بیکس و بے نوا پر درود!!
حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بے کس کی دولت پہ لاکھوں درود
مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام
خلق کے داد رس سب کے فریاد رس
کہف روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام

ہاں تو اس خوشی کے دن یعنے روز عید میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زہاد و مساکین کی طرف خیال رکھنے کی بھی تعلیم دی۔ اور غریبوں یتیموں۔ اور مسکینوں کو بھی اس خوشی میں شریک کرنے کے لئے صدقۂ فطر کا حکم دیا۔ "تاکہ وہ نادار افراد جو اپنی ناداری کے باعث اس روز عید کی خوشی نہیں منا سکتے۔ وہ بھی خوشی منا سکیں۔

تکبیر و نماز عید کے روز ہر مسلمان تکبیر کہتا ہے۔ اور خدا کی بڑائی بیان کرتا ہے۔ اور نماز ادا کرتا ہے۔ اس تکبیر و نماز میں ایک یہ بھی راز مضمر ہے۔ کہ مسلمان کے پیشِ نظر ہر وقت خدا ہے۔ عموماً انسان خوشی میں خدا کو بھول جاتا ہے۔ اور فرطِ انبساط میں بے جا حرکتیں بھی کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ ظفر شاعر نے کہا ہے کہ ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانیو ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکار
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

پس اس غرض سے کہ کہیں لوگ عید کی خوشی میں خدا ہی کو نہ بھول جائیں۔ خدا کا نام ہمیشہ زبان پر ہونا ضروری تھا اس خطرے کا سدِ باب عید کے دن تکبیر اور نماز نے کر دیا۔

فضول خرچی میرے بھائیو! عید کا مطلب و مقصد تو یہ تھا۔ جو آپ سن چکے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہم نے

عید کا مقصد صرف یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ اس دن نئے اور بھڑکیلے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ خوب کھایا پیا جاتا ہے۔ رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں۔ رقص و سرود کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ناچ گانے اور تھیٹر سینما کی مجلسوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور جی کھول کر وقت اور پیسہ خلافِ شرع حرکات میں برباد کیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس ہم نے اس مبارک دن کو کس قدر غلط سمجھ لیا ہے۔ میرے بھائیو! عید کا یہ مقصد ہرگز نہیں ان خلافِ شرع باتوں سے عید کا دن تو ہمارے لئے وعید کا دن بن جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ ان فضول خرچوں کو قرآن میں شیطان کا بھائی فرماتا ہے۔ تو یہ حرکتیں خدا کو خوش کرنے والی نہیں۔ پھر ہم کیوں ان حرکتوں کا ارتکاب کریں خدا کو بھی ناراض کریں۔ اور اپنا مال بھی برباد کریں میرے بھائیو! انسان اور حیوان میں جو مابہ الامتیاز فرق ہے۔ وہ عقل و تدبیر، دور بینی اور مآل اندیشی ہے۔ حیوان کو کل کی فکر نہیں ہوتی اور اس کی کوئی حرکت دور اندیشی کے ماتحت نہیں ہوتی۔ برخلاف انسانوں کے۔ کہ انہیں نہ صرف کل ہی کی نہ بلکہ مسلمان ہو۔ تو اُسے اس دنیاوی زندگی کے بعد اخروی زندگی کی بھی فکر ہوتی ہے۔ پس عاقل اور دور اندیش انسان وہ ہے۔ بلکہ انسان ہی وہ ہے۔ جو کل کی بھی فکر کرے۔ اور دور اندیشی سے کام لے۔ ورنہ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلّ کا وہ مصداق ہوگا۔ مگر آہ! آج کل تو اس دور اندیشی کا نام تک نہیں رہا۔ اس فانی زندگی ہی میں کل کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ بلکہ جو کچھ ملے۔ ان فضول خرچیوں میں برباد کر دیا جاتا ہے۔ پھر اخروی زندگی کے لئے کچھ بنانا تو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ الیسے لوگ تو زندگی کا مقصد محض کھانا پینا اور سونا سمجھتے ہیں۔ اور بقول اکبر الہ آبادی۔ ؎

کیا کہوں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن لی پھر مر گئے

یعنے خدا کا کبھی بھول کر بھی نام نہ لیا۔ بس کھایا پیا اور مر گئے۔
بس یہ ہے ایسے لوگوں کی زندگی بے بندگی۔ اور ؎

زندگی بے بندگی شرمندگی
زندگی با بندگی تابندگی

عید یا وعید بھائیو! — عید کو ان خرافات کا ارتکاب کر کے اپنے لئے وعید نہ بنالو۔ اور یاد رکھو۔

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِیْدَ۔ اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ خَافَ الْوَعِیْدَ
عید اس کی نہیں۔ جس نے نئے کپڑے پہن لئے۔ عید اس کی ہے۔ جو عذاب الہٰی سے ڈر گیا۔

غوث اعظم کی عید اللہ کے مقبول بندوں کی ایک ادا ہمارے لئے موجب صد درس و سبق ہوتی ہے۔ دیکھئے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کتنی بڑی ارفع و اعلیٰ شان ہے۔ لیکن باوجود اتنی بڑی شان کے ہمارے لئے وہ کیا چیز پیش فرماتے ہیں؟ سنئے —! آپ نے اپنی ایک رباعی میں ارشاد فرمایا ہے ؎

خلق گوید کہ فردا روزِ عید است
خوشی در روحِ ہر مومن پدید است
دراں روزے کہ با ایماں بمیرم
مرا در ملک خود آں روزِ عید است

یعنے لوگ کہہ رہے ہیں۔ کہ کل عید ہے۔ کل عید ہے۔ اور سب خوش ہیں۔ لیکن جس دن میں اس دنیا سے ایمان محفوظ لے کر گیا۔ میرے لئے وہ دن عید کا دن ہوگا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! کیا شانِ تقویٰ ہے۔ اتنی بڑی شان کہ اولیاء کرام کے سرتاج۔ اور اس قدر تواضع و انکسار۔ یہ سب کچھ درص ہمارے لئے تعلیم و درس ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے کہ خبردار! کوئی ایسا کام نہ کرنا۔ جس سے تمہاری عاقبت خراب ہو جائے۔

میرے بھائیو! اب تم خود ہی سوچو۔ کہ ہم جن فضول خرچیوں اور خلافِ شرع حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیا یہ عاقبت کو خراب کرنے والی نہیں؟ اور کیا یہ ہماری غفلت اور ناعاقبت اندیشی نہیں؟

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایک سنار اپنی دکان پر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ کہ ایک ضعیف العمر بڑھیا جس کے ہاتھ رعشہ سے کانپ رہے تھے۔ دکان پر آئی اور کہنے لگی۔ (اردو اشعار میں ترجمہ) ؎

دے ترازو تولنا ہے مجھ کو زر
میں ابھی دیتی ہوں واپس تول کر

بڑھیا نے سنار سے جب سونا تولنے کے لئے ترازو مانگا تو ؎

یہ کہا زرگر نے اور کھائی قسم
کام چھلنی سے مجھے پڑتا ہے کم

سنار نے کہا۔ میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔ بڑھیا بولی! مگر میں چھلنی کب مانگ رہی ہوں۔ مجھے تو کانٹا چاہیئے۔ سنار بولا پھر ؎

یہ کہا زرگر نے اماں کر یقین!
پاس میرے اس گھڑی جھاڑو نہیں

بڑھیا نے کہا۔ مجھ سے کیوں مذاق کرتے ہو؟ میں کانٹا مانگ رہی ہوں۔ اور تم کبھی کہتے ہو میرے پاس چھلنی نہیں۔ اور کبھی کہتے ہو۔ جھاڑو نہیں ہے۔ سنار نے جواب دیا۔ اماں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں تیرے پاس میں نے دیکھا ہے۔ کہ سونے کے ریزے ہیں۔ اور تو نے انہیں باریک ریزوں کو تولنا ہے۔ اور تیرے ہاتھوں کو رعشہ بھی ہے اور تیری نظر بھی کمزور ہے۔ تو اس حال میں اگر تم کانٹا لے گئی۔ تو کانپتے ہاتھوں سے سونے کے ریزے تولو گی۔ تو یقیناً کچھ ریزے زمین پر گر جائیں گے۔ اور پھر ؎

؎

جھاڑو اور چھلنی کرے گی تو طلب
مجھ پہ آجائے گا ناحق پھر غضب
کام اپنا چھوڑ کر جاؤں گا میں
جب کہیں سے ڈھونڈ کر لاؤنگا میں
یہ بکھیڑا مجھ کو آتا ہے نظر!
اس لئے بچتا ہوں مجھ پر رحم کر

مولانا رومی نے اس حکایت سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے۔ ؎

کام سے پہلے ہے لازم سوچنا
یہ کہ ہے اس کام کا انجام کیا

میرے بھائیو! یہ جو ہم نے فضول خرچیوں اور خلاف شرع حرکتوں کو اپنا رکھا ہے۔ ذرا سوچ لو۔ کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور دور اندیشی سے کام لو۔ اس سرائے فانی میں انسانوں کی طرح رہو۔ مسلمان بنو۔ مسلمان جیو اور مسلمان مرو۔ ؎

کاٹتے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرائے میں مہمانوں کی طرح

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

۲۳ تیئسواں وعظ

قربانی کا وعظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (پ ع ۱۶)

جب کہ اس سے اس کے رب نے فرمایا۔ گردن رکھ دو تو کہا میں نے
گردن رکھی اس کے لئے جو رب ہے سارے جہان کا

حضرات! — آج میں بڑی عید یعنی عید قربان کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ عید قربان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی سے خاص تعلق ہے۔ اس لئے آج میں نے ایک ایسی آیت پڑھی ہے۔ بس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔

بھائیو! یہ تو سب جانتے ہیں۔ کہ محرم شریف میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اللہ کی

راہ میں قربان ہوئے۔ سی طرح ذوالحجہ شریف کے مہینے کا بھی ایک عظیم الشان قربانی سے تعلق ہے۔ اس مبارک مہینے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خدا اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کو لٹا دیا تھا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے برضاء و رغبت اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش فرما دیا تھا۔ اور مقدس باپ نے مقدس بیٹے کی گردن پر رضائے حق کی خاطر چھری رکھ کر مسلمانوں کو یہ سبق دیا تھا۔ کہ مسلمان وہ ہے۔ جو اپنی جان و مال در پنی خواہشوں کو اللہ کے لئے قربان کر دے۔ جس کی زندگی اللہ کے لئے ہو۔ اور موت بھی اللہ ہی کے لئے ہو۔ ور جو راہِ خدا میں مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

اسلام

میرے بزرگو اور بھائیو! اسلام کا سیدھا سادہ معنی ہے۔ "گردن رکھنا یعنے مان لینا" یعنی مسلم وہ ہے۔ جو خدا کے حکم کے آگے گردن رکھ دے۔ یعنی اس کے حکم کو مان لے۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو کسی بات کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ مان لے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اور عرض کیا۔ کہ میں نے مان لیا۔ مسلمانو! خوب یاد رکھو۔ کہ مسلمان کا یہی کام ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اُسے جو بھی حکم فرمائے۔ وہ فوراً مان لے۔ اور کوئی چون و چرا نہ کرے۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ خدا کے حکم کے سامنے مسلمان کا نقشہ یہ ہونا چاہیئے ؎

مصوّر دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو
اُدھر حکمِ الٰہی ہو ادھر گردن جھکائی ہو

خلیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مبارک زندگی میں ہمارے لئے بہت سے سبق موجود ہیں۔ آیئے! یہ دیکھیں۔ کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا لقب خلیل کیوں مشہور ہوا۔ علماء نے لکھا ہے۔ کہ:۔

سَمَّاهُ رَبُّهُ خَلِيْلَهُ لِاَنَّهُ سَلَّمَ نَفْسَهُ اِلَى النِّيْرَانِ.
وَمَالَهُ اِلَى الضَّيفَانِ. وَوَلَدَهُ اِلَى الْقُرْبَانِ. وَقَلْبَهُ
اِلَى الرَّحْمَانِ ـــــ (کشف الاسرار)

یعنی اللہ نے آپ کا نام خلیل اس لئے رکھا۔ کہ انہوں نے اپنی جان کو رضائے حق کی خاطر آگ میں ڈال دیا۔ مال کو راہِ خدا میں مہمانوں اور مسافروں پر خرچ کر دیا۔ اپنے بیٹے کو خوشنودیٔ حق کی خاطر قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور اپنا دل اللہ ہی سے لگایا۔

مال کی قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے علاوہ مال و دولت کی کثرت بھی عطا فرمائی تھی۔ ایک مرتبہ چند فرشتے بشریت کے لباس میں سائل بن کر درِ اقدس پر حاضر ہوئے۔ اور سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَ الْمَلَكُوْتِ. سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ الخ پڑھ کر اللہ کی راہ میں کچھ مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب حقیقی کا ذکر پاک سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ مجھے میرے پیارے محبوب کا پیارا ذکر پھر سناؤ۔ فرشتوں نے (جو بشریت کے لباس میں خلیل علیہ السلام کی خلّت کو دیکھنے آئے تھے) جواب دیا۔ اگر آپ کچھ دیں تو ہم پھر وہی پیارا نغمہ سنائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ فرمایا۔ میرا بکریوں کا ریوڑ موجود ہے۔ آدھا ریوڑ تم لے لو۔ اور مجھے میرے محبوب کا ذکر پھر سناؤ۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھیڑا۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ اور سناؤ جواب ملا۔ کہ باقی کا آدھا ریوڑ بھی دے دیجئے۔ تو ہم سناتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ فرمایا۔ اچھا جاؤ باقی کا ریوڑ بھی تمہارا۔ مگر محبوب کا نام پھر سناؤ۔ اور اسی نغمہ سے پھر مسرور کرو۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھیڑا۔ اور حضرت خلیل کو مسرور کیا۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے پھر فرمایا۔ کہ ایک بار ہی نام پھر

تو جواب ملا۔ کہ اب تو آپ کے پاس ریوڑ میں سے کچھ رہا ہی نہیں۔ اب آپ کیا دیں گے؟ فرمایا اس ریوڑ کی خدمت کے لئے مجھی کو ساتھ لے چلنا۔ مگر محبوب کا ذکر ضرور سناؤ۔ فرشتوں نے یہ ایثار و شوق دیکھا۔ تو عرض کیا۔ حضور! مان لیا۔ کہ واقعی آپ خلیل ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو آپ کے ایثار کا جلوہ دیکھنے کو آئے تھے۔

دیکھئے۔ اس واقعہ سے حضرت خلیل علیہ السلام کے مال کو راہِ حق میں خرچ کر دینے کا پتہ چلتا ہے۔

مال کی تین قسمیں

حضرات! مال کی تین قسمیں ہیں۔ فرعونی۔ قارونی اور خلیلی۔ فرعون نے اپنے مال و دولت کو بلند بلند عمارتوں پر صرف کر دیا تھا۔ قارون نے اپنے مال کو زمین میں دبا دیا تھا اور حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنا مال راہِ حق میں قربان کر دیا تھا۔ تو میرے بھائیو! آج بھی جس شخص کا مال اونچی اونچی بلڈنگوں اور کوٹھیوں پر تو صرف ہو۔ اور راہِ حق میں پائی بھی خرچ نہ ہو۔ تو وہ مال فرعونی مال ہے۔ اور جس شخص کا مال زمینوں اور بنکوں ہی میں دفن اور جمع رہے۔ تو وہ مال قارونی مال ہے۔ اور جس نیک شخص کا مال اللہ کی راہ میں خرچ ہوتا رہے۔ تو وہ **مال خلیلی** مال ہے۔ تو اے میرے بزرگو اور بھائیو! اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو۔ کہ آپ کا مال کونسی قسم کا مال ہے۔ اور کوشش کرو۔ کہ آپ کا مال نہ فرعونی مال بنے۔ نہ قارونی مال۔ بلکہ خلیلی مال ثابت ہو۔

کمیونزم

حضرات! آج کل دنیا میں کمیونزم کا بڑا چرچا ہے۔ اور یہ ایک ظالمانہ نظام ہے۔ مگر اس نظام کے پنپنے کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جو مال و دولت کو راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے۔ اگر یہ مال اللہ و رسول کی مرضی کے مطابق خرچ ہوتا رہے۔ تو کمیونزم کا کوئی خطرہ نہ رہے۔ مگر ان کنجوس سرمایہ داروں کو اللہ ہی ہدایت دے۔ جو دینی و قومی کاموں میں

کچھ صرف کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جن لوگوں کا ان کے مال میں حق ہے ان کو ان کا حق بھی دینے کو تیار نہیں۔ یاد رکھیئے کہ صاحب نصاب کے کے مال میں غریبوں۔ یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے۔ اور جو اپنے مال سے زکوٰۃ و صدقات نہیں دیتے۔ وہ حقداروں کا حق دباتے ہیں۔ ایسے لوگ مر جانا منظور کر لیتے ہیں۔ مگر کچھ خرچ نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے

لطیفہ

کہ ایک رئیس آدمی جو بڑا بخیل تھا۔ مرنے لگا۔ تو مرتے ہوئے کسی نے اس سے کہا کہ سیٹھ صاحب۔ اب تو آپ مر رہے ہیں۔ اب تو کچھ خدا کی راہ میں دیتے جاؤ۔ تو بخیل امیر نے آنکھ کھولی اور بولا۔ "جان تو دے رہا ہوں اور کیا دوں"

دیکھا آپ نے کہ مرتے ہوئے بھی اپنا ریکارڈ نہیں توڑا۔ مسلمانو! وہ مال بھی کس کام کا۔ جس میں سے خدا کے نام پر کچھ خرچ نہ ہو۔ اور وہ گھر بھی کیسا برا گھر ہے۔ جس گھر سے خدا کے نام پر کچھ نہ نکلے

مثنوی کی ایک حکایت

مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک فقیر ایک دروازے پر آیا۔ اور کہا اللہ کے نام پر ایک روٹی مل جائے۔ اندر سے جواب ملا۔ یہ کوئی نانبائی یا ہوٹل نہیں ہے۔ فقیر نے کہا اچھا مٹھی بھر آٹا ہی مل جائے۔ اندر سے جواب ملا۔ یہ کوئی آٹے کی دکان یا ڈپو نہیں ہے۔ فقیر بولا۔ "اچھا تھوڑا سا پانی ہی پلا دو۔" اس کا جواب ملا۔ کہ بابا! یہ کوئی کنواں یا سبیل نہیں ہے۔ فقیر نے یہ جواب سنا۔ تو جھٹ گھر کے اندر داخل ہو کر صحن میں رفع حاجت کے لئے بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ جو جگہ نہ ہوٹل ہے۔ نہ دکان نہ کنواں اور نہ کوئی اور ضروری جگہ۔ تو وہ جگہ تو پھر جنگل ہوئی۔ تو میں کیوں نہ جنگل میں رفع حاجت ہی کر لوں

اس حکایت کا مقصد یہ ہے۔ کہ جس گھر سے اللہ کے نام پر کچھ نہ نکلے۔ وہ ناپاک گھر تو پھر نجاست و غلاظت ہی کے لائق ہے۔

ایثارِ صدیق

میرے بزرگو! اللہ کی راہ میں قربانیٔ مال کا مظاہرہ سیرتِ صدیق رضی اللہ عنہ میں دیکھیے۔ ایک جنگ کے موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ کی راہ میں کچھ دو۔ تو اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی پچاس فیصدی پونجی حضور کی خدمت میں لے آئے۔ یعنی اپنے سارے مال کا نصف گھر کے لئے رکھا۔ اور نصف بارگاہِ نبوی میں لاکر پیش کر دیا۔ اور آپ اپنے اس عظیم ایثار پر مطمئن تھے۔ کہ الحمد للہ اللہ نے اس ایثار کی توفیق بخشی۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سو فیصدی سارا مال و اسباب حضور کی بارگاہ میں لے آئے ہیں۔ اور سب کچھ پیش کر دیا ہے۔ فاروق اعظم حیران رہ گئے اور حضور نے مسکراتے ہوئے اپنے یارِ غار صدیق اکبر سے فرمایا۔ اے صدیق! تم سب کچھ تو یہاں لے آئے۔ اور اپنے گھر کے لئے کیا چھوڑ آئے؟ صدیق نے دست بستہ عرض کیا حضور! ؎

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

دیکھا آپ نے یہ ہے ایثار و اسلام۔ ایک ہم بھی ہیں۔ کہ تنخواہ میں سے اڑھائی روپیہ دیتے ہوئے بھی جان نکلتی ہے۔ ؎

آہ! اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

قربانیٔ اولاد

حضرات! اب آیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا راہِ حق میں اپنے بیٹے کو قربان کر دینے کا واقعہ بھی سنئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم حق ہوتا ہے کہ اپنا بیٹا خدا کی راہ میں قربان کرو۔ یہ خواب حضرت خلیل نے تین رات متواتر دیکھا اور خدا کا حکم پاکر حضرت خلیل علیہ السلام اپنے لختِ جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کو آمادہ ہو گئے۔

ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو آپ نے حضرت اسمٰعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ سے فرمایا۔ کہ میں اسمٰعیل کو آج ایک بہت بڑے سخی کے ہاں مہمان لے جاؤنگا تم اسے نہلا دھلا کر عمدہ کپڑے پہنا دو۔ پھر آپ نے ایک رسی اور ایک چھری لی۔ اور بیٹے سے فرمایا کہ جلدی تیار ہو جاؤ۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت سات سال کی تھی۔ حضرت ہاجرہ نے بیٹے کو تیار کیا۔ بیٹا تیار ہو کر خوشی خوشی اپنے والد کے ہمراہ چلا۔ اور یہ دونوں باپ بیٹا علیہما السلام باہر جنگل میں پہنچے۔

حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ مقدس جذبہ وارادہ دیکھ کر شیطان بڑا گھبرایا اور جھٹ ایک اچھی سی صورت کا بھیس بدل کر حضرت ہاجرہ کے پاس پہنچا۔ اور کہا ہاجرہ! کچھ جانتی بھی ہو۔ بیٹا کہاں گیا ہے؟ فرمایا وہ اپنے باپ کے ہمراہ کسی سخی کا مہمان بن کر گیا ہے۔ شیطان نے کہا۔ نہیں ہاجرہ وہ تو ابراہیم اسے ذبح کرنے لے گئے ہیں۔ جلدی پیچھا کر۔ اور اپنے بیٹے کو بچا۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا۔ کیا کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے؟ شیطان کے منہ سے نکل گیا۔ کہ یہ ٹھیک ہے۔ مگر ابراہیم کو خدا نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا۔ اگر خدا کا حکم ہے۔ تو پھر تم شیطان معلوم ہوتے ہو۔ نکل مردود مجھے بہکانے آئے ہو۔ خدا کے حکم پر میرا بیٹا قربان ہوتا ہے۔ تو ضرور ہو۔ شیطان یہ جواب سن کر خائب وخاسر وہاں سے پلٹا۔ اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس آیا۔ اور ان کو ڈرایا۔ کہ تمہیں ذبح کرنے کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔ حضرت اسمٰعیل نے بڑا حیران ہو کر پوچھا۔ کہ کیا باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کر سکتا ہے؟ تو وہاں بھی شیطان نے اللہ کے حکم کا ذکر کر دیا۔ تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی وہی جواب دیا۔ جو حضرت ہاجرہ نے دیا تھا۔ پھر شیطان نے حضرت ابراہیم کو بھی اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا۔ مگر وہاں سے بھی خائب و خاسر لوٹا۔ پھر یہ باپ بیٹا جنگل میں ایک مقام پر پہنچ کر رک گئے۔ اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے اسمعیل علیہ السلام کو سامنے کھڑا کرکے فرمایا۔

یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔

اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں اللہ کی راہ میں تجھے اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟

میرے بھائیو! تم بھی اولاد والے ہو۔ ذرا اپنی اپنی اولاد اور اپنے پیارے بیٹوں کی محبت سامنے لاکر سوچو۔ اور دیکھو ایک باپ چھری ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے لاڈلے بیٹے۔ اور پیارے کمسن بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر ڈالنے کے لئے آمادہ اور تیار ہے۔ سامنے اس کا پیارا بیٹا ذبح ہونے کے لئے کھڑا ہے۔ باپ بغیر کسی پس و پیش کے بیٹے کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔ اب آپ سوچتے ہوں گے۔ کہ وہ کمسن بیٹا شاید ڈر گیا ہوگا۔ کہ ابا جان! مجھے ذبح نہ کرو۔ مجھے چھوڑ دو۔ نہیں۔ نہیں! بلکہ پیغمبر کے بیٹے نے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے ابا جان کو یہ جواب دیا۔ کہ

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔

اے باپ! جس کام کا آپ کو حکم مل چکا ہے وہ کام جلدی کیجئے۔ میری فکر نہ کیجئے۔ انشاء اللہ میں یہ امتحان صبر سے دونگا۔

سبحان اللہ! کیا ہی اطمینان آمیز جواب ہے۔ اور کیا ہی ایمان افروز رشد ہے۔ یہ ہے اسلام۔ کہ اللہ کے حکم کے آگے باپ بیٹے مطیع اسلام دونوں جھک گئے۔

چنانچہ حضرت اسمعیل علیہ السلام لیٹ گئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی۔ ملائکہ یہ نظارہ دیکھ کر ان دونوں کی اس قربانی پر قربان ہونے لگے۔ حتیٰ کہ باپ کے ہاتھ نے اللہ کی راہ میں بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی۔ تو فوراً رحمتِ حق جوش میں آئی اور فرمایا

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔

اے ابراہیم! بس تم نے اپنا خواب سچا کردکھایا۔

اور حکم الٰہی کی تعمیل کر چکے۔ چھری چل گئی۔ مگر حضرت ابراہیم نے دیکھا۔ کہ اسمٰعیل الگ کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اور ذبح ہونے والا ایک دنبہ ہے۔ جسے جبریل نے جنت سے لاکر اسمٰعیل کی جگہ لٹا دیا تھا۔ اور اسمٰعیل کو الگ کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔ باپ بیٹا دونوں اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور یہ سنت خلیلی قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے لئے قائم ہو گئی۔ اور ہر صاحب استطاعت مسلمان پر ان دنوں جانور کی قربانی لازم ہو گئی۔

عید قربان کی حقیقت

مسلمانو! عید قربان اسی ابراہیمی و اسمٰعیلی قربانی کی یادگار ہے۔ اس موقعہ پر کروڑوں جانور اللہ کے نام پر ذبح ہوتے ہیں۔ اور اس طرح قربانیٔ خلیل کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ اور مسلمان کو یہ درس ملتا ہے۔ کہ وہ اللہ کے نام پر اپنا مال و جان سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ رہے۔ انشاء اللہ یہ یاد قیامت تک تازہ کی جاتی رہے گی۔ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ کا یہی مطلب ہے۔

الحاد

میرے بھائیو! اس پرفتن دور میں قربانی کے خلاف بھی آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔ اور الحاد کی زبان سے اس کے خلاف عجیب عجیب باتیں سننے میں آنے لگی ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کا صاف صاف حکم موجود ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یعنی اپنے رب کے لئے نماز پڑھ۔ اور قربانی کر۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ یوم النحر یعنے قربانی کے دن بنی آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک قربانی سے زیادہ پیارا نہیں۔ اور دوسری حدیث میں وارد ہے۔ کہ عید کے روز ہم پہلے نماز پڑھیں گے۔ اور پھر قربانی دیں گے۔ جس نے ایسا کیا۔ اس نے میرے طریق کو پا لیا۔ اسی طرح متعدد احادیث میں قربانی کے متعلق ارشاداتِ نبویہ موجود ہیں۔ مگر الحاد یہ کہتا ہے کہ قربانی پر ہر سال لاکھوں روپیہ برباد جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) یہی روپیہ قومی کاموں میں صرف ہونا چاہیئے۔ ایسے لوگوں سے کوئی پوچھے۔ کہ احکام الٰہی کو ترک کرکے روپیہ بچانے کے بعد پھر وہ کونسی قوم باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے کاموں میں وہ روپیہ خرچ ہو۔ قومیں تو بنتی ہی دین و مذہب سے ہیں۔ جب دین ہی

باقی نہ رہا۔ صرف باقی کیا رہا۔ قوم کہاں رہی؟ قربانی پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے۔
یہ خود قومی کام ہی پر تو خرچ ہوتا ہے۔ اور اگر قومی کاموں سے مراد یہ ہے۔
کہ کرکٹ میچ منعقد کئے جائیں۔ مینا بازار لگائے جائیں۔ کلب گھر، سینما، تھیٹر
تعمیر کئے جائیں۔ تو یہ قومی کام ہی کب ہیں؟ اور اگر قومی ہی ہیں تو اس
قوم کے قومی ہیں۔ جو نئی تہذیب نے ایک ایسی نئی قوم تیار کر دی ہے
جس کے نزدیک دین و مذہب کی باتیں سب فرسودہ ہیں۔ اور جو ہر بات میں
جدت کی خواہاں ہے۔ تو ایسی قوم کا حق ہی کیا ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کا پیسہ
اپنے قومی کاموں پر صرف کرے۔ مسلمان کا پیسہ اللہ و رسول کا دیا ہوا ہے۔
اور وہ اللہ و رسول ہی کی مرضی سے خرچ بھی ہوگا۔ اور اس خرچ کے خلاف وہی
شخص ہو سکتا ہے۔ جو اپنے پنچ و ڈنر اور ٹی پارٹیوں پر ہزاروں روپے خرچ کر
کے یوں کہتا پھرتا ہے۔ کہ میں بڑا خادم وطن ہوں۔ حالانکہ ہوتا وہ خادم بطن ہے

خواجہ حسن نظامی

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ تقسیم سے پہلے دہلی
کے خواجہ حسن نظامی نے قربانی کے متعلق ایک تقریر
نشر کی تھی۔ اور یہ کہا تھا۔ کہ قربانی پر جو پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں
کو چاہیئے۔ کہ وہ بجائے جانور ذبح کرنے کے کسی غریب کو یا کسی قومی فنڈ
میں نقد پیسے دے کر اپنی قربانی ادا کریں۔ گویا جس طرح اللہ و رسول نے
فرمایا ہے۔ اس طریق کو چھوڑ کر حسن نظامی صاحب کا طریق اختیار کریں۔ حالانکہ
کوئی خرچ اگر خلافِ اصول و قانون خرچ کیا جائے۔ تو وہ بظاہر چاہے کیسا
ہی خوش کن کیوں نہ ہو۔ کبھی مقبول نہیں ہوتا۔ دیکھئے اگر آپ بجائے دو آنہ
کے لفافہ کے سو کے نوٹ کا لفافہ بنا کر اس لفافہ میں اپنا خط بند کر کے
پوسٹ کریں۔ تو اگرچہ آپ نے بجائے دو آنہ کے پورا ایک سو روپیہ خرچ
کر ڈالا ہے۔ مگر وہ لفافہ ڈاک خانہ میں کبھی مقبول نہ ہوگا۔ اور بہر حال
بیرنگ ہی ہو کر رہے گا۔ اور جرمانہ دینا ہی پڑے گا۔ اسی طرح آپ اگر
پچاس روپے کا جانور خرید کر اسے ذبح کرنے کی جگہ پانچ سو روپیہ کو بھی
خیرات کر دیں گے۔ تو قربانی کسی صورت ادا نہ ہوگی۔ اور یہ خیرات تو سب کے

زعم میں جا بجائے قربانی ہے. کبھی مقبول نہ ہوگی ۔ اور بیرنگ ہی ہو کر رہے گی ۔ لفافہ وہی مقبول ہے۔ جس پر محکمہ ڈاک کے ٹکٹ چسپاں ہوں گے ۔ اسی طرح قربانی بھی وہی مقبول ہے۔ جس پر محکمہ محمدی کے ٹکٹ موجود ہوں گے۔ ؎

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

جان کی قربانی

میرے دوستو! اب ذرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیٔ جان کا ذکر سنئے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی نمرودیت اور اس کی بت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی ۔ اور جب کہ ایک مرتبہ نمرود اور سب بت پرست اپنے کسی میلہ میں گئے ۔ تو حضرت خلیل علیہ السلام نے بت خانے میں جا کر سارے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ۔ اور اس تیشہ کو جس سے اُن بتوں کو توڑا تھا ۔ بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا ۔ تاکہ یوں معلوم ہو ۔ جیسے سارے بت اسی بڑے بت نے توڑے ہیں ۔ نمرودی جب میلے سے واپس آئے ۔ تو بت خانہ میں اپنے معبودوں کی یہ گت بنی ہوئی دیکھی ۔ تو نمرود کے پاس جمع ہو کر فریاد کرنے لگے ۔ اور شور مچانے لگے ۔ اور سوچنے لگے ۔ کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ قرآن میں یہ سارا واقعہ موجود ہے چنانچہ قرآن فرماتا ہے ۔ کہ

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ۔
"وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک جوان کو جو ابراہیم کہلاتا ہے ۔ بتوں کا ذکر کرتے سنا ہے ۔"

یعنی وہ بتوں کے خلاف بہت کچھ کہتا رہتا ہے ۔ شاید یہ اسی کا کام ہے

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ
"بولے تو ابراہیم کو سب کے سامنے لاؤ"

چنانچہ آپ کو بلایا گیا ۔ اور آپ بھری مجلس میں تشریف لائے ۔

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ـ
بولے اے ابراہیم ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک تم نے کیا ہے؟

حضرت نے جواب دیا۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ —

بلکہ یہ تو ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اگر وہ بول سکتے ہیں۔ تو انہی سے پوچھ لو نا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بت پرستوں کے خیال خام اور عقیدہ باطلہ کی تردید و تکذیب کے لئے یہ طرز اختیار فرمائی۔ کہ تم ان کو اپنا معبود۔ اپنا حاجت روا۔ اور خدا سمجھتے ہو۔ تو اپنے عقیدہ کے مطابق دیکھ لو۔ وہ بڑا بت تیشہ لئے کھڑا ہے۔ جیسے کہ غصے میں آکر اُسی بڑے نے سب چھوٹوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ تم ذرا کوشش کرو۔ اور خود ان اپنے خداؤں ہی سے پوچھ لو کہ تمہیں کون توڑ گیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ

تم جانتے ہو۔ کہ وہ بولا نہیں کرتے

یہ اقرار انہوں نے بڑی مجبوری اور ندامت کے ساتھ کیا۔ اور حضرت کی منشا بھی یہی تھی کہ یہ خود ہی اس امر کا اقرار کریں۔ کہ یہ بت بول نہیں سکتے تو آپ نے جلال میں آکر فرمایا:۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

"تف ہے تم پر اور تمہارے اُن معبودوں پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔"

دُوْنِ اللّٰہ بزرگو! اس آیت میں "دُوْنِ اللّٰہ" کا جو جملہ ہے۔ اس سے مراد بت ہیں۔ مگر بعض لوگ "دون اللّٰہ" میں انبیاء و اولیاء کو داخل کر دیتے ہیں۔ اور ہر اس آیت کو جو بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ نبیوں اور ولیوں پر بھی چسپاں کر دیتے ہیں۔ تو غور کیجئے کہ اگر بات یہی ہے۔ اور "دون اللّٰہ" میں انبیاء و اولیاء بھی شامل ہیں۔ تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو "من دون اللّٰہ" پر "تف" بھیج رہے ہیں۔ تو کیا کوئی ایمان والا "من دون اللّٰہ" سے مراد انبیاء و اولیاء کو لے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ہاں تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو لاجواب کر دیا۔ تو وہ بڑے گھبرائے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ نمرود سے آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ تم جو خدا بنے بیٹھے ہو۔ تو دیکھو میرا خدا تو سورج کو ہر روز مشرق کی طرف سے لاتا ہے۔ اگر تم میں کوئی طاقت ہے تو فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ تم سورج کو مغرب کی طرف سے لا کر دکھاؤ۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔ تو کافر مبہوت ہو گیا۔ اور جواب نہ دے سکا۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

حضرات! اس تقریر سے معلوم ہوا۔ کہ مغرب کی طرف سے سورج کو لانا یہ اللہ کا کام ہے۔ اب آیئے۔ اپنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خداداد طاقت کو دیکھیے۔ کہ مقام صہبا میں جبکہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ اور سورج غروب ہو گیا تو حضور نے ڈوبے ہوئے سورج کو حکم دیا۔ وہ سورج یہ حکم پاکر مغرب کی طرف سے پھر نکل آیا۔ اور عصر کے وقت کے مطابق آکر ٹھہر گیا۔ دیکھا آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ والا کو؟ مگر خدا کی قسم اتنی بڑی شان و شوکت کے باوجود ہم حضور کو خدا نہیں کہتے۔ ہاں یہ ساری طاقت و شوکت خداداد اور عطائی سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ

سہ

سورج اُلٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے منکر دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

تو میرے بھائیو! جب نمرودی لاجواب ہو گئے۔ تو اور تو کچھ بنا نہیں۔ ہاں یوں کہنے لگے۔ کہ حَرِّقُوْهُ ابراہیم کو جلا دو۔ چنانچہ نمرود نے ایک بہت بڑا آتشکدہ تیار کرنا کہ اس میں حضرت ابراہیم کو پھینکنے کا انتظام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم ہوا۔ تو آپ اللہ کی راہ میں اس عظیم آتش کدہ میں بھی کود جانے کو تیار ہو گئے۔ اور اپنی جان مبارک بھی خدا کی راہ میں قربان کرنے کو آمادہ ہو گئے۔

حتیٰ کہ وہ وقت آگیا۔ جب کہ سارے نمرودی اللہ کے خلیل کو آگ

میں ڈالنے کے لئے جمع ہوئے۔ فرشتے یہ منظر دیکھ کر خلیل علیہ السلام پر درود و سلام کے پھول نچھاور کرنے لگے۔ نمرود نے حضرت کو آگ میں پھینک دیا۔ اور اُدھر اللہ نے آگ کو حکم فرمایا۔ کہ

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ

اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہوجا

خبردار! ہمارے خلیل پر کوئی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ وہ آگ فوراً باغ و بہار بن گئی۔ اور اللہ کا خلیل آگ میں نہیں۔ بلکہ ایک گلزار میں نظر آنے لگا۔ شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

جلے فرقت میں ہم اور وصل میں پروانۂ محفل
کوئی نزدیک جل جاتا ہے کوئی دور جلتا ہے
سپردِ آتشِ نمرود ہو کر ایک انساں نے
یہ ثابت کرکے چھوڑا نار میں کب نور جلتا ہے
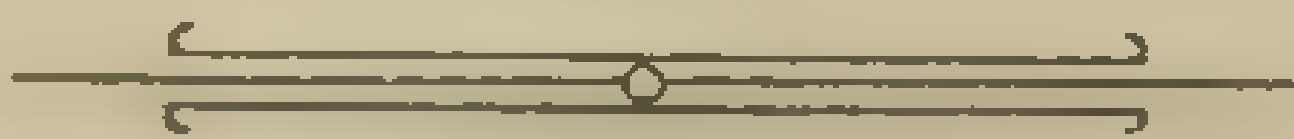
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (پ۲ ع۳)

اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو۔ کہ جب اُن

یہ کوئی مصیبت پڑے۔ تو کہیں ہم اللہ کے ہیں۔ اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ (کنزالایمان)

حضرات! آج میں اپنے اس وعظ سے پہلے ایک ایسی افسوسناک غفلت کا ذکر کرتا ہوں، جس کا آج تقریباً ہر مسلمان شکار نظر آتا ہے۔ دیکھئے ایک بہت بڑے اجتماع میں اگر میں یہ سوال کروں۔ کہ روپے کے پیسے کتنے ہیں؟ تو سب چھوٹے بڑے پکار اٹھیں گے۔ کہ سَو۔ روپے کے آنے کتنے ہیں؟ تو سب جواب دیں گے کہ سولہ! چونیاں کتنی ہیں؟ سب بتا دیں گے کہ چار۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ وضوء کے فرض کتنے ہیں؟ تو یقیناً سب چپ ہو جائیں گے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ۔ گویا دنیوی باتیں ہر ایک کو یاد ہیں۔ مگر دینی باتوں کا کسی کو خیال تک نہیں۔

اسلامی سنہ

دوستو! اسی طرح آج مسلمانوں میں عورتوں اور دہقانوں کو تو ہندوؤں کے مہینوں کے نام یاد ہیں۔ یہ چیت ہے۔ یہ ماگھ ہے۔ یہ پھاگن ہے اور شہری افراد کو انگریزی مہینوں کے نام یاد ہیں۔ جنوری۔ فروری۔ مارچ کی گردان کیسے یاد نہیں؟ مگر افسوس کہ اپنے اسلامی مہینوں کے نام عموماً کسی کو یاد نہیں۔ اسی طرح عیسوی سنہ تو سب کو یاد ہے۔ کہ جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اور دسمبر پر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اپنا اسلامی سنہ کسی کو یاد نہیں۔ کہ کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟ اِلَّا ما شاء اللہ۔ تو کیا یہ افسوسناک غفلت نہیں؟ یقیناً یہ ہماری غفلت ہے! میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ کہ ہمارا اسلامی سنہ محرم شریف کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ اور ذوالحجہ شریف پر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی اسلامی سنہ کا پہلا مہینہ محرّم کا ہے۔ اور آخری مہینہ ذوالحجہ کا۔ میرے دوستو! آج کا میرا وعظ اپنے اسلامی سنہ کے پہلے مہینے ہی سے متعلق ہے۔

محرّم شریف کا مہینہ

حضرات! پہلے اس مہینے کی عظمت و اہمیت سن لیجئے۔ اس مہینے کی دسویں تاریخ بڑے بڑے

واقعات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ علامہ قزوینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ محرم شریف کی دسویں تاریخ کو حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اور اسی تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ اور حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اسی تاریخ کو پیدا ہوئے۔ اور آتشکدۂ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اسی تاریخ کو ٹھنڈا ہوا اور آپ اتنی بڑی عظیم آگ میں محفوظ رہے۔ اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر سے عذاب اسی تاریخ کو ٹلا۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام کا مرض اسی تاریخ کو دور ہوا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت شریفہ اسی تاریخ کو لوٹی۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام اسی تاریخ کو کنوئیں سے نکالے گئے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اسی تاریخ کو عظیم الشان حکومت کے مالک بنے۔ اور اسی تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و دیگر حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی تاریخ کو جام شہادت نوش فرمایا۔ (عجائب المخلوقات ملخصاً)

قربانی

میرے بھائیو! دیکھا آپ نے کہ یہ مہینہ مبارک کس قدر اہم اور مبارک واقعات پر مشتمل ہے؟ اور سنا آپ نے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادتِ مقدسہ بھی اسی مہینہ میں واقع ہوئی ہے۔ میرے دوستو! حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت مقدسہ کا وقوع اسلامی سنہ کے پہلے مہینہ میں ہونا ہمیں یہ بتاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا سال قربانی سے شروع ہوتا ہے۔ اور ہمارے سال کا جو آخری مہینہ ہے۔ وہ ذوالحجہ کا ہے۔ اور اس مہینہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اللہ کی راہ میں قربان ہونے کو لیٹ گئے تھے۔ اور مقدس باپ نے مقدس بیٹے کی گردن پر رضائے حق کی خاطر چھری رکھ دی تھی۔ گویا مسلمانوں کے سال کا آخری مہینہ بھی اپنے دامن میں قربانی کا نقشہ رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ

اسلامی سنہ اپنے اول و آخر میں قربانی کو لئے ہوئے ہے۔ اور ہمارا ہر سنہ آتا ہے۔ تو قربانی کا درس دیتا ہوا۔ اور جاتا ہے تو قربانی کا پیغام دیتا ہوا۔ اور یہ سناتا ہوا۔ کہ مسلمان وہ ہے۔ جو اپنی جان و مال اور اپنی خواہشوں کو اللہ کے لئے قربان کر دے۔ جس کی زندگی موت اللہ ہی کے لئے ہو۔ اور جو راہِ خدا میں مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے ؎

جو دیکھی ہسٹری میں نے تو یہ مجھ کو یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اُسے جینا نہیں آیا

آزمائش

دوستو! آیت شریفہ جو میں نے پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آزمائش کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اعلان فرمایا ہے۔ کہ ہم اپنے بندوں کو اتلافِ جان و مال اور ڈر اور بھوک سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے۔ کہ کون اس آزمائش میں صبر و شکر سے کام لیتا ہے۔ اور کون شکوہ و شکایت سے؟ میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کے مطابق اللہ کے بندے ہمیشہ آزمائے گئے۔ اور خدا کے نیک بندے ہمیشہ کامیاب ہی ہوئے۔ یہ مصائب و آلام! جب بندہ ان پر صبر و شکر کرتا ہے اور " مرضیِ مولےٰ از ہمہ اولےٰ " کے پیشِ نظر راضی برضائے حق رہتا ہے۔ بندے کے لئے ترقیِ مدارج کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ؎

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

میرے بزرگو اور دوستو! کسی مقصد کا پا لینا بغیر رنج و تعب کے بہت ہی مشکل ہے۔ آپ نے اگر لاہور سے کراچی جانا ہو۔ تو کتنی ایک مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دن رات کے آرام کو خیرآباد کہہ کر گاڑی کے رش میں نہ آپ ہر وقت کچھ کھا سکتے ہیں۔ نہ پی سکتے ہیں حتیٰ کہ حوائجِ ضروریہ کے لئے بھی مشکل پیش آ جاتی ہے۔ تو جب کراچی تک پہنچنا دقت و راحت اور روپیہ کی قربانی اور تکلیف و مشکلات کے بغیر مشکل ہے۔ تو خدا تک پہنچنے کے لئے کیوں قربانی درکار نہ ہوگی؟ اور

کیوں آزمائش و تکلیف و مشکلات کا سامنا نہ ہوگا؟ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ یہ مہندی جو پیروں کے تلووں میں لگائی جاتی ہے اس کی ذرا ہسٹری دیکھئے۔ کہ یہ کن کن منازل سے گزرتی ہوئی اور کیا کیا تکلیفیں برداشت کرتی ہوئی بمشکل تلووں تک پہنچی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ؎

کٹی پسی گئی پس کر چھنی بھیگی گندھی مہندی
جب اتنے دکھ سہے پھر جا کے قدموں سے لگی مہندی

دیکھا آپ نے کس قدر مصائب جھیلنے کے بعد بھی صرف قدموں تک ہی پہنچ سکی ہے۔ اب ایک پنجابی شاعر کا خیال بھی سنیئے۔

پنجابی اشعار

یہ کنگھی جو زلفِ محبوب کے بوسے لیا کرتی ہے یہ اس درجہ و مقام تک کیا بغیر کسی آزمائش و امتحان ہی کے پہنچ گئی؟

نہیں! بلکہ ؎

حد تک عاجز کنگھی وانگوں آری ہیٹھ نہ آویں
یار سجن دیاں زلفاں تائیں کیونکر ہتھ لگاویں

شاعر کہتا ہے کہ جب تک کنگھی کی طرح آرے کے نیچے آ کر چر نہ جاؤ۔ زلفِ محبوب تک پہنچنا مشکل ہے۔ ایک دوسرا پنجابی شاعر کہتا ہے کہ ؎

کیہہ کجھ حال کمہار کریندے عاجز مٹی والا
مر کے بال سجن دیاں بلّیں پہنچے تدوں پیالا

یعنی مٹی کے ساتھ کمہار کیا سلوک کرتا ہے۔ مٹی کو کس قدر تکالیف کا سامنا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے کتنا عرصہ آگ میں بھی جلنا پڑتا ہے تب جا کر پیالہ کی شکل بنتی ہے۔ اور لبِ محبوب تک پہنچتی ہے۔

تو میرے بھائیو! اللہ کی راہ میں مصائب و آلام بھی ہوتے ہیں۔ مسلمان کو ان مصائب و آلام سے آزمایا جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ دیکھتا ہے۔ کہ یہ بندے جن پر میں نے ہر طرح کے انعام و اکرام کئے ہیں۔ تکلیف کے وقت بھی میری یاد رکھتے ہیں۔ یا نہیں؟ اور جو خدا کے نیک بندے ہیں۔ وہ

اس آزمائش میں بھی "ہرچہ رسد ز دوست نکوست" کے مطابق ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور کوئی شکایت کا کلمہ لب پر نہیں لاتے۔ اور اس حال میں بھی خوش ہی رہتے ہیں۔

ایک ولی کی حکایت

چنانچہ اللہ کے ایک مقبول کی حکایت ہے۔ جسے حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نواحی یمن میں ایک ولی اللہ کو دیکھا۔ جو نابینا بھی تھا۔ اور اس کے جسم پر بہت سے زخم بھی ہو رہے تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ وہ تنہا بیٹھا ہے اور چیونٹیاں اس کا جسم کھائے جا رہی ہیں۔ میں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ اور اس کی صحت کے لئے دعا کی تو جب وہ ہوش میں آیا۔ تو کہنے لگا۔ یہ فضولی کون ہے۔ جو میرے اور میرے خدا کے درمیان آ حائل ہوا ہے؟ خدا کی قسم اگر وہ میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دے گا۔ تو بھی اس کی محبت میرے دل سے نہ جائے گی۔ بلکہ اور بڑھتی جائے گی۔ اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

نَفْسُ الْمُحِبِّ عَلَى الْاٰلَامِ صَابِرَۃٌ
لَعَلَّ مُتْلِفُهَا یَوْمًا یُدَاوِیْهَا

یعنی محبت کا نفس صرف اس امید پر بڑے بڑے جانکاہ صدمے سہتا ہے کہ شاید اس کا محبوب اپنے زخمی محبت کا ایک دن علاج بھی کرائے گا۔

(نزہۃ المجالس فصل فی الرضا صہ۳۵)

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کے مرضِ شریف کا حال کسے معلوم نہیں؟ مگر جب آپ اس مرض سے شفایاب ہوئے۔ تو ایک روز جبریل امین نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ حضور! ایام مرض میں آپ کو بڑی تکلیف تھی۔ الحمد للہ کہ اب آپ کو صحت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور فرمایا۔ جبریل اللہ کا شکر تو ہر حال میں ہے۔ مگر وہ ایام مرض میرے لئے بڑے ہی خوش کن تھے۔ جبریل ان دنوں خدا تعالیٰ مجھ سے میرا حال دریافت فرماتا تھا۔ اور یوں فرماتا تھا۔ کَیْفَ حَالُکَ یَا اَیُّوْبُ۔ ایوب۔ کیا حال ہے۔ جبریل! اس خطاب محبوب سے

جو مجھے راحت و لذت حاصل ہوتی تھی۔ وہ اب کہاں ؟ جب سے شفایاب ہُوا ہوں۔ وہ خطاب مزاج پرسی بھی موقوف ہوگیا ہے۔ سچ ہے کہ ؎

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو تیغ آزمائی!

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بھائیو! یہاں مجھے اپنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مرض شریف کا بھی ایک واقعہ یاد آگیا ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب مرضِ وصال شریف لاحق ہوا تو خود خداوند کریم جل شانہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کے لئے حضرت جبریل کو بھیجا۔ اور جبریل امین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے خاص آپ کے لئے اور آپ کی تعظیم و تکریم کے لئے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ میں اُس کی طرف سے آپ سے دریافت کروں۔ کہ

"کَیْفَ تَجِدُکَ"۔ یعنے آپ کا کیا حال ہے"۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا۔ اور جبریل امین چلے گئے اور پھر دوسرے دن بھی آئے۔ اور عرض کیا۔ کہ اللہ نے آج پھر حال پوچھنے کو بھیجا ہے۔ حضور نے اس دن بھی اپنا حال بیان فرمایا۔ اور تیسرے دن جبریل پھر آئے۔ اور عرض کیا۔ حضور! آج پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا حال پوچھا ہے۔
(مشکوٰۃ شریف ص۵۲۱)

مسلمانو! دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت اور محبوبیت کو ؟ کہ خدا تعالیٰ خود دریافت فرماتا ہے۔ کہ "کَیْفَ تَجِدُکَ" کیا حال ہے ؟ یا دوسرے لفظوں میں حدیث کے اس جملہ کا یہ معنی کر لیجئے۔ کہ خدا فرماتا ہے ــــ مزاج شریف! ـــــ سبحان اللہ۔ کیا شان ہے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ خدا تعالیٰ خود مزاج شریف دریافت فرماتا ہے۔ میرے دوستو۔ ایک ہم ہیں کہ ہم میں سے کوئی بیمار پڑ جاتے۔ تو سگا بیٹا بھی حال نہیں پوچھتا۔ اور آج کل تو یہ عام ہے۔ کہ شوہر مرتا مرجائے۔ مگر بیوی تک قریب نہیں پھٹکتی۔ بھائی

جدائی سے بھاگتا ہے۔ بیٹا باپ سے مفرور۔ اور باپ بیٹے سے دور۔ پھر وہ ذات گرامی جس کا مزاج عالی خود خداوند کریم دریافت فرمائے۔ اس کے ساتھ ہم میں سے کوئی برابری کا دعوے کیسے کر سکتا ہے؟ اور کوئی اس طرح کیسے کہہ سکتا ہے؟ کہ وہ میری ہی مثل تو تھے۔ ایک اور بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ کسی بات کا دریافت کرنا دریافت کرنے والے کے عدم علم ہی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات کسی سوال کی کچھ اور حکمتیں بھی ہوتی ہیں۔ مطلب میرا یہ ہے کہ بعض حضرات اس قسم کا شبہ پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ دیکھئے ایک صحابی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ اور دروازے پر منتظر ہو کر اس نے آواز دی۔ تو حضور نے اندر سے فرمایا۔ کہ باہر کون ہے؟ اس صحابی نے عرض کیا۔ حضور میں ہوں۔ تو حضور نے فرمایا۔ میں کون؟ نام بتاؤ۔ چنانچہ اس صحابی نے پھر اپنا نام لیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ ہاں اب ٹھیک ہے۔ تو اگر حضور کو علم ہوتا۔ کہ باہر کون ہے۔ تو آپ کیوں پوچھتے۔ کہ باہر کون ہے؟ اور اس کے میں کہنے پر پھر اس کا نام کیوں دریافت فرماتے۔ تو میرے بھائیو! اگر یہی اصول تسلیم کیا جائے۔ کہ سوال کرنا عدم علم ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو پھر فرمائیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حال تین روز تک اللہ کیوں دریافت فرماتا رہا۔ غور تو فرمائیے۔ کہ خدا جو ہر بات کا جاننے والا ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مرض بھی جس نے خود بھیجا۔ وہی خود تین روز تک دریافت فرماتا ہے کہ "کَیْفَ تَجِدُکَ" یعنی کیا حال ہے؟ تو کیا خدا کے اس دریافت فرمانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ خدا کو (معاذ اللہ) علم نہ تھا؟ نہیں! نہیں!! بلکہ اس میں حکمت یہ تھی۔ کہ دوست اپنے دوست کی بیماری کے وقت مزاج پرسی کیا کرتے ہیں۔ تو جب اللہ کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ تو ان کا ازلی چاہنے والا مزاج پرسی نہ فرماتا۔ تو مخالف کہتے۔ کہ یہ کیسی محبت ہے۔ کہ بیماری میں پوچھا تک نہیں۔ میرے عزیزو! یہ تو محبت کا اظہار ہے۔ یعنی اس سوال اور مزاج پرسی میں اپنے حبیب کی محبوبیت کو ظاہر کرنا منظور تھا۔ یہ حکمت تھی اس سوال میں۔ اور اس طرح حضور کی

اللہ علیہ وسلم کا باہر کھڑے ہوتے صحابی سے دریافت فرمانا۔ کہ کون ہے؟ اور نام پوچھنا۔ اس میں یہ تعلیم مقصود تھی۔ کہ جو کوئی کسی کے ہاں جائے۔ تو باہر کھڑا ہو کر صرف آواز دینا۔ اور مَیں مَیں کرنا ہی اختیار نہ کرے۔ بلکہ صاف صاف اپنا نام بتائے۔ تاکہ صاحبِ خانہ کو پتہ چل جائے۔ کہ باہر کون ہے۔ حضور کو علم تھا۔ کہ میں تو بھلا جان گیا۔ کہ باہر کون ہے۔ مگر میرے امتی جو نہیں جانتے۔ کہ باہر کون ہے۔ اُن کو اس صرف آواز سے اور مَیں مَیں کرنے سے کچھ پتہ نہ چلے گا۔ کہ باہر کون ہے۔ اس لئے میں یہ اعلان فرما دیتا ہوں کہ باہر سے آواز دینے والا مَیں مَیں ہی نہ کرتا رہے۔ بلکہ اپنا نام و پتہ بتائے۔ تو دیکھا آپ نے اس بات میں بھی یہ ایک حکمت تھی۔ جس کے پیشِ نظر حضور نے دریافت فرمایا۔ کہ باہر کون ہے۔ اور اس کا نام کیا ہے۔ بھائیو!۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا تعلیم امت کے لئے تھی' اور یہ ادائے مبارک بھی اسی قبیل سے ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ جو اللہ والے ہیں۔ وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ اور جو لوگ ناعاقبت اندیش اور جاہل ہیں۔ وہ مصیبت کے وقت گلہ و شکایت اور بے صبری کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اور یوں امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں۔ آج اِس دور میں بعض نادان ایسے بھی نظر آتے ہیں۔ جن کے اگر کبھی سر میں بھی درد ہونے لگے۔ تو وہ یوں کہنے لگتے ہیں۔ کہ خدایا! اس گاؤں میں میرے سوا اور کوئی نہ تھا؟ سر درد کے لئے میں ہی رہ گیا تھا؟

بھائیو! انصاف تو کرو۔ کہ جو منعمِ حقیقی ہم پر طرح طرح کے انعام فرماتا ہے۔ جس نے ہم پر بے شمار مہربانیاں فرمائیں۔ ہمیں اگر اس کی جانب سے کوئی تکلیف بھی آ جائے۔ تو کیا یہ نالائقی نہیں۔ کہ ہم اس کا گلہ کرنے لگیں؟

سلطان محمود کی حکایت

سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ جو چیز کھانے لگتے۔ اس میں سے پہلے

ایاز کو بھی ضرور کھلاتے۔ ایک مرتبہ وہ ایک خربوزہ کھانے لگے۔ تو حسب دستور اس کی پہلی پھانگ ایاز کو دی۔ ایاز کھا گیا۔ دوسری پھانگ سلطان نے خود کھائی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ سخت کڑوی ہے۔ سلطان نے فوراً تھوک دی اور حیران ہو کر ایاز سے پوچھا۔ کیوں ایاز! یہ اتنی کڑوی پھانگ تم کیسے کھا گئے؟ اور تم نے کہا کیوں نہیں کہ یہ کڑوی ہے؟ ایاز نے جواب دیا۔ آقا! میں نے پھانگ جب منہ میں ڈالی۔ تو واقعی سخت کڑوی تھی۔ دل نے چاہا۔ کہ تھوک دوں۔ مگر وفا نے روک دیا۔ اور کہا۔ اے ایاز دیکھ اسی ہاتھ سے تمہیں ہر روز میٹھی اور لذیذ نعمتیں ملتی ہیں۔ اور تم مزے سے کھاتے ہو۔ اور آج بھی اسی ہاتھ سے یہ کڑوی پھانگ مل رہی ہے خبردار! جو اس کو تھوکا۔ جس ہاتھ سے لے کر میٹھی چیزیں کھاتے رہے ہو۔ اسی ہاتھ کی دی ہوئی کڑوی چیز بھی اسی مزے سے کھاؤ۔ سلطان یہ سن کر ایاز کی وفا پر بڑا خوش ہوا۔

تو حضرات! اسی طرح جس خدا سے ہم پر ہر روز رنگ رنگ کی نعمتیں پاتے اور کھاتے ہیں۔ اگر اسی خدا کی جانب سے کوئی تکلیف بھی آ پہنچے۔ تو اُسے بھی ہنسی خوشی سے برداشت کرنا ضروری ہے۔ ورنہ ہم پر یہ مثال صادق آئے گی۔ کہ

"میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو"

مقبولانِ حق

میرے بھائیو! اللہ کے جملہ مقبول بندوں پر آزمائشیں نازل ہوئیں۔ اور وہ ان میں کامیاب ہوئے۔ بلکہ جس قدر کسی کو قربِ حق حاصل تھا۔ اسی قدر اس پر سخت آزمائشیں نازل ہوئیں۔ دیکھئے۔ ہر کلاس کا کورس الگ ہوتا ہے۔ جتنی بڑی کلاس ہوگی۔ اتنا ہی مشکل اس کا کورس بھی ہوگا۔ پہلی جماعت کا کورس آسان ہے۔ اور بی۔ اے کا کورس اس سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ اسی طرح پھر ایم۔ اے کا کورس اس سے بھی بہت زیادہ مشکل ہے۔ اسی واسطے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جس قدر

مجھے ایذائیں دی گئی ہیں۔ کسی نبی کو اس قدر ایذائیں نہیں دی گئیں۔ گویا نہ کوئی حضور سے بڑا ہے۔ اور نہ کسی کو حضور سے زیادہ ایذا دی گئی۔ تو یہ آزمائشیں مقبولانِ حق پر نازل ہوتیں۔ شاعر کہتا ہے ؎

جہاں میں تیرہ دل جو ہیں وہی بے رنج رہتے ہیں
کہ آفت ہوتی ہے نازل ہوا کی شمعِ روشن پر

لیعنی ہوا ہمیشہ روشن چراغ ہی کو بجھاتی ہے۔ اور جو پہلے ہی بجھا ہوا ہو۔ اُسے ہوا نے کیا کہنا ہے؟ اسی طرح اللہ کے نیک بندوں ہی کو مصائب و آلام کا سامنا ہوتا ہے۔ سیاہ بخت اور تیرہ دل۔ اگر عیش و عشرت میں ہیں تو اس لئے کہ یہ آزمائشیں تو اللہ کے بندوں کے لئے ہیں۔ فرعون کو کہتے ہیں کہ کبھی سر درد بھی لاحق نہ ہوئی تھی۔ نمرود بھی عیش و عشرت میں رہا۔ اسی طرح یزید بھی عیاشیوں میں رہا۔ مگر مقبولانِ حق اپنے امتحانوں میں لگے رہے

جذبۂ جہاد

مسلمانو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک کمال یہ بھی ہے۔ کہ حضور نے اپنی مقدس تعلیم سے اپنے غلاموں میں جہاد کا کچھ ایسا جذبہ اور راہِ حق میں کٹ مرنے کا کچھ ایسا ولولہ پیدا فرما دیا تھا۔ کہ غلامانِ رسالت اللہ کی راہ میں کٹ مرنے کو حیاتِ ابدی جاننے لگے۔ اور اُن کا اس حقیقت پر یقین محکم ہو گیا۔ کہ خدا کی راہ میں کٹ مرنا حقیقی زندگی کو پالینا ہے۔ چنانچہ یہ جذبہ ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان میں پوری شان سے نظر آتا ہے۔ اور یہ بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا کمال ہے۔ جو حضور ہی سے مخصوص ہے۔

حضرت موسٰے علیہ السّلام کی اُمّت

چنانچہ حضرت موسٰے علیہ السّلام کی امت کا تذکرہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے انعام کئے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی ہمراہی میں جب یہ لوگ ملک شام کو جا رہے تھے۔ تو راستے میں ایک ایسے صحرا میں پہنچے۔ جہاں نہ سبزہ تھا۔ نہ سایہ اور نہ غلہ ہی ہمراہ تھا۔ تو وہاں دھوپ اور بھوک کی شکایت کرنے پر اللہ تعالےٰ نے حضرت موسٰے علیہ السلام کی

دعا سے ایک سفید بادل کو ان کا سایہ بان بنا دیا۔ جو رات دن ان کے ساتھ ساتھ چلتا۔ اور مَنّ و سلویٰ ان کے لئے آسمان سے اتارا۔ جسے وہ کھاتے۔ مَنّ ایک میٹھی چیز تھی۔ اور سلویٰ ایک پرند تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان سب کے لئے آسمان سے اترتیں۔ جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے قرآن میں اس طرح فرمایا ہے کہ

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (پ ۱ ع ۶) — اور ہم نے ابر کو تمہارا سائبان کیا۔ اور تم پر من و سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں۔

یہی لوگ وقت پر بڑے بے وفا ثابت ہوئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاد کے موقعہ پر صاف جواب دے گئے۔ کہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ بیت المقدس کو دشمنوں کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دشمنوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ —— اے قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو۔ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھی ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم پاکر قوم نے جو جواب دیا۔ وہ بھی سنئے۔ وہ کہنے لگے۔

يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ۔ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ۔ اے موسیٰ اس میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں۔ اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں وہ وہاں سے نکل جائیں۔ تو ہم وہاں جائیں۔"

پھر ان سے کہا گیا۔ کہ تم ڈرو نہیں۔ کیونکہ

فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ جب تم دروازے میں داخل ہو گئے۔ تو تمہارا ہی غلبہ ہے

اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ اگر تمہیں ایمان ہے۔"

باوجود اس قدر یقین دہانی کے کہ غالب تم ہی رہو گے۔ قوم موسیٰ علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا۔ وہ ان کی نہایتی ناعاقبت اندیشی اور گستاخی کا مظہر ہے۔ کہنے لگے۔

یَا مُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ (پ ۶ ع ۸) اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے۔ جب تک وہ وہاں ہیں۔ تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونو لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

دیکھا آپ نے اس قوم کا بزدلانہ اور گستاخانہ جواب؟ مگر کیا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام علیہم الرضوان کے جذبۂ جہاد کا۔ اور ان کے راہ حق میں کٹ مرنے کے ولولہ کا۔ کہ ابوجہل اپنی فوج کو لے کر جب مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف مسلمانوں پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اور دریافت فرمایا۔ کہ کیا قریش مکہ سے مقابلہ کے لئے تم میرا ساتھ دو گے یا نہیں! تو ان پاک لوگوں نے جو جواب عرض کیا۔ وہ شاعر نے یوں قلمبند کیا ہے۔ کہ ؎

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا
پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرت والی ماؤں کا
نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں!
جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں!
قریشِ مکہ تو کیا چیز ہیں دیووں سے لڑ جائیں
سنانِ نیزہ بن کر سینۂ باطل میں گڑ جائیں

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ ایمان افروز جواب دیا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم وہ نہیں۔ کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ کہہ دیں۔ ہم تو حضور کے دائیں بائیں آگے پیچھے قتال کے لئے حاضر ہیں۔ (زاد المعاد ص۳۳۳ ج)

سبحان اللہ! کیا ہی جذبہ تھا ان پاک لوگوں کا۔ اور کیا ہی ولولہ تھا۔ اُن کا راہِ حق میں کٹ مرنے کا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بے فرمان ساتھیوں کے لئے تو یوں فرمایا۔ کہ

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ (پ ع ۶) — تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلا اُن کی بے حکمی کا "

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جانثار ساتھیوں یعنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لئے یوں اعلان فرمایا۔ کہ:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (پ ع ۱۰) بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے "

دیکھا آپ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان کو؟ کہ خدا اُنکو "مؤمنین" فرماتا ہے۔ اور اُن سے راضی ہو جانے کا اعلان فرماتا ہے۔ تو چونکہ ان مؤمنینِ کرام علیہم الرضوان سے خدا راضی ہے۔ اس لئے ہر مومن بھی اِن مومنین سے راضی ہے۔ بلکہ ان کا خادم و غلام ہے۔ اس لئے کہ ایمان واسلام ہمیں ملا ہی ان کے واسطے و وسیلہ سے ہے ؎

صحابہ آسمانِ رُشد کے روشن ستارے ہیں
رہِ حق کے دکھانے کو یہ نورانی منارے ہیں

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم اور مقدس تبلیغ نے وہ حیرت انگیز اثر دکھایا۔ کہ جو لوگ اپنے نفس کی خاطر دوسروں کو مارنے اور لوٹنے والے تھے۔ وہ اللہ کے لئے اپنی جان قربان کرنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے والے بن گئے۔ ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایمان افروز واقعات پڑھنے سننے سے

تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر ڈالا تھا۔ دنیا کی کوئی چیز ان کو اللہ و رسول سے بڑھ کر پیاری نہ تھی۔ اور کوئی طاقت انہیں عشقِ رسول سے پھسلا نہ سکی۔ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں۔ جو اولین مصداق ہیں۔ اس آیت کا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں کچھ ایسا جذبہ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا فرما دیا تھا۔ کہ دین و ایمان کی خاطر انہوں نے کسی دُنیوی تعلق کو پیشِ نظر نہ رکھا۔ اور بہر حال دین و ایمان ہی کو مقدم رکھا۔ انہوں نے اپنا وطن۔ مال۔ اولاد۔ اور اپنی جان سب کچھ اللہ کے لئے قربان کر کے دکھا دیا کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔

نوجوان دُولھا

چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک نوجوان صحابی تھے۔ ان کی جب شادی ہوئی۔ اور جس رات دلہن کو بیاہ کر گھر لائے۔ تو اُسی رات جنگِ اُحد کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی ہو گئی۔ کہ کفار مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لئے میدانِ جہاد میں چلو۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ باوجودیکہ نوجوان تھے۔ اور شادی کی پہلی شب تھی مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جہاد سن کر سب کچھ بھول گئے۔ اور اپنی دلہن کو بھی نظر انداز کر کے گویا یہ شعر پڑھتے ہوئے کہ ؎

سب سے بیگانہ رہے یار شناسا تیرا
غیر پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

میدانِ جہاد میں پہنچنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس محویت کے عالم میں آپ کو اپنے غسل کرنے کی ضرورت بھی یاد نہ رہی۔ اسی حالت میں معرکۂ جنگ میں تشریف لے گئے۔ اور اسی دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید بھی ہو گئے۔

جب لڑائی ختم ہوئی۔ تو شہداء کی لاشیں جمع کرنے کا حکم نبوی ہوا۔ سب لاشیں مل گئیں۔ مگر حنظلہ کی لاش مبارک نہ ملی۔ یکایک حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر ملاحظہ فرمایا۔ تو آپ نے دیکھا کہ حنظلہ کی لاش کو فرشتے اوپر لے جا کر ایک نورانی تختے پر لٹا کر آب رحمت سے غسل دے رہے ہیں۔ اُسی دن سے حضرت حنظلہ کا لقب غسیل الملائکہ مشہور ہو گیا۔ (مواہب لدنیہ ص۱۹۴ جلد ا)

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت حنظلہ کو سب کچھ بھول گیا۔ اپنی نئی دلہن کی محبت بھی راہ میں حائل نہ ہو سکی۔ ایک پنجابی شاعر نے حضرت حنظلہ کا ارشادِ رسول سن کر اپنی دلہن سے جدا ہو کر باہر کو دوڑنے کا واقعہ اس طرح قلمبند کیا ہے۔ کہ جب حضرت حنظلہ اپنی دلہن سے جدا ہو کر دروازے کی طرف دوڑے تو دلہن نے حضرت حنظلہ کا پیچھے سے دامن پکڑ لیا۔ اور اپنی طرف کھینچا۔ حضرت حنظلہ دروازے پر پہنچ کر رُک گئے۔ پیچھے تو دلہن دامن کھینچ رہی تھی۔ در آگے عشقِ رسول اُن کا دامن کھینچ رہا تھا۔ اس وقت حضرت حنظلہ عشقِ رسول اور بیوی کی محبت کے درمیان کھڑے تھے۔ بیوی کہہ رہی تھی۔ کہ میری طرف دیکھو۔ میں حسینہ و جمیلہ ہوں آپ کی بیوی ہوں۔ مجھے چھوڑ کر اب کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا بس اتنا جواب دیا۔ کہ ؎

جے لکھ حوراں بھی آ دیون مینوں آن وکھالی
میں اس طرفے دب ساں جدھر کالی کملی والا

پھر فرمایا دیکھ اے بیوی! مجھے میدانِ جہاد میں جانے سے نہ روک۔ یہ ارشادِ رسول ہے۔ جس پر ساری دنیا قربان کی جا سکتی ہے۔ دیکھ! اگر تو نے مجھے روک لیا۔ تو کل قیامت کے روز مجاہدین کی بیویوں کے درمیان تو کس منہ سے بیٹھے گی؟ سبحان اللہ! وہ بھی آخر ایک صحابیہ تھی۔ فوراً ہاتھ سے دامن چھوڑ دیا۔ اور بولی اچھا جائیے ؎

کچھ پروا نہیں رنڈی ہو جاں توں توں دنیاں جاوے
سرورِ عالم تائیں دیکھیں آنچ نہ کوئی آوے

جنگ پر بٹ ہے تو جائیے۔ مجھے بیوہ ہو جانا منظور ہے۔ مگر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچے یہ منظور نہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے ان پاک لوگوں کی۔ بھائیو ان پاک لوگوں کے غلام بن کر رہو۔ اور ان پاک لوگوں کی محبت اپنے دل میں رکھو۔ اور کبھی ان کی بارگاہ میں کوئی بے ادبی کا لفظ نہ کہو۔ انہوں نے دین و ایمان کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ

ان پاک لوگوں کے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت اور ان کے عزم و استقلال کے بے شمار واقعات ہیں۔ ان کا اگر تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنا ہو۔ تو کتب خانہ ماہِ طیبہ سے سچی حکایات حصہ دوم منگوا کر پڑھیے۔ اس وقت صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص مسیلمہ نامی نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اس جھوٹے نے اپنے وطن یمامہ سے ایک خط حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لَنَا نِصْفَ الْاَرْضِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفٌ۔ وَلٰكِنَّ الْقُرَيْشَ لَا يَنْصِفُوْنَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ — خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے۔ خدا کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف۔ واضح ہو کہ آدھی زمین ہماری اور آدھی قریش کی۔ لیکن قریش انصاف نہیں کرتے۔ اور سلام ہو آپ پر۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس خط کا جواب یہ لکھوایا کہ:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ اِلٰى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى — اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ محمد خدا کے نبی کی طرف سے بہت بڑے جھوٹے مسیلمہ کی طرف۔ واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جسے چاہے وارث بناتا ہے

اور انجام نیک لوگوں کے لئے ہے۔ سلام ہو اس پر جو سیدھی راہ پر چلے۔"

یہ مکتوب گرامی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو دے کر مسیلمہ کے پاس یمامہ بھیجا۔ حضرت حبیب یہ خط لے کر مسیلمہ کے دربار میں پہنچے۔ اور حضور کا خط پیش کیا۔ مسیلمہ یہ خط پڑھ پڑھ کر جل بھن گیا۔ اور غصہ میں آکر بولا۔ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؟ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو۔ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب نے فرمایا۔ ہاں! ہاں!! بیشک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ مسیلمہ نے پھر پوچھا۔ اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ کیا تم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہو۔ کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت حبیب نے فرمایا۔ اِنِّیْ اَصَمُّ لَا اَسْمَعُ ۔ میں اس کلام کے سننے سے بہرہ اور یہ گواہی دینے سے گونگا ہوں! مسیلمہ نے غصہ میں آکر ایک دو مرتبہ پھر پوچھا۔ اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ تو اس مردود نے حضرت حبیب کے سر سے پاؤں تک کے کل اعضاء الگ کر دیئے۔ اور آپ شہید ہو گئے۔ (اصابہ فی تمیز الصحابہ ص ۳۲۸)

دیکھا آپ نے؟ کہ کس جرأت اور استقلال سے اعلان حق فرمایا۔ اور کس پامردی کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مقدس سے صحابہ کرام میں بہت بڑا جذبۂ جہاد تھا۔ اور وہ ہر وقت شہادت کے متوالے رہتے تھے۔

مسلمانو! حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک حالات پڑھو۔ تو تمہیں پتہ چلے۔ کہ ان پاک لوگوں نے بھی اپنی جانیں راہ حق میں قربان کیں۔ اور شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ ان تینوں بزرگوں کی شہادت کا واقعہ پڑھنا ہو۔ تو کتب خانہ [illegible] منگوا کر پڑھیے۔ اور معلوم کیجیے۔ کہ صحابہ [illegible] کس طرح [illegible] کی حفاظت کیں۔ اور کس طرح [illegible] کی خاطر قربان ہو گئے۔

فلسفۂ شہادت

میرے بھائیو! مجھے آج حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت کا بیان کرنا ہے۔ حضراتِ حسنین کی شہادت بھی حضور ہی کا فیض ہے۔ پہلے یہ یاد رکھیے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے نبیوں اور رسولوں سے افضل و اعلیٰ بنایا ہے۔ اور سارے نبیوں میں جو جو کمالات علی الانفراد پائے جاتے تھے وہ سب کے سب کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذاتِ گرامی میں جمع فرما دیئے گئے۔ یہ عربی شعر کہتا ہے۔ کہ

وَ لِکُلِّ نَبِیٍّ فِی الْاَنَامِ فَضِیْلَۃٌ
وَ جُمْلَتُھَا مَجْمُوْعَۃٌ لِمُحَمَّدٍ

یعنی ہر نبی کو جو جو فضیلت بھی تھی۔ وہ ساری فضیلتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذاتِ گرامی میں جمع ہیں، اسی معنیٰ میں یہ شعر بھی ہے۔ کہ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

سو کا عدد

ایک مثال سنئے۔ آپ ایک سے لے کر سو تک گنیئے۔ تو سو تک گنتے ہوئے دو تین چار پانچ چھ سات اور اسی طرح بیس تیس چالیس پچاس اور ساٹھ ستر اسی نوے اور ننانویں تک سارے عدد گن کر پھر آپ کہیں گے "سو"۔ یعنی ایک سے لے کر ننانویں تک سارے عدد گن لینے کے بعد سو گنتی کا نمبر آئے گا۔ اب دیکھئے۔ کہ یہ "سو" کا عدد اگرچہ آیا سارے عددوں کے بعد ہی ہے۔ لیکن حقیقت میں ننانویں تک کے سارے عدد اسی ایک "سو" میں ہیں۔ یعنی آپ نے جب "سو" کہا۔ تو گویا ایک دو تین چار سے لے کر ننانویں تک جتنے عدد ہیں سب کے مجموعے کا نام لے دیا۔ بلا تشبیہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تک جتنے پیغمبر بھی تشریف لائے۔ ان سب سے آخر میں تشریف لائے مگر تشریف لائے اس شان سے کہ پچھلے سارے نبیوں کے کمالات و اوصاف کے جامع بن کر۔ آپ نے آدم و نوح۔ ابراہیم و یعقوب۔ ابراہیم و اسمٰعیل اور موسےٰ و عیسےٰ وغیرہم من الانبیاء علیہم السلام کے نام مبارک لئے اور یہ نام مبارک لیتے ہوئے جب سب سے آخر میں آپ نے کہا "محمّد" (صلے اللہ علیہ و سلم، تو گویا ایک ایسی جامع ہستی مبارک کا نام لے لیا۔ جس میں آدم و نوح۔ ابراہیم و یعقوب ابراہیم و اسمٰعیل اور موسےٰ و عیسےٰ علیہم السلام سب کے کمالات و اوصاف جمع ہیں۔ اور جس میں خلافتِ آدم۔ شجاعتِ نوح۔ معرفتِ شیث۔ خُلّتِ ابراہیم۔ لسانِ اسمٰعیل۔ رضائے اسحٰق فصاحتِ صالح بشارتِ یعقوب۔ حسنِ یوسف۔ کلام موسےٰ تحمل ہارون۔ صبر ایوب صوتِ داؤد۔ عبادتِ یونس۔ عصمتِ یحییٰ۔ حکمتِ لقمان۔ وقارِ الیاس کرم عیسےٰ (علیہم السلام) یہ ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ایک تضمین میں عرض کیا ہے کہ ؎

حسنِ یوسف کا ہوا ایک جہاں میں چرچا
اک نظر جس پہ پڑی اس پہ ہوا غش طاری
اور موسےٰ نے خدا سے یدِ بیضا پایا!
نور کے چشمے ہوئے ہاتھ سے ان کے جاری
حضرتِ روح نے مردوں کو کیا ہے زندہ
قُم کہا جس کو حیات اس میں ہوئی ہے ساری
سامنے آئی جو تصویرِ محمّد میرے
خوبیاں اس میں نظر آئیں یہ مجھ کو ساری
ہوش کھو بیٹھا بشیر اس کا نظارہ کر کے
بے خودی میں یہ ہوا شعر زباں پہ جاری

"حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

معلوم ہوا! کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں۔ مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ "وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ" کے مطابق بعض نبی شہید بھی ہوئے۔ مگر یہ شہادت کا کمال حضور میں بظاہر نظر نہیں آتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو میرے بھائیو! سنو! کہ یہ کمال بھی ہمارے حضور میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس کی صورت دوسری ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگر کسی کافر کے ہاتھوں شہادت پاتے۔ تو دین مبین میں بڑے خلل پڑ جاتے۔ اور بظاہر عوام کے نزدیک دین اسلام حقیر ہو جاتا۔ اور کفار و منافقین بے دھڑک بول اٹھتے۔ کہ معاذ اللہ! اگر حضور سچے نبی ہوتے۔ تو ہمارے ہاتھوں قتل کیوں ہوتے؟۔ دیکھئے! جب جنگ احد میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا صرف دانت مبارک ہی شہید ہوا تھا۔ تو کافروں نے کیا اودھم مچا دیا تھا۔ اور کہنے لگے تھے۔ کہ اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ۔" یعنے محمد مارے گئے۔ محمد مارے گئے" (صلی اللہ علیہ وسلم) اور پھر اس افواہ سے مسلمانوں کو بھی اس حد تک پریشانی لاحق ہوئی۔ کہ بہت سوں کے تو اس خیال سے دل ہی ٹوٹ گئے۔ کہ جب حضور ہی شہید ہو گئے۔ تو اب لڑنا کس لئے؟ اور اس عالم میں لشکرِ اسلام کچھ پسپا بھی ہونے لگا۔ مگر جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میدان میں تشریف لائے۔ تو آپ کی آواز مبارک سن کر مسلمان غازی پھر جم گئے۔ اور لڑائی فتح کر لی۔ تو غور فرمایئے۔ کہ ایک جھوٹی افواہ ہی سے اس قدر پریشانی لاحق ہو گئی تھی۔ اور دشمنوں کو کچھ کا کچھ بکنے کا موقعہ مل گیا تھا۔ تو اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم شہید ہو جاتے۔ تو دین اسلام کا کیا حال ہوتا؟ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن میں اعلان فرما دیا۔ کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ مگر اس کمالِ شہادت کو بھی حضور کا قدمبوس ہونا

تنور تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک دوسری صورت ظاہر فرما دی۔ اور وہ یہ کہ احادیث میں آتا ہے۔ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سرِ انور سے لے کر ناف مبارک تک اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ناف مبارک سے لے کر پائے انور تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمشکل وہمصورت تھے

یا یوں سمجھ لیجئے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو سرتا پا نور تھے۔ اور جن کے جسم انور کا سایہ نہ تھا۔ اس جسم بے سایہ کا سایہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی مبارک صورتوں میں ظاہر ہوا۔

گویا یہ دونوں شہزادے حضور صلے اللہ وسلم کا سایہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اہل بیت اطہار میں سے شہادت کے لئے اُن کو چن لیا۔ کہ جن کا حال حضور کا حال اور جن کا کمال آپ کا کمال ٹھہرے۔ چنانچہ ان دونوں شہزادوں نے شہادت سے ہمکنار ہو کر شہادت کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی کا موقعہ مہیا کر دیا۔

درخت کا پھل

اس حقیقت کو آپ ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ کہ ایک درخت کی شاخوں میں اگر دو پھل لگے۔ تو دیکھ لیجئے۔ ہر شخص یہی کہیگا۔ کہ یہ پھل اس درخت کے ہیں۔ یعنی پھل بظاہر اگرچہ اُن شاخوں میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر ہوتے اور اصل اسی درخت کے ہیں۔ پس اسی طرح شجر محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی دو شاخیں ہیں ایک حسن دوسری حسین رضی اللہ عنہما، حسن کی شاخ میں شہادت سرّی کا پھل لگا۔ اور حسین کی شاخ میں شہادت جہری کا۔ پھل اگرچہ شاخوں میں لگا ہوا ہے۔ لیکن ہے درحقیقت درخت کا۔ شہادتِ حسنین بظاہر حسنین کی ذواتِ مقدسہ میں پائی جاتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ شہادت محمدی ہی ہے۔ جس کا ظہور حسنین رضی اللہ عنہما میں ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضور کو ان دونوں شاہزادوں سے بڑا ہی پیار تھا۔ یہ

دونوں شہزادے حضور کے نور سے تو تھے ہی۔ لیکن یہ حضور کے کمالِ شہادت کے مظہر بھی تھے۔

شہادت دو قسمیں

حضرات! ابھی ابھی آپ نے سنا۔ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ شہادتِ سرّی کے مظہر تھے۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہادتِ جہری کے۔ یہ شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ سرّی اور جہری۔ سرّی میں تو خفار و کتمان ہوتا ہے۔ اور جہری میں اظہار و اعلان۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بڑے شہزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کتمان و خفار کے طور پر ہوئی۔ اسی واسطے نہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اس شہادت کا اظہار فرمایا۔ نہ کبھی جبریل کی زبان پر اس کا ذکر آیا۔ یہاں تک کہ خود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قاتل کا نام بھائی کو نہ بتایا۔ چھوٹے شہزادے کی شہادت چونکہ جہری تھی۔ اور اس شہادت کی بنا شہرت و اعلان پر رکھی گئی ہے۔ اس لئے یہ شہادت اس قدر مشہور ہوئی۔ کہ پہلے وحی میں مذکور ہوئی۔ پھر کُل فرشتوں میں مشہور ہوئی۔ یہاں تک کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا کئی بار تذکرہ فرما دیا۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر صحابہ کرام کو سنائی۔

ذکرِ شہادت

میرے بزرگو۔ دوستو اور عزیزو۔ حضرتِ حسنین رضی اللہ عنہما کی شہادت بڑی ہی جرأت و ہمت اور عزم و استقلال کی آئینہ دار ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے اس میں بہت بڑا سبق اور درس ہے اے کاش! مسلمان ذکرِ شہادت سن کر حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے نقشِ قدم پر چلنے کی بھی کوشش کریں۔ آئیے! آج ہم اس عزم و ارادہ کے ساتھ اِن دونوں شہزادوں کی شہادت کا ذکر سنیں اور سنائیں۔ کہ ہم ان شہزادوں کے عزم و یقین، ثبات و استقلال اور صبر و شکر اور شریعت سے محبت و الفت کی پیروی بھی کریں گے۔ اور جس راہ پر

وہ ہمیں چلا گئے ہیں۔ اس راہ سے سرِ مُو انحراف نہ کریں گے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

یہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے بڑے نواسے ہیں۔ آپ نے پندرہ حج پا پیادہ ادا کئے۔ ہر بار مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک پیادہ پا آتے تھے۔ اور آپ بڑے نرم دل رحیم و شفیق تھے۔ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ اہل کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ نے وہاں چھ ماہ کچھ روز قیام کیا۔ اس کے بعد آپ نے چند شرائط پر امر خلافت کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ تمہارے بعد امرِ خلافت میری طرف لوٹے۔ جسے میں خلیفہ بناؤں۔ وہ خلافت کرے یہ شرط آپ نے اس لئے تحریر کرائی۔ کہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ خلافت کے لائق نہ تھا۔ اگر وہ خلیفہ بن گیا۔ تو دین میں رخنہ پڑے گا۔ وقتِ تحریر صلحنامہ یزید وہاں موجود نہ تھا۔ شہر حمص میں عامل تھا۔ جب دمشق میں اپنے والد سے ملنے آیا۔ تو شرائط صلح میں یہ شرط دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اور اپنے کام پر چلا گیا۔ اور دل میں خیال کرتا رہا۔ کہ بموجب اس شرط کے تمام عمر خلافت بنو ہاشم میں رہے گی۔ اور بنو امیہ برائے نام حاکم و ناظم کہلائیں گے۔ اب مجھے امام حسن کے ہلاک کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے چنانچہ یزید پلید نے حضرت امام حسن کو شہید کرنے کی ٹھان لی۔ اور اپنی اس دلی کدورت کو اس طرح بروئے کار لایا۔ کہ مروان ابن حکم جو اس وقت حاکم مدینہ تھا۔ کو اپنی سازش میں شریک کرکے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو کسی نہ کسی طرح زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مروان ابن حکم بظاہر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی عزت کرتا تھا۔ مگر یزید کے بہکانے سے وہ در پردہ حضرت امام حسن کا دشمن جانی بن گیا۔ چنانچہ ایک دن اس نے ایک دلالہ کے ذریعہ حضرت امام حسن کی بیوی جعدہ کو یہ پیغام بھجوایا۔ کہ یزید مدت سے تمہارا عاشق ہے۔ اور وہ چاہتا ہے۔ کہ

کسی طرح تم بھی اس کی محبت کو قبول کرو۔ اور امام حسن کو کسی طرح ہلاک کرکے اُس سے نکاح کر لو۔ اس طرح تم ساری عمر عیش و عشرت میں رہوگی۔ اور ملکہ بن کر رہوگی۔ وہ نابکار عورت اس جھانسے میں آگئی۔ اور اس نے جواب بھجوایا۔ کہ میں تیار ہوں۔ جو کہوگے کروں گی۔ چنانچہ مروان نے اُسی دلالہ کے ہاتھ زہر بھیجا۔ کہ یہ انہیں کھلا دو۔ جعدہ نے یہ زہر حضرت امام کو کھلا دیا۔ جس سے آپ رات بھر بیچین رہے۔ صبح کو روضۂ اطہر پر آکر دعائے صحت کی۔ تو شفا پاکر گھر آگئے۔ اور جعدہ سے بدگمان ہوکر اس کے یہاں کا کھانا پینا ترک کر دیا۔ اور حضرت امام حسین کے یہاں کھانا کھانے لگے۔

شہادت حسن

مروان خبیث نے اس دفعہ دلالہ کو ہیرے کی کنی دے کر جعدہ کے پاس بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا۔ کہ کسی طرح بھی یہ ہیرے کی کنی امام کو پلا کر ان کا کام تمام کر۔ اور اپنا مقصد پالے۔ چنانچہ اُس دلالہ نے جعدہ کے پاس پہنچکر اُسے خوب بہکایا۔ اور اب وہ حضرت امام کے شہید کرنے کو ہمہ تن آمادہ ہوگئی۔ اور آخر ہیرے کی کنی لے کر ۲۸۔ صفر کو خانۂ امام کی طرف روانہ ہوئی۔ رات کا وقت تھا۔ سب سو رہے تھے۔ اس نے حضرت امام کے پانی پینے کے کوزے میں جو سرہانے رکھا تھا۔ وہ کنی گھس کر ملا دی۔ اور چلی گئی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر بعد خواب سے چونک کر اپنی بہن کو آواز دی۔ اور فرمایا۔ میں نے ابھی ابھی نانا جان اور اباجان کو خواب میں دیکھا ہے۔ تھوڑا پانی وضو کو لاؤ۔ اور خود ہاتھ بڑھا کر اس کوزے سے پانی پی لیا۔ اور پیتے ہی ایک نعرہ مارا۔ اور فرمایا۔ یہ کیسا پانی تھا۔ جس نے میرے دل و جگر کے ٹکڑے کر دئے پھر آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ اور ان سے بغلگیر ہوکر فرمایا۔ اے بھائی! اب ہم تم سے رخصت ہوتے ہیں۔ کہ میں نے ابھی نانا جان اور اباجان کو خواب میں دیکھا ہے۔ کہ میرا ہاتھ پکڑے بہشت میں ٹہل رہے ہیں۔ اور نانا جان فرما رہے ہیں۔ کہ بیٹا خوش

ہو جاؤ۔ کہ تم نے دشمنوں سے چھٹی پائی۔ اور کل رات تم میرے پاس ہوگے۔ پس میں نے بیدار ہو کر اس کوزے کا پانی پیا۔ جس نے میرے دل و جگر کو پاش پاش کر دیا ہے۔ اسی عرصہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بطن اقدس میں شدید درد پیدا ہوئی۔ اور دست و قے شروع ہوگئے۔ جس سے آنتوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر خارج ہوئے۔ اور آپ کا رنگ مبارک سبز ہو گیا۔ اور امام حسن یہ معلوم کر کے اپنے بھائی سے فرمانے لگے۔ کہ حدیث معراج سچ ہوئی۔ اور پھر فرمایا۔ کہ نانا جان نے معراج سے واپس آکر مجھ سے فرمایا تھا۔ کہ میں نے جنت میں دو محل دیکھے ہیں۔ ایک سرخ رنگ کا اور ایک سبز رنگ کا۔ میں نے رضوان سے ان دونوں کے متعلق پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ سبز رنگ کا محل حسن کا ہے۔ اور سرخ رنگ کا محل حسین کا ہے۔ میں نے رنگ مختلف ہونے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ چپ رہا۔ اور جبریل نے مجھ سے کہا۔ کہ حضور! یہ شرم سے کہہ نہیں سکتا۔ سبز محل حسن کا اس لئے ہے۔ کہ وہ زہر پلا کر شہید کئے جائیں گے۔ اور ان کے چہرے کا رنگ سبز ہو جائے گا۔ اور محل سرخ حسین کا اس لئے ہے۔ کہ وہ قتل کئے جائیں گے۔ اور خون سے ان کا چہرہ سرخ ہو جائے گا۔

اس کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے کے منہ پر منہ رکھ کر آنسو بہانے لگے۔ حاضرین بھی یہ منظر دیکھ کر بیقرار ہوگئے۔ اور رونے لگے۔ پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ کہ بھائی! آپ کے گمان میں زہر دینے والا کون ہے؟ تو فرمایا۔ کہ اگر وہی ہے۔ جو میرے گمان میں ہے۔ تو اللہ تعالےٰ سخت بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر وہ نہیں ہے۔ تو میں کسی بے گناہ کا اپنی وجہ سے مارا جانا پسند نہیں کرتا ؎

واہ کیا حلم ہے اپنا تو جگر ٹکڑے ہو
پھر بھی ایذائے ستمگر کے روا دار نہیں

پھر آپ نے حضرت امام حسین سے فرمایا۔ کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی تھی کہ مجھے روضۂ اطہر میں

دفن کی جگہ عنایت ہو جائے۔ انہوں نے منظور فرما لیا تھا۔ میری وفات کے بعد ان سے عرض کرنا۔ اس کے بعد حضرت نے پانچویں ربیع الاول شریف ۴۹ھ میں مدینۂ طیبہ میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ؎

نبی طالب تھے دیدارِ حسن کے　　　　تھے شائق سیرِ گلزارِ حسن کے
ہُوا اس گل کا بارو چاک سینہ　　　　ہوئے ٹکڑے دل زارِ حسن کے
لگا خون آنے اسہالِ کبد سے　　　　لہو کے چھوٹے فوّارے حسن کے
خدا پر چھوڑو بے دل ظالموں کو　　　　وہ بدلے لے گا آزارِ حسن کے

آپ کے جنازہ مبارک کو اٹھایا گیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روضۂ انور میں دفن ہونے کی اجازت دے دی۔ لیکن مروان خبیث نے منع کر دیا۔ حتیٰ کہ لڑائی تک نوبت آئی۔ مگر حضرت ابوہریرہ نے امام حسین کو ان کے بھائی کی وصیت یاد دلا کر کہ جھگڑا نہ کرنا۔ یہ جھگڑا دور کیا۔ اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

اس کے بعد جعدہ نے یزید کو پیغام بھیجا۔ کہ میں نے تیرے حکم کی تعمیل کی۔ اب تو بھی اپنا وعدہ پورا کر۔ مگر یزید نے کہلا بھیجا۔ کہ جب تو نے حسن جیسے شخص سے وفا نہ کی۔ تو میرے ساتھ کیا کچھ نہ کرے گی۔ لہذا میں تیرے جیسی عورت کو اپنی صحبت میں رکھنا پسند نہیں کرتا — خَسِرَتْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ —

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا۔ تو آپ کے حکم سے جعدہ کو مروا دیا گیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا پیار تھا۔ اور حضور کو یہ بھی علم تھا۔ کہ یہ میرا بیٹا ایک روز میدان کربلا میں شہید کر دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک روز امام حسین حضور کی گود میں تشریف فرما تھے اور حضرت ام الفضل بھی پاس بیٹھی تھیں۔ ام الفضل نے دیکھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ ام الفضل نے

اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا! جبریل نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ یہ آپ کا پیارا بیٹا شہید ہونے والا ہے۔ اور اِسے میری امت قتل کرے گی۔ اور جبریل نے مجھے اس سرزمین کی جہاں یہ میرا بیٹا شہید ہوگا۔ سرخ مٹی بھی لاکر دی ہے۔ اور میں نے اُسے سونگھا ہے۔ تو اس مٹی سے مجھے بوئے کربلا آتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر وہ مٹی ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ اور فرمایا۔ اے ام سلمہ اس مٹی کو اپنے پاس رکھو۔ جب یہ مٹی خون بن جائے۔ تو سمجھ لینا میرا بیٹا شہید ہوگیا ہے۔ حضرت ام سلمہ نے وہ مٹی ایک شیشی میں بند کرکے اپنے پاس رکھ لی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۶۲) اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو شہادتِ حسین کا علم تھا۔ اور آپ اس پر صابر و شاکر تھے۔ اور اسی صبر و شکر کی آپ نے اپنے پیارے بیٹے کو بھی تلقین فرمائی۔ اور حضرت امام مظلوم رضی اللہ عنہ نے بھی صبر و شکر کرکے دنیا بھر کو دکھا دیا۔ کہ اللہ کے نیک اور صابر و شاکر بندے اس طرح صبر و شکر سے کام لیتے ہیں۔ اسی لئے شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

جو دہکتی آگ کے شعلوں میں سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین
مرتبہ اسلام کا جس نے دو بالا کر دیا!
خون نے جس کے دوعالم میں اجالا کر دیا

ابتداء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید جس وقت تخت حکومت پر بیٹھا۔ تو اس نے سب سے پہلے گورنرِ مدینہ ولید بن عتبہ کو حکم بھیجا۔ کہ فوراً امام حسین کو بلا کر میری بیعت لو۔ عامل مدینہ جب حضرت امام حسین کے پاس آیا اور یزید کا

بپیغام سنایا۔ تو امام حسین نے یزید کے فسق و فجور کے پیش نظر اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ آپ کو علم بھی تھا۔ کہ یہ میرا انکار یزید کے لئے غصہ و انتقام کا موجب ہوگا۔ مگر نانا جان کی شریعت کا دامن آپ کیسے چھوڑتے۔ اور ایک فاسق کی آپ بیعت کیسے کر لیتے۔ آپ نے مردانہ وار جواب دے دیا۔ اور کوئی لگی لپٹی کے بغیر اور بغیر اس کے کہ دل میں اس سے عناد رکھتے اور اوپر اوپر سے جان بچا لینے کو اس کی بیعت کر لیتے۔ آپ نے صاف صاف فرما دیا۔ کہ حسین سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ یزید جیسے مخالفِ شرع کی بیعت کرے۔ یزید کو پتہ چلا۔ تو وہ آپ کا سخت دشمن ہو گیا۔ اور عامل مدینہ کو دوبارہ حکم بھیجا۔ کہ حسین کو پھر بلا کر میری بیعت لو۔ اگر اب بھی نہ مانے۔ تو اسے قتل کر دو۔

عامل مدینہ ولید بن عتبہ نیک آدمی تھا۔ اس نے یہ حکم پا کر اِنّا لِلّٰہ پڑھی۔ اور حضرت امام حسین سے مل کر حقیقتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت دیکھی۔ تو آپ نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک فرمانے کا ارادہ کر لیا۔

مزارِ انور پر حضرت امام رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ چلے جانے کا ارادہ فرما لیا۔ اور جس روز آپ نے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہونا تھا۔ اس روز سے ایک دن پہلے رات کو اپنے نانا جان حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے مزارِ انور پر حاضر ہوئے۔ اور رو رو کر عرضِ حال کرنے لگے۔ السلام علیک یا رسول اللہ! نانا جان! میں آپ کا لختِ جگر حسین ہوں۔ حضور میں ہوں۔ جسے آپ کندھے پر سوار فرمایا کرتے تھے۔ دیکھئے حضور اب میں ستایا جانے لگا ہوں۔ اسی طرح کی عرضیں کر کر کے آپ وہیں سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ نانا جان تشریف لائے ہیں۔ آپ نے حسین کو چوما۔ اور سینہ سے لگا لیا۔ اور فرمایا بیٹا! عنقریب ظالم تجھے کربلا میں بھوکا پیاسا قتل کریں گے۔

تیرے ماں باپ اور بھائی تیری انتظار میں ہیں۔ بہشت تیرے لئے آراستہ ہو رہا ہے۔ جاؤ بیٹا شہادت کے مرحلہ سے گزر کر ہمارے پاس پہنچ جاؤ۔ حضرت امام یہ خواب دیکھ کر واپس گھر آئے۔ اور اہل بیت کو یہ خواب سنایا۔ اور مکہ معظمہ چلنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پھر آپ اپنے برادرِ اکبر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ اس کے بعد اپنی مادرِ مہربان حضرت زہرا بتول کے مزار انور پر حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ اے اماں جان! یہ نازوں کا پالا تمہارا حسین آج تم سے جدا ہونے آیا ہے۔ اور آخری سلام عرض کرتا ہے۔ قبر انور سے آواز آئی وعلیک السلام اے مظلوم مادر! آپ وہاں کچھ دیر روتے رہے۔ اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ اور پھر

مدینہ منورہ سے روانگی

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مع اہل و عیال مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ اور مدینہ منورہ میں اہل بیت سے سوا فاطمہ صغری و محمد حنیفہ کے کوئی باقی نہ رہا۔ جاتے وقت لوگوں نے عرض کی۔ حضور نانا جان کے روضہ انور کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں۔ فرمایا! میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ یہ وقت اہل مدینہ کے لئے بڑا ہی رنج و اندوہ کا تھا۔ اِدھر اہل مدینہ رنجیدہ تھے اور اُدھر اہل مکہ حضرت کی تشریف آوری کی خبر پاکر بڑے خوش ہوتے اور آپ کا استقبال کرکے بڑے عزو اکرام سے مکہ معظمہ لے گئے۔ اور لوگ جوق جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔

حرم شریف میں آپ کا مؤذن باآواز بلند پنجوقتہ اذان کہتا۔ سینکڑوں کی جماعت امام کے پیچھے ہوتی۔ آپ ۳ ر ذی الحجہ تک نہایت اطمینان سے مکہ معظمہ میں قیام فرما رہے۔ والئ مکہ سعید بن عاص یہ منظر دیکھ کر گھبرایا۔ اور سوچا۔ کہ آجکل تو یہ حال ہے۔ اور جب حج کے دن آئے تو لاکھوں کا اجتماع ہوگا۔ ہر طرف سے لوگ آئیں گے۔ اور طرف داری امام کریں گے۔ بہت ممکن ہے۔ مجھے بھی قتل کر دیں۔ اس خوف سے

وہ مدینہ بھاگ گیا۔ اور وہاں سے یزید کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔

کوفیوں کے خطوط

کوفیوں نے جب حضرت امام حسین کے بیعت نہ کرنے، اور مکہ شریف چلے آنے کی خبر سنی۔ تو انہوں نے قسم کھائی۔ کہ ہم حسین کی مدد کریں گے۔ اپنا جان و مال سب ان پر قربان کر دیں گے۔ پھر سب نے مل کر حضرت امام حسین کو مکہ معظمہ میں خطوط بھیجے۔ اور متواتر خطوط بھیجنے لگے۔ کہ ہم یزید کی حکومت سے بیزار ہیں۔ آپ کے جانثار ہیں۔ وفادار ہیں۔ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ اور آپ کا ساتھ دیں گے۔ اس طرح کے التجا ناموں اور خطوں کا تانتا بندھ گیا۔ اور تمام جماعتوں کی طرف سے ڈیڑھ سو کے قریب عرضیاں امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں۔

آپ نے اپنے دوستوں سے مشورہ لیا۔ کہ کوفہ جانا چاہیئے یا نہیں۔ تو بات یہ طے پائی۔ کہ آپ اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجیں۔ وہ وہاں کی صورتِ حال کا مطالعہ فرمائیں۔ اور پھر اگر مناسب ہو۔ تو حضرت امام بھی تشریف لے جائیں۔ چنانچہ حضرت امام نے کوفیوں کو جواب لکھا۔ کہ میں اپنا نمائندہ مسلم بن عقیل تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ اگر واقعی تم میرا ساتھ دینا چاہتے ہو۔ تو میرے نمائندہ مسلم کی بیعت کرو۔ جب وہ تمہارے حال اور صدق مقال سے مجھے مطلع کریں گے۔ تو میں بھی آ جاؤں گا۔

امام مسلم کی کوفہ کو روانگی

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حکم پا کر کوفہ کو روانہ ہوئے اور اپنے دو چھوٹے فرزند محمد اور ابراہیم بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ حضرت امام مسلم بڑی دشواری کے بعد کوفہ پہنچ گئے۔ اور کوفہ والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور یزید کے خلاف ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ اور بارہ ہزار سے زیادہ تعداد نے آپ کی بیعت کرلی۔ حضرت امام مسلم نے اہل عراق کی یہ گرویدگی دیکھ کر حضرت امام حسین کو لکھ دیا۔ کہ آپ جلدی تشریف

سے آئیں۔

جلاد ابن زیاد

اُدھر یزید کو جب اس صورتِ حال کا پتہ چلا۔ تو اس نے حاکم بصرہ عبید اللہ ابن زیاد کو حکم بھیجا۔ کہ وہ فوراً کوفہ پہنچکر لوگوں کو امام حسین کی بیعت سے روکے۔ اور جنہوں نے بیعت کر لی ہے۔ انہیں تنبیہ کرے۔ ابن زیاد بڑا مکار اور جلاد تھا یہ ظالم جھٹ کوفے پہنچا۔ اور اہل کوفہ کو جمع کرکے یزید کی مخالفت سے ڈرایا دھمکایا۔ اور بڑے بڑے لالچ دے کر انہیں حمایت حسین سے روکا۔ اور سب پر اپنا رعب و داب بٹھایا۔ حضرت امام مسلم یہ صورت حال دیکھ کر ہانی بن عروہ کے مکان میں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ اے ہانی! میں غریب الدیار مسافر ہوں۔ تو اہل کوفہ سے خوب واقف ہے میں تیری پناہ میں آیا ہوں۔ مجھے اپنے مکان میں پناہ دو۔ ہانی نے قبول کیا۔ اور ایک حجرہ ان کے لئے خالی کرکے انہیں پیش کر دیا۔

ابن زیاد کو پتہ چل گیا۔ کہ مسلم کو ہانی نے پناہ دے رکھی ہے چنانچہ اس نے فوج بھیجکر حضرت ہانی کو گرفتار کر لیا۔ اور اسی طرح دوسرے عمائد و اکابر کو بھی قلعہ میں نظر بند کر لیا۔

حضرت امام مسلم کو پتہ چلا۔ تو آپ نے اپنے دونوں بچوں کو قاضی شریح کے گھر روانہ کرکے محبانِ اہل بیت کو بلایا۔ تو آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے۔ اور چالیس ہزار کی جمعیت نے آپ کے ساتھ مل کر قصر شاہی کا محاصرہ کر لیا۔ اور ابن زیاد کو گھیر لیا۔ ابن زیاد نے یہاں ایک چال چلی۔ اور وہ یہ کہ اس نے کوفہ کے جن جن بڑے آدمیوں کو قلعہ میں نظر بند کر رکھا تھا۔ انہیں مجبور کیا۔ کہ تم چھت پر جا کر اہل کوفہ کو سمجھاؤ اور ڈراؤ۔ اور انہیں مجبور کرکے مسلم سے الگ کر دو۔ یہ لوگ ابن زیاد کی قید میں تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ اگر ابن زیاد کو شکست ہوئی۔ تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کو قتل کر دے گا۔ اس خیال سے وہ گھبرا کر اٹھے۔ اور دیوار قلعہ پر چڑھ کر چلائے۔ کہ بھائیو! مسلم کی حمایت تمہارے لئے خطرناک ہے۔

حکومت تمہاری دشمن ہو جائے گی۔ یزید تمہارے بچوں کو بھی مروا دے گا۔ تمہارے مال لٹوا دے گا۔ تمہاری جاگیریں اور مکان ضبط ہو جائیں گے۔ اور اگر تم مسلم کے ساتھ ہی رہے۔ تو دیکھو ہم جو ابن زیاد کی قید میں ہیں۔ قلعہ کے اندر مارے جائیں گے۔ اپنے انجام پر نظر ڈالو۔ اور ہمارے حال پر رحم کرو۔ اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ حیلہ کامیاب رہا۔ اور حضرت امام مسلم کا ساتھ سب چھوڑنے لگے۔ حتیٰ کہ شام تک آپ کے ساتھ صرف پانچسو کی تعداد رہ گئی۔ اور غروب آفتاب کے بعد وہ بھی ساتھ نہ رہے۔ اور امام مسلم اکیلے رہ گئے۔

رات کا وقت تھا۔ اور ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے شہر کے چاروں طرف کڑی نگرانی کر رکھی تھی۔ امام مسلم بھوکے پیاسے ایک مسجد میں بیٹھے رہے۔ رات کو باہر نکلے۔ راستے کا علم نہ تھا۔ دل میں کہتے جاتے تھے۔ افسوس بھائی حسین سے چھٹے۔ اور دشمنوں میں گھرے۔ نہ کوئی ہمدم ہے کہ راز دل سنے۔ نہ کوئی قاصد ہے کہ حسین کو ہماری خبر کرے ؎

نہ قاصدے کہ پیامے بسوئے یار برد
نہ محرمے کہ سلامے ورآں دیار برد

اسی طرح حیران پریشان ایک محلے میں پھر رہے تھے۔ کہ ایک بڑھیا جس کا نام طوعہ تھا دیکھی۔ آپ نے اس سے پانی طلب فرمایا۔ تو اس نے پانی پلایا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ یہ مسلم ہیں۔ انہیں اپنے مکان میں جگہ دی اس کا بیٹا ابن زیاد کا آدمی تھا۔ اس نے جا کر ابن زیاد کو خبر دے دی۔ ابن زیاد نے فوج بھیج دی۔ جس نے طوعہ کے مکان کو گھیر لیا۔ اور آپ کو گرفتار کرنا چاہا۔ آپ کو پتہ چلا۔ تو آپ تلوار لے کر اس لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے حملہ سے دلآوروں کے دل ٹوٹ گئے۔ اور ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ بہت سے مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ پھر ان ظالموں نے در و دیوار پر چڑھ کر آپ پر پتھر برسانے شروع کئے۔ جس سے آپ نڈھال ہو گئے۔ اور ایک پتھر آپ کی پیشانی پر لگا۔ جس

سے خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ نے مکہ کی طرف رخ کر کے کہا۔

"اے حسین! کچھ آپ کو اپنے خستہ جگر بھائی کی بھی خبر ہے؟
کہ اس پر کیا گزری؟ اور کوفیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک
کیا۔ افسوس آپ کو میری خبر کون پہنچائے۔ اور آپ کو یہاں
آنے سے کون روکے:

اسی اثنا میں ایک پتھر اور آپ کے دندانِ مبارک پر لگا۔ منہ سے خون جاری ہوا۔ داڑھی مبارک رنگین ہو گئی۔ تو آپ مجبور ہو کر ایک دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ کہ ایک نامرد نے گھر میں سے آ کر آپ کے سر پر تلوار ماری۔ جس سے اوپر کا ہونٹ کٹ گیا۔ آپ نے اسی حال میں اس بزدل کو جہنم رسید کیا۔ اور پھر ایک ظالم نے پشت پر نیزہ مارا۔ جو پشت سے پار ہو گیا۔ اور آپ سرنگوں ہو گئے۔ اور ظالموں نے دوڑ کر آپ کو پکڑ لیا۔ اور آپ کو ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد بدنہاد نے حکم دیا کہ انہیں چھت پر لے جا کر قتل کیا جائے۔ چنانچہ ایک ظالم آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو چھت پر لے گیا۔ حضرت مسلم جاتے تھے اور درود پڑھتے اور کہتے جاتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ احْکُمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

جب چھت پر پہنچے۔ تو نیچے دیکھا۔ کہ اہل کوفہ جمع ہو کر دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے کوفیو! جب میرا سر تن سے جدا ہو جائے۔ تو بدن دفن کر دینا۔ اور کپڑے اتار کر جو قافلہ مکے جاتا ہو۔ اس کے ہاتھ حسین کے پاس بھیج دینا۔ اور میرے بچوں پر رحم کرنا۔ پھر مکہ کی طرف رخ کر کے کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اتنے میں ظالم قاتل نے آپ کا سر مبارک تنِ انور سے جدا کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شہید مسلم بیکس ہوئے ہزار افسوس
فرشتے کرتے ہیں اس غم سے بار بار افسوس
شقی نے کچھ بھی نہ غربت کا ان کی پاس کیا

چلائی حلق پہ شمشیر آب دار افسوس

حضرت مسلم امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے حالات معلوم کرنے آئے تھے۔ شروع شروع میں جو پذیرائی ہوئی۔ اور اٹھارہ ہزار آدمی بیعت ہوئے۔ ان ظاہری حالات کی بنا پر انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ سارا شہر آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہے۔ آپ تشریف لے آیئے۔

مظلوم بچے

حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہ اپنے دو چھوٹے بچے بھی لائے تھے۔ جو قاضی شریح کے گھر پناہ گزین تھے۔ حضرت امام مسلم کی شہادت کے بعد ابن زیاد کو پتہ چلا۔ کہ مسلم کے دو بیٹے بھی کوفہ میں ہیں۔ چنانچہ اس نے اعلان کرایا۔ کہ جو کوئی مسلم کے بچوں کو گھر میں چھپائے گا۔ قتل و غارت کیا جائے گا۔ قاضی شریح نے یہ اعلان سنا۔ تو ان بچوں کو سامنے بلا کر رونا شروع کر دیا بچوں نے یہ منظر دیکھا۔ تو پوچھنے لگے۔ قاضی صاحب! اس رونے کا کیا سبب ہے؟ کیا ہم یتیم تو نہیں ہوگئے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا۔ بچو صبر کرو۔ واقعی تم یتیم ہوگئے ہو۔ پھر انہیں ایک قافلہ کے ہمراہ مدینہ منورہ بھیجنے کا انتظام کیا۔ مگر تقدیر دیکھئے۔ کہ یہ مظلوم بچے جب اس قافلہ کے ساتھ گئے گئے۔ تو یہ قافلہ سے بچھڑ گئے۔ اور پھر تنہا رہ گئے۔ اور رات بھر ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ اور صبح ہوئی۔ تو ایک چشمہ دیکھا۔ تھکے ماندے تھے۔ اس لئے لب چشمہ بیٹھ گئے۔ اتفاقاً ایک لونڈی اس چشمہ پر پانی بھرنے آئی۔ اور ان کو دیکھ کر جب اُسے معلوم ہوا۔ کہ یہ امام مسلم کے یتیم بچے ہیں۔ رونے لگی۔ اور انہیں اپنے ہمراہ اپنی مالکہ کے پاس لے آئی۔ یہ مالکہ بڑی خدا ترس اور اہل بیت کی محبہ تھی۔ ان بچوں کو پاکر بڑی خوشش ہوئی۔ اور ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اور رات کو ان بچوں کو اندر کی کوٹھڑی میں سلا دیا۔

اس مالکہ کا خاوند حارث بڑا بدبخت اور دنیا کا کتا تھا۔ اس نے ابن زیاد کا یہ اعلان سنا۔ کہ جو کوئی مسلم کے بچوں کو پکڑ لائے گا۔ اُسے

انعام ملے گا۔ تو یہ دن بھر ان بچوں کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔ تقدیر دیکھئے کہ حارث جن بچوں کی تلاش میں دن بھر پھرتا رہا۔ وہ بچے اسی کے گھر تشریف فرما تھے۔ چنانچہ رات کو جب یہ بدبخت گھر آیا۔ تو تھکا ماندہ سو گیا۔ اس کی بیوی جو بڑی نیک اور محبہ اہل بیت تھی۔ جاگ رہی تھی۔ اور بے چین تھی۔ کہ میرے خاوند کو اگر پتہ چل گیا۔ کہ مسلم کے یتیم یہیں قیام فرما ہیں۔ تو یہ ظالم انہیں تنگ کرے گا۔ آدھی رات کا وقت ہوا۔ تو یہ دونوں یتیم جو اندر کی کوٹھڑی میں سو رہے تھے۔ چیخ مار کر اٹھ بیٹھے۔ چھوٹے نے بڑے سے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ جو جنت میں تشریف فرما ہیں۔ اور ہمارے ابا جان حضرت امام مسلم ان کے پاس پہنچے ہیں تو نانا جان نے فرمایا۔ کہ مسلم تم تنہا ہی آ گئے۔ اور اپنے دونوں چھوٹے لڑکوں کو ساتھ کیوں نہ لائے؟ تو ابا جان نے جواب دیا۔ حضور صبح تک وہ بھی آ رہے ہیں۔ چھوٹے نے یہ خواب سنایا۔ تو بڑے نے رو کر فرمایا۔ کہ بھیا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہماری شہادت کا وقت بھی آ پہنچا ہے۔

ان کے رونے کی آواز سے حارث کی آنکھ کھل گئی۔ اور بیوی سے دریافت کیا۔ تو وہ بچاری ڈر گئی۔ کہ یہ ظالم ان بچوں کو خدا جانے کیا تکلیف دے۔ اور اس کے قدموں میں گر گئی۔ اور بولی۔

یہ فاطمہ کے لال اور مسلم کے یتیم ہیں۔ جو ہمارے لئے واجب التعظیم ہیں۔ مگر ظالم حارث نے ایک نہ سنی۔ اور چراغ جلا کر اندر آیا۔ تو ان دونوں یتیموں کو روتے ہوئے دیکھ کر بولا۔ تم کون ہو؟ ان دونوں صاحبزادوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ ہم فرزندان مسلم ہیں۔ ظالم حارث خوش ہو گیا۔ اور سے

آیا حارث تو کہا تم ہی ہو مسلم کے پسر :: کل تمہیں نے مجھے حیران کیا چار پہر
خیر اب کل کا عوض آج میں لونگا جی بھر :: پھینک دی ہاتھ سے پھر شمع ادھر تیغ ادھر
دستِ بیداد سے اک بھائی کا بازو کھینچا!

دوسرے بھائی کا اک ہاتھ سے گیسو کھینچا

قتل کے خوف سے لپٹے تھے علی کے پیارے ۔ اس توقف پہ ستمگر نے طمانچے مارے
کھینچا اس طرح کہ پرزے ہوئے کرتے سارے ۔ منہ کے بل گر پڑے وہ برجِ شرف کے تارے
یا حسین ابنِ علی اک نے بصد یاس کہا!
دوسرے بھائی نے یا حضرتِ عباس کہا!

پھر یہ ظالم ان دونوں صاحبزادوں کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ عورت بچاری کافی منت سماجت کرتی رہی۔ مگر یہ ظالم کسی صورت نہ مانا۔ اور ان دونوں بچوں کو فرات کی طرف لے آیا۔ اور ان کو قتل کرنے کے لئے تیار ہونے لگا۔ ان بچوں نے جب اس کی یہ تیاریاں دیکھیں۔ تو سے

کی بڑے بھائی نے قاتل کی یہ منت ہی آن ۔ تجھ سے اک عرض ہیں کرتا ہوں، گر تو مان
چھوٹے بھائی پہ ہیں قربان مرا سر قربان ۔ سر مرا پہلے قلم کر تو بڑا ہو احسان
شوق سے اور ہر اک صدمہ و ایذا دکھلا
پر نہ بھائی کا مجھے ننھا سا لاشہ دکھلا

آخر کار ظالم حارث نے تلوار ہاتھ میں لی۔ اور بڑی بیدردی سے ان دونوں یتیموں کو بھی شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس ظلم و ستم کی پاداش میں حارث بجائے اس کے کہ کچھ انعام پاتا۔ جب ان بچوں کے مقدس سروں کو ابن زیاد کے پاس لایا۔ تو ابن زیاد نے غصہ میں کہا کہ تم انہیں زندہ پکڑ کر کیوں نہ لائے۔ ان کو قتل کر کے کیوں لائے۔ مجھ سے اگر یزید نے ان بچوں کو زندہ طلب کیا۔ تو میں کیا جواب دوں گا۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے حارث کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور حارث خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَة کا مصداق بن کر دنیا سے روانہ ہوا۔

روانگی امام

ادھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام مسلم کا خط پا کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ اور روایت کے مطابق جس روز حضرت امام مسلم کوفہ میں شہید ہوئے۔ اسی روز امام حسین مکہ معظمہ سے چل پڑے۔ دوست احباب نے بہتیرا روکا۔ مگر حضرت امام حسین نے کسی کا مشورہ

قبول نہ فرمایا۔ اور روانہ ہو گئے۔ ؎

ضیائے چشم رسولِ خدا سلامٌ علیک
سرورِ خاطرِ خیر النساء سلامٌ علیک
ذبیحِ سوختۂ جاں کنارِ رودِ فرات
شہیدِ خنجرِ کرب و بلا سلامٌ علیک

رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کا لخت جگر مکہ مکرمہ سے اس طرح رخصت ہو رہا ہے۔ کہ اب کسی کو اس کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔ مکہ مکرمہ میں ایک کہرام بپا ہے۔ ہر شخص ابن رسول اللہ کی مفارقت سے بےچین ہے۔ کعبہ سیاہ چادر اوڑھے دم بخود ہے۔ در و دیوار پر ایک اندوہ کا عالم ہے۔ آسمان چپ اور زمین مبہوت ہے۔ مکہ اور مکہ والوں سے شبیہ رسول چھنی جا رہی ہے۔ ؎

غل تھا شہِ ابرار خدا حافظ و ناصر
رانڈوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
محتاجوں کے غمخوار خدا حافظ و ناصر

نانا جان کو الوداعی سلام مدینہ منورہ کی طرف منہ کرکے آپ کھڑے ہو گئے۔ اور بصد ادب و احترام یہ عرض کرنے لگے۔ کہ بارے نانا جان آپ کا لاڈلا حسین جا رہا ہے۔ نانا جان سلام! بیابان غربت میں قدم رکھتا ہوں۔ معلوم نہیں۔ کن حادث و مصائب کا سامنا ہو۔ نانا جان! آپ کا نواسہ خلافت کا خواہاں نہیں۔ تمنا تو یہ ہے۔ کہ آپ کی امت صراط مستقیم پر چلے۔

خاندانِ رسالت کا یہ بستہ کی راہ میں لٹنے والا قافلہ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ اس مختصر سے مقدس قافلہ کی تعداد ۸۲ نفوس پر مشتمل تھی۔ ادھر یہ قافلہ روانہ ہوا۔ اور ادھر ابن زیاد نے اپنی فوجوں کو کوفہ کے اطراف میں پھیلا رکھا تھا۔ تمام ناکوں اور گھاٹیوں

یہ مسلح جوان متعین تھے۔ تاکہ امام حسین کو کوفہ کے شہر میں کسی جانب
سے بھی داخل نہ ہونے دیں۔ راستہ میں آپ نے حضرت مسلم کی شہادت
کی خبر سنی۔ تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ اور آپ نے عہد کر لیا۔ کہ اب ہم
واپس نہ ہوں گے۔ انتقام لیں گے۔ یا یہیں شہید ہو جائیں گے۔ صبح کو
حضرت امام اور آگے بڑھے

حُر ابن ریاحی

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی خبر پا کر
ابن زیاد نے حُر ابن ریاحی کو ایک دستہ فوج
دے کر حضرت امام کو گھیر کر کوفہ میں لانے کے واسطے آگے بھیج دیا۔
حضرت امام نے جب اس لشکر کو دیکھا۔ تو ایک شخص کو معلوم کرنے
کے لئے بھیجا۔ کہ یہ کیسا لشکر ہے۔ اتنے میں حُر بن ریاحی خود حضرت
امام کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ مجھے ابن زیاد نے آپ کو گھیر کر
کوفہ میں لے جانے کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت امام نے اس لشکر میں خطبہ
پڑھ کر فرمایا۔ کہ اے لوگو! میرا ارادہ ادھر آنے کا نہ تھا۔ مگر جب درپے
تمہارے خط پہنچے۔ کہ حضور آئیے کہ جلد آئیے۔ تو میں آیا۔ اب اگر تم اپنے
وعدے پر قائم ہو۔ تو میں تمہارے شہر چلوں۔ ورنہ واپس چلا جاؤں۔
حُر بولے! کہ خدا کی قسم میں ان خطوط سے خبردار نہیں ہوں۔ حضرت
امام نے فرمایا۔ مگر تمہارے ہی لشکر میں بہت سے ایسے آدمی موجود ہیں۔
جنہوں نے مجھے خط لکھے۔ پھر آپ نے خطوط پڑھ کر سنائے۔ اکثر نے
سر نیچا کیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ حُر نے حضرت امام سے با ادب کہا۔ کہ
حضرت! ابن زیاد نے مجھے آپ کو گھیر کر کوفہ لے چلنے کا حکم دیا ہے۔
مگر میرے ہاتھ کٹ جائیں۔ جو آپ پر تلوار اٹھاؤں۔ چونکہ مخالف بہت
ساتھ ہیں۔ اس لئے مصلحت یہ ہے۔ کہ میں آپ کے ہمراہ رہوں۔ رات
کو آپ مستورات کا پردہ کر کے مجھ سے علیحدہ اتریں۔ اور جب لشکر والے
سو جائیں۔ تو آپ جس طرف جی میں چاہے جائیں۔ میں صبح کو کچھ دیر جنگل میں
تلاش کر کے واپس چلا جاؤں گا۔

دشتِ کربلا

چنانچہ حضرت امام نے یہی کیا۔ اور رات کو جب یزیدی لشکر سو گیا۔ تو آپ نے وہاں سے کوچ کیا۔ اندھیری رات میں معلوم نہ ہوا۔ کہ کدھر جا رہے ہیں۔ صبح کو ایک میدانِ ہولناک میں پہنچے۔ یہاں اترے۔ تو اس میدان میں جس جگہ میخ گاڑتے۔ زمین سے خون نکلتا۔ جس درخت سے لکڑیاں توڑتے۔ خون نکلتا۔ یہ حال دیکھ کر امام نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ تم میں سے کسی کو اس دشت کا نام معلوم ہے۔ ایک نے کہا۔ اسے ماریہ کہتے ہیں۔ فرمایا۔ شاید کوئی دوسرا نام بھی ہو۔ لوگوں نے کہا۔ اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ اللہُ اکبر! — اَرضُ کَرْبٍ وَ بَلَاءٍ وَ سفکِ دِمَاءٍ۔ زمین کربلا یہی ہے۔ ہمارے خون بہنے کی جا یہی ہے۔ اب ہم یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے ؎

دشمن یہاں پہ خون ہمارا بہائیں گے
زندہ یہاں سے ہم نہ کبھی پھر کے جائینگے
آلِ نبی کا ہوگا اِسی جا پہ خاتمہ
سب تشنہ لب یہاں پہ سراپا کٹائینگے
کرب و بلا ہے نام اسی سرزمین کا
بچے یہاں پہ پانی کا قطرہ نہ پائیں گے
ہوگا ہراک شہید یہاں مصطفٰے کا لعل
اور لاش قتل گاہ سے ہم سب کی لائینگے

علی اکبر نے عرض کیا۔ ابا جان! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ فرمایا۔ بیٹا! تیرے دادا جب علی امرتضٰے صفین جاتے ہوئے یہاں ٹھہرے۔ اور بڑے بھائی حسن کے زانو پر سر رکھ کر سوئے۔ میں سرہانے کھڑا تھا۔ کہ روتے

ہوئے اٹھے۔ بڑے بھائی نے رونے کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا۔ میں نے بھی خواب میں اس جگہ حسین کو دریائے خون میں ڈوبتا ہوا۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہوا۔ اور فریاد کرتا ہوا دیکھا ہے۔ مگر کوئی اس کی فریاد نہیں سنتا۔ پھر مجھ سے فرمایا۔ بیٹا! جب تجھے اس جگہ واقعہ عظیم درپیش ہوگا۔ تو تُو اس وقت کیا کرے گا؟ میں نے عرض کیا۔ کہ صبر کروں گا۔ اس پر فرمایا۔ بیٹا ایسا ہی کرنا۔ کہ صبر کرنے والوں کا ثواب بیشمار ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

یہ فرماکر آپ نے اسباب اتروایا۔ لب فرات خیمہ نصب فرمایا — در دوسری محرم ۶۱ھ کو آپ دشتِ کربلا میں قیام پذیر ہوئے۔

تلقینِ صبر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب دشتِ کربلا میں اترے تو آپ نے اپنے اہل بیت میں یہ وعظ فرمایا کہ:۔

"میری مصیبت و مفارقت پر صبر کرنا۔ جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا۔ اور بال نہ نوچنا۔ اور گریبان چاک نہ کرنا۔ اے میری بہن زینب! تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت پر صبر کیا تھا۔ اسی طرح تم بھی میری مصیبت پر صبر کرنا"

ابنِ زیاد کا خط

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مقام کربلا میں قیام فرمایا۔ تو ابنِ زیاد نے ایک خط حضرت امام کی طرف اس مضمون کا بھیجا۔ کہ یا تو یزید کی بیعت کیجئے۔ یا لڑنے کو تیار ہو جایئے۔ حضرت امام نے اس خط کو پڑھ کر پھینک دیا۔ اور قاصد سے فرمایا مَا لَہٗ عِنْدِیْ جواب۔ "میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ ابن زیاد یہ بات سن کر غصہ میں آ گیا۔ اور ابن سعد کو بلا کر کہا۔ کہ تم ایک مدت سے ملک رے کے حاکم بننے کی تمنا رکھتے ہو۔ لو آج موقعہ ہے۔ تم حسین کے مقابلہ کے لئے جاؤ۔ اور حسین کو مجبور کرو کہ وہ یزید کی بیعت کرے۔ ورنہ اس کا سر کاٹ کر لے آؤ۔ تو ملک رے کا پروانہ

حکومت تم کو دے دیا جائے گا۔ سگِ دنیا ابن سعد لوگ دنیا کی وجہ
سے آکر حضرت امام کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اور لشکر لے کر کربلا
میں پہنچ گیا۔ کربلا میں پہنچ کر اس نے حضرت امام سے دریافت کیا کہ آپ
یہاں کس واسطے آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ کوفیوں نے ہزاروں خط لکھ لکھ
کر مجھے بلایا۔ میں خود یہاں نہیں آیا۔ مگر اب جب کہ تم سب کی بے وفائی
مجھے معلوم ہو گئی ہے۔ تو مجھے اب بھی اگر تم لوگ واپس جانے دو۔ اور
مجھ سے متعارض نہ ہو۔ تو واپس چلا جاؤں۔ ابن سعد نے حضرت امام کی
اس گفتگو کی اطلاع ابن زیاد کو دی۔ تو ابن زیاد نے غصہ سے حکم بھیجا۔
ہم سوا بیعت کے حسین سے کچھ بھی قبول نہ کریں گے۔ پھر ابن زیاد نے
شمر۔ شیث وغیرہ ظالموں کو سردار بنا بنا کر ہزاروں کی تعداد میں اور فوجیں
بھی بھیج دیں۔ اور حکم دے دیا۔ کہ حسین کا پانی بھی بند کر دیا جائے۔

نہرِ فرات

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا میں نہر فرات
کے کنارے اپنے خیمے گاڑ رکھے تھے۔ مگر محرم کی ساتویں
تاریخ کو ابن سعد کی فوج نے جو بائیس ہزار کی تعداد میں تھی۔ نہر فرات
کو گھیر لیا۔ اور حضرت امام کو پانی پینے سے روک دیا۔ اس فوج میں اکثر وہ
لوگ تھے۔ جو محبانِ حق اور محبانِ حسین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے
اور جنہوں نے حضرت امام کو خط لکھ کر خود ہی بلایا۔ اور اب خود ہی ان کا
پانی بھی بند کر دیا۔ ابن سعد نے حضرت امام کو کہا۔ کہ وہ اپنے خیمے نہر
کے کنارے سے ہٹا لیں۔ حضرت عباس نے اس موقعہ پر فرمایا۔ کہ ایسا
نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت امام نے فرمایا۔ کہ بھائی عباس جانے دو۔ ہم
بحرِ کرم ہیں۔ یہ قطرہ بھر ہیں۔ ان سے جھگڑنا فضول ہے۔ اگر ہمارا نصیب
یہاں نہیں تو نہر سے دور ہی سہی۔ چنانچہ حضرت امام نے اپنا خیمہ
وہاں سے اکھاڑنے کا حکم دے دیا۔

مظلوم سید

محرم کی نویں تاریخ صبح سے دوپہر تک ابن سعد سے گفتگو
میں گزری۔ بعد نماز ظہر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے

سے بار بار بیٹھے ہوئے کلام اللہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو
بہتے جاتے تھے۔ اس دشتِ ہولناک میں اس وقت کسی مست خدا پرست
کا گزر ہوا۔ حضرت امام کو اس عالم میں دیکھ کر اس نے آپ کا حال پوچھا
تو آپ نے فرمایا ؎

مسافر ستم آوارہ وطن ہوں
غریق قلزم رنج و محن ہوں
ستم مجھ پر کیا ان شامیوں نے
نبی کی آل ہوں تشنہ دہن ہوں

انہوں نے بڑی بڑی خوشامدوں سے خط اور قاصد بھیج بھیج کر مجھے
یہاں بلایا۔ اور اب میرے ساتھ بے وفائی اور دغا کر رہے ہیں۔ اور
میرے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد

محرم کی دسویں رات شام سے صبح تک حضرت
امام نے عبادتِ الٰہی میں گزاری۔ رات
کے پچھلے پہر آپ پر ایک استغراق کی کیفیت طاری ہوئی۔ حق تعالیٰ کی
یاد میں اس قدر محو ہوئے۔ کہ دنیا و مافیہا کی خبر تک نہ رہی۔ اس عالم
میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی جماعت کے ساتھ
میدانِ کربلا میں تشریف لائے۔ اور حضرت امام کو بچوں کی طرح گود میں
لے کر خوب پیار کیا اور فرمایا۔ اے جان و دل کے چین نور العین میرے
حسین میں خوب جانتا ہوں۔ کہ دشمن تم سے دغا کر رہے ہیں۔ اور تجھے
قتل کرنا چاہتے ہیں۔ بیٹا! تم صبر و شکر سے اس مصیبت کو گزارنا۔
تیرے جتنے قاتل ہیں۔ قیامت کے دن سب میری شفاعت سے محروم رہیں گے
اور تجھے شہادت کا بہت بڑا درجہ ملنے والا ہے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں تم
اس کرب و بلا سے چھوٹ جاؤ گے۔ بیٹا۔ بہشت تیرے لئے سنواری گئی ہے
تیرے ماں باپ بہشت کے دروازے پر تیری راہ تک رہے ہیں۔ یہ باتیں
ارشاد فرما کر حضور نے پھر حضرت امام کے سر و سینہ پر ہاتھ مبارک پھیر کر

دعا فرمائی۔ کہ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا ۔ اے اللہ! میرے حسین کو صبر و اجر عنایت فرما۔

حضرت امام جب اس مکاشفہ سے چونکے۔ اور اہل بیت سے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

کرامات محرم کی دسویں کو حضرت امام نے خیمہ کے گرد جو خندق کھدوا رکھی تھی۔ وہ لکڑیوں سے بھروا کر ان میں آگ روشن کر دی تاکہ حرم شبخون وغیرہ سے محفوظ رہیں۔ اور دشمن خیمہ تک نہ پہنچ سکے۔ ایک یزیدی بے دین نے آگ روشن دیکھ کر کہا۔ اے حسین! آتشِ دوزخ سے پہلے ہی تم نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال لیا ہے۔ (معاذ اللہ) حضرتِ امام نے فرمایا۔ کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰہ ۔ اے دشمنِ خدا۔ تو نے جھوٹ بولا۔ پھر آپ نے رو بقبلہ ہو کر فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْہُ اِلَی النَّار۔ اے اللہ اِسے آگ کی طرف کھینچ" یہ دعا کرتے ہی اس بے دین کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں پھنسا۔ گھوڑا گرا۔ لگام ہاتھ سے چھوٹی۔ پاؤں لگام میں الجھا۔ گھوڑا لے کر بھاگا۔ حتٰے کہ اسے خندق کی آگ میں جا کر گرایا۔ اور خود چلا گیا۔ حضرتِ امام نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور سر اٹھا کر بآواز بلند فرمایا۔ الٰہی ہم تیرے رسول کی آل ہیں۔ ہمارا انصاف ظالموں سے لینا۔ اتنے میں ایک اور بے دین نے حضرتِ امام کو مخاطب کرکے کہا۔ دیکھ اے حسین! نہر فرات کیسی موجیں مار رہی ہے۔ مگر اس سے تجھے ایک قطرہِ بھی نصیب نہ ہوگا۔ یونہی پیاسا قتل کیا جائے گا۔ امام یہ سن کر آزردہ ہوئے۔ اور آبدیدہ ہو کر دعا فرمائی۔ الٰہی! اسے پیاسا مار۔ یکایک اس کے گھوڑے نے شوخی کرکے گرایا۔ یہ اٹھ کر گھوڑا پکڑنے دوڑتا پھرا۔ پیاس غالب ہوئی۔ پیاس پیاس پکارتا رہا۔ مگر حلق سے پانی نہ اترا۔ آخر اسی پیاس کی حالت میں مر گیا۔

اتمام حجت یزیدیوں نے جب ہر صورت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے لڑنا ہی چاہا۔ تو حضرتِ امام بھی عمامہ رسول باندھ کر

ذوالفقار حیدر کرار ہاتھ میں لے کر اور ناقہ پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے۔ اور قریبِ لشکرِ ابن سعد ہو کر فرمایا۔

"اے عراق والو! تم خوب جانتے ہو۔ کہ میں نواسۂ رسول ہوں فرزند بتول۔ اور دلبند علی المرتضیٰ اور برادر حسن مجتبیٰ ہوں۔ دیکھو یہ عمامہ کس کا ہے؟ یہ زرہ کس کی ہے؟ یہ تلوار یہ اونٹ کس کا ہے؟ غور کرو۔ کہ عیسائی اب تک نشانِ سمِ خرِ عیسےٰ کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہودی آج تک نشانِ پائے موسےٰ کو بوسہ دیتے ہیں۔ غرض ہر دین و ملت کے لوگ اپنے پیشواؤں کی یادگار کو دوست رکھتے ہیں۔ پس میں تمہارے رسول کا نواسہ ہوں۔ علی شیر خدا کا فرزند ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ کوئی سلوک نہیں کر سکتے۔ تو کم از کم مجھے قتل ہی نہ کرو۔ بتاؤ تم نے کس وجہ سے میرا اور میرے اہل و عیال کا پانی بند کر رکھا ہے کیا میں نے تم میں سے کسی کا خون کیا ہے۔ یا کسی کی جاگیر ضبط کی ہے؟ جس کا بدلہ تم مجھ سے لے رہے ہو۔ تم نے خود مجھ کو یہاں بلایا۔ اور اب یہ اچھی میری مہمان نوازی کر رہے ہو؟ ذرا سوچو۔ کہ تم کیا کر رہے ہو؟"

آپ یہ تقریر فرما ہی رہے تھے۔ کہ خیمہ سے آواز رونے کی آئی۔ آپ نے متاثر ہو کر لاحول پڑھی۔ اور عباس و علی اکبر سے فرمایا۔ کہ تم جا کر سب کو رونے سے منع کرو۔ اور کہو۔ ذرا صبر کرو۔ کہ ابھی تمہیں بہت رونا ہے۔ دونوں حضرات نے اہل حرم کو رونے سے باز رکھا۔ حضرتِ امام نے پھر لشکرِ ابنِ سعد سے خطاب فرمایا۔ کہ

"اے کوفیو! تمہیں میرا حسب و نسب معلوم ہے۔ جس کا مثل آج روئے زمین پر نہیں ہے۔ پھر سوچ لو۔ کہ تم نے خود ہی مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے۔ پھر اب میرے خون کے پیاسے کیوں ہو گئے ہو؟ دیکھو یہ تمہارے خطوط ہیں؟"

حضرتِ امام نے خطوط دکھائے۔ تو ان بے وفاؤں نے انکار کر دیا اور کہا۔ یہ ہمارے خطوط نہیں ہیں۔ حضرتِ امام نے ان کے اس کذب و عذر سے متحیر ہو کر فرمایا۔ الحمدُ للّٰہ! حجت تمام ہوئی۔ مجھ پر کوئی حجت نہ رہی۔

حضرتِ حُر رضی اللہ عنہ

حُر بن رباحی کا ذکر آپ نے پڑھا۔ یہ حُر مردِ سعید اور خوش قسمت تھے۔ لشکرِ ابن سعد میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے آئے تھے۔ مگر ان کی تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ حضرتِ امام عالی مقام کے احباب و انصار جب یزیدیوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو چکے۔ اور حضرتِ امام کے پاس بجز بھائی، بھتیجوں، بھانجوں، لڑکوں اور تین خادموں کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ تو یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرتِ امام بے اختیار رو پڑے اور پکار اٹھے۔

حَلْ مِنْ مُّغِيْثٍ يُغِيْثُنَا۔

ہے کوئی ہماری فریاد سننے اور مدد کرنیوالا۔

یہ دردناک آواز حضرت حُر کے کانوں میں پڑی۔ تو کلیجہ دہل گیا اور فوراً اپنے گھوڑے کی باگ دوزخ کی طرف سے پھیر کر جنت کی طرف کر لی۔ یعنی لشکر ابن سعد سے گھوڑا دوڑا کر حضرتِ امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور رکاب کو بوسہ دے کر عرض کیا۔ حضور! میرا قصور معاف اور میری توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ امام نے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ میں تم سے خوش ہوں۔ حضرت حُر یہ بشارت سن کر لشکرِ امام میں شامل ہو گئے۔

حضرتِ حُر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرتِ حُر رضی اللہ عنہ یزیدی لشکر سے نکل کر حسینی سپاہ میں آملے تھے اور اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو آگ سے بچا کر جنت خرید لی تھی آپ بہت بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ ابن سعد کے لشکر کے آپ سپہ سالار

تھے۔ ابن سعد نے جب انہیں حسینی سپاہ میں ملتے ہوئے دیکھا۔ تو وہ بہت گھبرایا۔ اور صفوان سے کہنے لگا۔ تو جا اور حُر کو سمجھا کر واپس پھیر لا۔ ورنہ سرتن سے جدا کر۔ چنانچہ صفوان نے حُر سے آ کر کہا۔ تم مردِ دانا و عاقل ہو کر یزید جیسے عظیم حاکم کی رفاقت چھوڑ کر حسین کی طرف کیوں چلے آئے؟ چلو واپس چلو۔ حضرت حُر نے فرمایا۔ اب میں واپس نہیں جا سکتا صفوان نے پوچھا۔ کیوں؟ تو فرمایا ؎

کیوں چھوڑ کے دیں فوج میں گمراہ کی آؤں
حاکم کو ہنساؤں میں محمدؐ کو رلاؤں
کیا حاکم دنیا کا تو احساس کروں میں!
اور زہرا کے رونے کا نہ کچھ پاس کروں میں

اے صفوان! یزید ناپاک ہے۔ اور حسین پاک اور ریحانِ مصطفٰے ہے صفوان نے غصہ میں آ کر حُر کے نیزہ مارا۔ حُر نے نیزہ توڑ ڈالا۔ اور پھر اسے ایک ایسا نیزہ مارا۔ کہ سینہ سے پار ہو گیا۔ اور وہ فی النار ہو گیا۔ یہ صورت دیکھ کر صفوان کے بھائی دوڑے۔ حضرت حُر نے انہیں بھی مار ڈالا۔ اور پھر خود وہاں سے پھر کر حضرت امام کے پاس آ کر عرض کی۔ حضور! اب تو آپ مجھ پر راضی ہیں نا؟ فرمایا میں تجھ سے راضی ہوں۔ تو آزاد ہے۔ جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھا ہے حُر یہ مژدہ سن کر پھر میدان میں آئے۔ جس طرف حملہ کیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ایک یزیدی نے آ کر آپ کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ آپ پیادہ ہی لڑنے لگے۔ امام نے انہیں پیادہ دیکھ کر دوسرا گھوڑا بھیج دیا۔ حضرت حُر اس پر سوار ہو گئے۔ لیکن اب ظالموں نے ایک دم ہلہ بول دیا۔ حضرت حُر نے ایک بار اور خدمتِ امام میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کہ غیب سے آواز آئی۔ اب نہ جاؤ۔ حوریں تمہاری منتظر ہیں۔ پس حُر نے وہیں سے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! یہ غلام آپ کے ناناجان کے پاس جا رہا ہے۔ کچھ فرمائیے۔ تو کہہ دے۔ امام نے رو کر فرمایا۔

ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت حُر ظالموں کے متواتر حملوں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ اور امام کو آواز دی۔ حضرت امام آواز سن کر دوڑے۔ اور حُر کو اٹھا کر لشکر میں لائے۔ زانوئے مبارک پر ان کا سر رکھ کر چہرے کا گرد و غبار صاف کرنے لگے۔ حُر نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنا سر امام کے زانو پر دیکھ کر مسکرائے۔ اور جنت کو سدھارے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دو شیر

حضرت امام رضی اللہ عنہ کے جب سب یار وفادار اور رفیق و جانثار شہید ہو گئے۔ تو حضرت کی سگی اور بیوہ بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دو یتیم صاحبزادے حضرت عون اور حضرت محمد ماں اور ماموں کی اجازت لے کر گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمنوں کی طرف بڑھے۔ ؎

جنگ گاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے
شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے
نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے
انیاں سوئے اشرار بناتے ہوئے آئے

لرزہ تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے
تکتے تھے صفِ فوج کو شیروں کی نظر سے

لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ جانباز پکارے
لڑتا ہو جسے سامنے آ جائے ہمارے
ہم وہ ہیں کہ جب ہوتے ہیں میداں میں اتارے
رستم کو بھگا دیتے ہیں تلوار کے مارے

ہے قہر خدائے دو جہاں حرب ہماری
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری

یہ رجز پڑھی دونوں نے جولاں کئے گھوڑے
چلتے ہیں ادھر تیر کمانداروں نے جوڑے

غل تھا کہ خبردار کوئی منہ کو نہ موڑے
یہ دونوں بہادر ہیں تو ہم بھی نہیں تھوڑے
یا مار کے تلوار گرا دیتے ہیں اُن کو !
یا نیزوں کی نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں اُن کو

یہ دونوں شیر فوج اشقیاء میں گھس گئے۔ اور کئی یزیدی فی النار کر دیئے۔ جب اشقیاء نے دیکھا۔ کہ یہ بچے تو شیروں کی طرح لڑ رہے ہیں۔ تو انہوں نے دونوں کو اس طرح نرغہ میں لے لیا کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ پھر بھی کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ تاہم ایک شخص نے پیچھے سے آ کر اس زور سے نیزہ مارا۔ کہ حضرت زینب کا یہ لال گھوڑے سے خون میں لہو لہان نیچے گر پڑا۔ دوسرے بھائی کو بھی فرعونوں نے نیزوں سے چھلنی کر دیا۔ اور دونوں شیر فرش خاک پر تڑپنے لگے۔ اس وقت حضرت امام دوڑے۔ آپ کو دیکھ کر دونوں نے آنکھیں کھولیں۔ اور مسکرا دیئے اور دم توڑ دیا۔ حضرت زینب آخر ماں تھیں۔ بچوں کی شہادت کی خبر پا کر ان کا جگر پاش پاش ہو گیا۔ آسمان و زمین کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ لیکن اُن سنگدلوں کے دل رحم سے بالکل خالی تھے۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون۔

ازرق پہلوان

میدانِ کربلا میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے احباب شہید ہو چکے۔ اور آپ کے بھتیجے اور بھانجے بھی جامِ شہادت نوش فرما چکے۔ تو پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ میدان میں تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر یزیدی لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ یزیدی لشکر میں ایک شخص ازرق پہلوان بھی تھا۔ اِسے مصر و شام والے ایک ہزار جوان کی طاقت کا مالک سمجھتے تھے۔ یہ شخص یزید سے دو ہزار روپیہ سالانہ پاتا تھا۔ اور کربلا میں اپنے چار طاقتور بیٹوں سمیت موجود تھا۔ جب حضرت امام قاسم میدان میں آئے۔ تو مقابلہ میں آنے کے لئے کوئی تیار نہ ہُوا۔

ابن سعد نے ارزق سے کہا۔ کہ قاسم کے مقابلہ کو تم جاؤ۔ ارزق نے اس میں اپنی توہین سمجھی۔ اور مجبورًا اپنے بڑے بیٹے کو یہ کہہ کر بھیج دیا۔ کہ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا بیٹا ابھی قاسم کا سر لے کر آتا ہے۔ چنانچہ اس کا بیٹا حضرت قاسم کے مقابلہ میں آیا۔ اور حضرت قاسم کے ہاتھوں بڑی ذلت کے ساتھ مارا گیا۔ اس کی تلوار پر حضرت قاسم نے قبضہ کر لیا۔ اور پھر للکارے کہ کوئی دوسرا ہے۔ تو میرے سامنے آئے۔ ارزق نے اپنے بیٹے کو یوں مرتے دیکھا۔ تو بڑا رویا۔ اور غصہ میں آکر پھر اپنا دوسرا لڑکا مقابلہ میں بھیج دیا۔ حضرت قاسم نے اس دوسرے کو بھی مار ڈالا۔ ارزق نے دیوانہ وار پھر اپنا تیسرا لڑکا بھیجا۔ اللہ کے شیر نے اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ ارزق نے پھر چوتھا لڑکا بھیجا۔ تو قاسم کے ہاتھوں وہ بھی نہ بچ سکا۔ اب تو ارزق کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور غصہ میں دیوانہ ہو کر خود میدان میں آ گیا۔ حضرت قاسم کے مقابلہ میں ارزق کو دیکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ کہ میرے مولا! میرے قاسم کی لاج تیرے ہاتھ میں ہے۔ لوگ دونوں کی لڑائی دیکھنے لگے۔ ارزق نے پے درپے بارہ نیزے مارے۔ حضرت قاسم نے سب رد کئے۔ پھر اس نے جھلا کر قاسم کے گھوڑے کی پشت پر نیزہ مارا۔ گھوڑا مر گیا۔ قاسم پیدل رہ گئے۔ حضرت امام حسین نے فورًا دوسرا گھوڑا بھیج دیا۔ قاسم نے اس پر سوار ہو کر متواتر تین نیزے مارے۔ ارزق نے رد کئے۔ اور تلوار نکال لی۔ حضرت قاسم نے بھی تلوار نکال لی۔ ارزق نے تلوار کو دیکھ کر کہا۔ یہ تلوار تو میں نے ہزار دینار سے خریدی تھی۔ اور ہزار دینار میں زہر آب کرائی تھی۔ تمہارے پاس کہاں سے آگئی؟ قاسم نے فرمایا۔ یہ تمہارے بڑے لڑکے کی نشانی ہے۔ وہ تمہیں اس کا مزہ چکھانے کے لئے مجھے دے گیا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ تم ایک مشہور سپاہی ہو کر اس قدر بے احتیاطی سے کام لیتے ہو۔ کہ میدان میں لڑنے کے لئے آ گئے۔ اور گھوڑے کا تنگ ڈھیلا رکھتے ہو۔ اسے کسا بھی نہیں وہ دیکھو زین پشت مرکب سے پھسلا ہوا ہے۔ ارزق یہ دیکھنے کو جھکا ہی تھا۔ کہ

حضرت قاسم نے خدا کا نام لے کر ایک ایسی تلوار ماری۔ کہ ارزق کے دہی دو ٹکڑے ہو گئے۔ اور فرشتوں نے بھی صدائے آفریں بلند کی۔

علمبردار کی شہادت

میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دوست احباب، بھتیجے اور بھانجے شہید ہو گئے۔ تو حضرت عباس علمبردار رضی اللہ عنہ خدمتِ امام میں حاضر ہوئے۔ اور کہا۔ کہ اب مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے۔ اب تو حد ہو گئی۔ ان ظالموں نے ہمارے جملہ عزیز شہید کر دیئے۔ اور باقی جو ہیں۔ سب پیاس کے مارے نڈھال ہو رہے ہیں۔ مجھ سے چھوٹے بچوں کی پیاس نہیں دیکھی جاتی۔ میں پانی لینے فرات پر جا رہا ہوں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو چند باتیں تعلیم فرما کر رخصت فرمایا۔ اور آپ مشک لے کر فرات کی جانب روانہ ہوئے۔ فرات پر چار ہزار کا محاصرہ تھا۔ حضرت عباس نے جو فرات پر قدم رکھا۔ تو سب نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم لوگ مسلمان ہو یا کافر؟ وہ بولے ہم مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مسلمانوں میں یہ کب روا ہے۔ کہ چرند و پرند تو پانی پئیں۔ اور فرزندانِ مصطفٰےؐ پیاسے تڑپیں۔ تم لوگ قیامت کی پیاس سے نہیں ڈرتے؟ ظالمو! جگر گوشۂ رسول حسین پیاسا ہے۔ اس کے بچے پیاسے ہیں۔ کچھ خیال کرو۔ اور بچوں کے لئے تو پانی لے لینے دو۔ یہ سن کر بھی ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور سب نے آپ پر حملہ کر دیا۔ حضرت نے بھی ان پر حملہ کر کے اسیؓ کو قتل کر ڈالا۔ اور باقی کو منتشر کر کے فرات تک جا پہنچے۔ اور پانی میں اتر کر مشک بھر لی۔ اور خود چلو میں پانی بھر کر پینا چاہا۔ کہ بہن بھائی اور بچوں کی پیاس یاد آ گئی۔ فوراً چلو کا پانی پھینک دیا۔ اور مشک کاندھے پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ راہ میں اشقیاء نے گھیر لیا۔ آپ ہر ایک سے لڑتے بھڑتے مشک پر سینہ سپر ہوئے جا رہے تھے۔ کہ نوفل نامی ایک ظالم نے پیچھے سے آ کر ہاتھ پر تلوار، اور مشک پر تیر مارا۔ ہاتھ کٹ گیا۔ اور مشک کا پانی بہہ گیا۔ اس وقت آپ

اپنی محنت اور بچوں کی پیاس پر افسوس کرکے رونے لگے۔ چونکہ زخم کاری لگ چکا تھا۔ گھوڑے سے گر کر بھائی کو آواز دی۔ امام نے ان کی آواز سنکر ایک ایسی آہ کی۔ جس سے زمین کربلا لرز گئی۔ اور پھر آگے جو بڑھے۔ تو حضرت عباس کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ کر فرمایا۔ اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِیْ — اب میری پیٹھ ٹوٹی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھائی کو دیکھا۔ اور دار البقار کو تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حضرت امام ان کی نعش مبارک کو خیمہ کی طرف لائے۔ اور فرمانے لگے ؎

بعد عباس کے اب کون ہے غمخوار اپنا
نہ مونس ہے کوئی اور نہ مددگار اپنا
سوئے جنت گئے سب چھوڑ کے تنہا مجھ کو
لٹ گیا ان کے دشت میں گلزار اپنا

تشنہ لب راہ خدا میں ہے مرا سر حاضر
کام پورا کریں اب جلد ستمگار اپنا

علی اکبر رضی اللہ عنہ

میدان کربلا میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جملہ احباب و اقرباء جام شہادت نوش فرما چکے۔ تو آپ کے ساتھ بجز آپ کے تین صاحبزادوں کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ یہ تین صاحبزادے حضرت امام زین العابدین۔ حضرت علی اکبر۔ اور حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت امام زین العابدین تو بیمار تھے۔ اور علی اصغر ابھی شیرخوار ہی تھے۔ اور حضرت علی اکبر کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا۔ کہ اب بجز میرے تین بچوں کے اور کوئی باقی نہیں رہا۔ تو آپ نے خود بنفس نفیس میدان کارزار میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ اور ذوالجناح سواری کے لئے منگایا۔ ہتھیار بدن پر آراستہ فرمائے۔ اور رخصت کے واسطے خیمہ کے اندر تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے۔ ؎

اینک آمد نوبت من الوداع
الوداع اے عترت من الوداع

زود دلہائے شما خواہد شدن
سوزناک از فرقت من الوداع

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر امام کے قدموں پر گرے۔ اور عرض کرنے لگے۔ ابا جان۔ خدا وہ دن نہ دکھائے۔ جب کہ آپ میرے سامنے شربت شہادت نوش فرمائیں۔ آپ میرے ہوتے ہوئے میدان میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ مجھے اجازت عطا فرمایئے۔ میں جاتا ہوں۔ حضرت امام نے فرمایا۔ اے علی اکبر! کس دل سے تجھے مرنے کی اجازت دوں۔ اور کن آنکھوں سے تم کو زخموں سے چور چور دیکھوں۔ حضرت علی اکبر نے امام کو قسمیں دینا اور رونا شروع کیا۔ آخر حضرت امام نے اجازت دے دی اور اپنے ہاتھ سے ان کے بدن پر ہتھیار لگائے۔ زرہ جوشن پہنائے۔ عمامہ سر پر رکھا۔ پٹکہ کمر پر باندھا۔ اور گھوڑے پر بٹھا کر فرمایا ؎

میں نے دی رن کی اجازت تمہیں جاؤ بیٹا
ہو فدا مجھ پہ گلا اپنا کٹاؤ بیٹا

اہل بیت رکاب سے آ کر چپٹ گئے۔ امام نے سب کو ہٹا کر فرمایا جانے دو۔ کہ سفر آخرت کر رہا ہے۔

علی اکبر کی شہادت رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ جب میدان کارزار میں تشریف لائے۔ تو لشکر اعدا میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کی عمر شریف رکھتے تھے اور شکل و شمائل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ آپکا حسن و جمال اور جاہ و جلال دیکھ کر دشمن متحیر ہو گئے۔ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں پہنچتے ہی رجز خواں اور مبارز طلب ہوئے۔ اور جب کوئی سامنے نہ آیا۔ تو آپ نے خود ہی لشکر اعدا میں گھس کر حملہ کر دیا۔ اور اشقیاء کو درہم برہم کر دیا۔ اور تادیر لڑتے رہے۔ اور پھر پیاس کے باعث حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پیاس کا ذکر

کیا۔ حضرتِ امام نے ان کے چہرے کا گرد و غبار صاف کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی انگشتری ان کے منہ میں ڈال دی۔ جس کے چوسنے سے انہیں تسکین ہوئی۔ اور پھر میدان میں آئے۔ اور اکثر کو واصل جہنم کرنے کے بعد آپ پھر ایک مرتبہ حضرتِ امام کے حضور آئے۔ اور پیاس کا ذکر کیا۔ تو حضرتِ امام نے اس وقت رو کر فرمایا۔ کہ جانِ پدر! غم نہ کھا۔ عنقریب تم حوضِ کوثر پر سیراب ہوگے۔ علی اکبر یہ بشارت سن کر پھر میدان کی طرف تشریف لائے۔ اور لشکرِ اعدار میں گھس کر بہت سوں کو واصل نار کیا۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور ایک ظالم ابن نمیر نے آپ کو ایک نیزہ مارا۔ کہ آپ کی پشت مبارک سے پار ہو گیا۔ اور آپ گھوڑے سے گر گئے۔ اس وقت آپ نے حضرت امام کو پکارا۔ اور فرمایا۔ یَا اَبَتَاهُ اَدْرِکْنِیْ — ابا جان! — اپنے علی اکبر کی خبر لیجئے۔

حضرتِ امام نے اپنے لختِ جگر کی یہ آواز سنی۔ تو آپ دوڑے۔ اور میدان میں جا کر دیکھا۔ کہ علی اکبر زخموں سے چور زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ حضرت امام نے وہاں بیٹھ کر بیٹے کا سر اپنے زانو پر رکھا اور پھر ؎

ہوش آیا چند ساعتِ کامل کے بعد جب
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہِ رسولِ رب
آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب پہ لب
فرمایا بیٹا چھوڑ کے جاتے ہو مجھکو اب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال لو!
باہیں اٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال لو

اکبر نے آنکھیں کھول کے دیکھا رخِ پدر
گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
روتے ہو کس لئے بھلا اے غیرتِ قمر
یاں سے اٹھا کے آلِ پیمبر میں لے چلیں

غم ماں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلوں

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھول کر کہا۔ ابا جان! وہ دیکھئے! دادا جان دو پیالے شربت کے لئے کھڑے ہیں۔ اور مجھے ایک دے رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ مجھے دونوں دیجئے کہ بہت پیاسا ہوں وہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک تو پی۔ دوسرا تیرے باپ حسین کے لئے ہے۔ کہ وہ بھی پیاسا ہے۔ یہ پیالہ وہ آکر پئے گا۔ یہ کہا اور آپ وہیں راہیِ جنت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یتیم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے جب جامِ شہادت نوش فرما لیا۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے۔ صرف حضرت امام زین العابدین باقی رہ گئے۔ یا حضرت علی اصغر۔ مگر امام زین العابدین بیمار تھے۔ اور علی اصغر شیرخوار اس لئے حضرت امام نے اب خود میدان میں جانے کی تیاری فرمائی۔ اور آپ خیمہ کے اندر تشریف لائے۔ اور اہل بیت میں تشریف فرما ہو کر فرمایا۔ کہ مصیبت اور بلا پر صبر و شکر کرنا تمہارے واسطے بہتر ہے۔ خبردار! میرے بعد تم چاہے کیسی ہی مصیبت و بلا میں مبتلا ہو۔ مگر میرے غم میں سر کے بال پریشان نہ کرنا۔ منہ پر طمانچے نہ مارنا۔ اور سینہ زنی نہ کرنا۔ واویلا و زاری نہ کرنا۔ یہ باتیں جائز نہیں ہیں۔ ہاں کثرتِ غم سے آنکھوں سے آنسو بہانا۔ مظلوموں اور درد مندوں کا کام ہے۔ رونا منع نہیں۔ پھر آپ نے حضرت سکینہ کو گود میں لیا۔ اور گلے سے لگایا۔ اور اپنی بہن حضرت زینب سے فرمایا۔ بہن! یہ میری سکینہ مجھے بڑی پیاری اور مجھ سے مانوس ہے میرے بعد اس کی غمخواری و پاسداری کرنا۔ پھر حضرت سکینہ سے فرمایا۔ بیٹی! میری پیاری بیٹی! آج شام تک تم یتیم ہو جاؤ گی۔ حضرت سکینہ نے لفظ "یتیم" سنا۔ تو سہ

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے کہنے لگی یہ تشنہ کام
فرمائیے کہ آج یہ آئے گی کیسی شام

بتلایئے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام
بیٹی ! نہ پوچھ کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مرجائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

ننھا شہید حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ بھی جب شہید ہو گئے۔ تو حضرت امام نے اہل بیت کو تسلی و تشفی دے کر خود میدان کا ارادہ کیا۔ یک بار خیمہ سے رونے کی آواز سنی۔ آپ خیمہ کی طرف پھرے۔ اور حال دریافت فرمایا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ طفلِ شیرخوار حضرت علی اصغر پیاس سے بے چین ہیں۔ چھ مہینے کی عمر شہزادے ہیں یہ مصیبت کہ تین دن سے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ زبان منہ سے باہر نکل پڑی ہے۔ مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ حضرت امام نے فرمایا۔ علی اصغر کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت زینب لے کر آئیں۔ آپ نے علی اصغر کو گود میں لیا۔ اور سیدھے ان ظالموں کے سامنے لا کر فرمایا۔ اے قوم! تمہارے نزدیک اگر مجرم ہوں۔ تو میں ہوں۔ مگر یہ میرا ننھا بچہ تو بے گناہ ہے۔ خدا کا ترس کھاؤ۔ اور اس میرے ننھے مسافر بے بیکس مظلوم کو تو چلو بھر پانی پلا دو ؎

بچہ ہے شیرخوار تڑپتا ہے پیاس سے
اس پر تو رحم کھاؤ کہ تکتا ہے یاس سے

اے قوم! آج جو میرے اس ننھے مسافر کو پانی پلائے گا۔ میرا وعدہ ہے کہ میں اسے حوض کوثر پر سیراب کروں گا۔

حضرت امام کی یہ دردناک تقریر سن کر بھی ان ظالموں کا دل نہ پسیجا۔ اور ایک ظالم حرمل ابن کاہل نے ایک ایسا تیر مارا۔ جو حضرت امام کی گود میں حضرت علی اصغر کے ننھے سے حلق میں سے چھید کر حضرتِ امام کی بغل سے نکل گیا۔ آہ! ایک فوارہ خون کا اس ننھے شہید کے حلق سے چلنے لگا۔ اور ننھے شہید کی آنکھیں اپنے والد کے چہرے کی طرف تکتی کی تکتی رہ گئیں۔ وہ

امام نے بے قرار ہو کر پنی زبانِ انور ننھے کے منہ میں ڈال دی۔ اور ننھے سید نے وہیں اپنے ابا کی گود میں شہادت پا لی۔ اور آپ اس کی ننھی سی نعش مبارک لے کر خیمہ میں آئے۔ اور ماں کی گود میں دے کر فرمایا۔ لو علی اصغر بھی حوض کوثر سے سیراب ہو گئے۔ اس ننھی نعش کو دیکھ کر اہل بیت بیقرار ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت شہر بانو کا خواب

میدان کربلا میں شبِ عاشورا حضرت شہر بانو نے ایک خواب دیکھا۔ کہ ایک نورانی صورت مقدس خاتون ہیں۔ جو بڑی پریشان نظر آ رہی ہیں۔ اور کربلا کی زمین ملامت کر رہی ہیں۔ حضرت شہر بانو نے اس مقدس خاتون سے دریافت فرمایا کہ آپ کون ہیں۔ اور اس زمین کو کیوں ملامت کر رہی ہیں؟ تو اس نے جواب میں فرمایا۔ کہ سے

بیٹی اس میں فاطمہ ہوں بنتِ شاہِ مشرقین
صبح اس مقتل میں لٹے گا مرا پیارا حسین
اس لئے میں جھاڑتی ہوں کربلا کی یہ زمین
اس کے زخموں میں نہ چبھ جائے کوئی کنکر کہیں

تنقیح نشہ دتیں منت ،

الوداع

میدان کربلا میں دسویں محرم کو جب حضرت امام کے جملہ احباب و اقرب شہید ہو گئے۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خود پوشاک بدلی۔ قبائے مصری پہنی۔ عمامہ رسول خدا باندھا۔ سپر حمزہ اور ذوالفقار حیدر کرار لے کر ذوالجناح پر سوار ہو کر ارادہ میدان کا کیا۔ اتنے میں حضرت کے صاحبزادے حضرت علی اوسط یعنی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ جو اس وقت بیمار تھے۔ اور بستر ناتوانی سے اٹھ نہ سکتے تھے۔ بڑی مشکل سے عصا ٹیکتے ہوئے ضعف کے باعث لڑکھڑاتے ہوئے حضرت امام کے پاس آ کے عرض کرنے لگے۔ کہ ابا جان! میرے ہوتے ہوئے آپ خود کیوں تشریف لے جا رہے ہیں۔ مجھے بھی حکم دیجئے۔ کہ میں بھی لڑ کر درجہ شہادت

حاصل کریں۔ اور اپنے بھائیوں سے جا ملوں۔ حضرت امام یہ گفتگو سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ اور ارشاد فرمایا۔ اے راحتِ جانِ حسین۔ تم خیمہ اہل بیت میں جا کر بیٹھو۔ اور قصد شہادت نہ کرو۔ بیٹا! رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کی نسل تمہارے جینے ہی سے باقی رہے گی۔ اور قیامت تک منقطع نہ ہوگی۔ حضرت امام کا یہ ارشاد سن کر صاحبزادے خاموش ہو رہے۔ پھر حضرت امام نے ان کو نصیحت و وصیت کرکے تمام علوم ظاہری و باطنی اور رازِ امامت سے آگاہ فرمایا۔ جو طریقۂ تعلیم سینہ بہ سینہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم سے جاری ہوا تھا۔ سب اسی وقت ان پر منکشف فرما دیا۔ اور پھر آپ خیمہ کے اندر تشریف لائے۔ اور اہل بیت کی طرف مخاطب ہو کر ہر ایک سے الوداعی کلام فرمایا۔ جس کا نقشہ شاعر نے یوں کھینچا ہے کہ

ے

الوداع اے اہل بیتِ مصطفیٰ — الوداع آلِ پیمبر الوداع

پھر گلے لپٹا کے عابد سے کہا — اے مرے بیمار دلبر الوداع

زینب و کلثوم سے یہ پھر کہا — اب ہے تم سے بھی برادر الوداع

بولے پھر بالی سکینہ سے حسین — اے مری مظلوم دختر الوداع

شہر بانو سے یہی کہتے تھے شاہ — اے مری غمخوار مضطر الوداع

بس خدا حافظ تمہارا دوستو

صابر و مظلوم مضطر الوداع

(تنقیح الشہادتین ص۵۰)

شبیر کا حملہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جب احباب و اقارب سب شہید ہو گئے۔ تو حضرت امام خود بنفسِ نفیس میدان میں تشریف لائے۔ اور پہلے کچھ رجزیہ اشعار پڑھے۔ پھر لشکر ابن سعد سے اتمام حجت کے لئے بہت کچھ فرمایا۔ مگر وہ ظالم نہ مانے۔ اور ہر حال لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ اور سب اپنی تلواریں اور نیزے چمکا کر بڑھے۔ حضرت امام نے بھی ذوالفقار میان سے نکالی۔ اور دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ اللہ! اللہ!!

یہ حملہ کیا تھا۔ شیر یزداں کا حملہ تھا۔ جو آپ کے مقابلہ میں آیا۔ پیک قضا نے سیدھا اس کو جہنم میں پہنچا دیا۔ سینکڑوں جفاکاروں سے لڑے۔ اور سینکڑوں کو فی النار کر دیا۔ جس طرف نگاہ پلٹی۔ صف کی صف الٹ دی۔ سہ

چلی شاہ دیں کی غرض ذوالفقار — نہ پیدل رہا سامنے نہ سوار!
یہاں تک کیا ظالموں کو ہلاک — چھپایا لعینوں نے منہ زیرِ خاک
دیئے رن کو پلٹے کئی دمبدم — شجاعت نے بھی آکے چومے قدم
دلیر ایسا ہے اور نہ ہوگا کوئی — سنا آج تک اور نہ دیکھا کوئی
ہزاروں ہی کشتوں کے پشتے بنے — تو زندوں کو جانوں کے لالے پڑے

سنو اس دلاور کی یہ شان ہے
کہ رستم کی بھی روح قربان ہے (تنقیح ص۱۸۱)

آخری دیدار

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب خود بنفسِ نفیس میدان میں تشریف لائے۔ تو جرأت و شجاعت کے وہ جوہر دکھائے۔ کہ ملائکہ بھی عش عش کر اٹھے۔ اتنے میں ایک شخص ابن قحطبہ شامی سامنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے حسین! تمام احباب و اقارب کو ہلاک کرا چکے۔ مگر ابھی لڑائی کی ہوس باقی ہے۔ تم اکیلے ہزاروں کا مقابلہ کیسے کر سکوگے؟ حضرتِ امام نے فرمایا۔ تم لوگ مجھ سے لڑنے آئے ہو یا میں تم سے؟ تم نے میرا راستہ بند کیا۔ اور تم نے میرے احباب و اقارب کو قتل کیا۔ اب مجھے سوائے لڑائی کے کیا چارہ ہے۔ زیادہ باتیں نہ کر۔ اور سامنے آ۔ یہ فرما کر آپ نے ایک ایسا نعرۂ زہرہ شگاف مارا۔ کہ تمام لشکر تھرا گیا۔ اور وہ ظالم بدحواس ہو گیا۔ اور ہاتھ پیر نہ ہلا سکا امام نے تلوار مار کر سر اڑا دیا۔ پھر فوج پر حملہ کیا۔ اور سب بھاگنے لگے ابن اسطح نامی ایک یزیدی پکارا۔ اے نامردو۔ اب ایک تن باقی رہ گیا ہے۔ اس سے بھاگ رہے ہو؟ ٹھہرو میں اس کے مقابلے کو جاتا ہوں یہ کہہ کر امام کے سامنے آیا۔ اور تلوار مارنے کو اٹھائی حضرت امام نے

پیش دستی فرما کر کمر پر تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر حضرتِ امام نے فرات پر جانے کا ارادہ فرمایا۔ شمر نے پکار کر کہا اے لشکریو! حسین کو ہرگز پانی نہ پینے دینا۔ اگر اس نے پانی پی لیا۔ تو پھر کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ پس سب نے مل کر حضرت امام پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام تلوار کھینچ کر شقیوں کے سر اڑاتے ہوئے اور صفوں کو درہم برہم فرماتے ہوئے لبِ فرات تک جا پہنچے۔ گھوڑا پانی میں ڈالا۔ چلو میں پانی لے کر پینا چاہا۔ کہ مکاروں نے پکار کر کہا۔ اے حسین! تم یہاں پانی پی رہے ہو۔ اور وہاں خیمہ لٹ رہا ہے۔ امام فوراً پانی پھینک کر خیمہ کی طرف چلے۔ راہ میں کتیوں کو فی النار کیا۔ خیمہ کے پاس آ کر دیکھا۔ تو کسی کو نہ پایا۔ اور مکاروں کا حیلہ تصور فرمایا۔ پھر خیمہ کے اندر تشریف لائے۔ اور اہل بیت سے فرمایا۔ چادریں اوڑھو۔ جزع و فزع نہ کرو۔ مصیبت پر کمربستہ رہو۔ میرے یتیموں کو آرام سے رکھنا۔ پھر امام زین العابدین کو سینہ سے لگا کر پیشانی کو چوما۔ اور فرمایا بیٹا! جب مدینہ پہنچو۔ تو میرے دوستوں کو میرا سلام کہنا۔ اور میری جانب سے میرا یہ پیغام دینا۔ کہ جب تم میں کوئی رنج و بلا میں مبتلا ہو۔ تو میرا رنج و بلا میں مبتلا ہونا یاد کرے۔ اور جب کوئی پانی پئے۔ تو میری پیاس یاد کرے۔ حضرتِ امام اپنا یہ آخری دیدار دے کر پھر میدان میں تشریف لے آئے۔ (تذکرہ صفحہ ۹۰)

قیامت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب خیمہ میں اپنا آخری دیدار دے کر میدان میں پھر تشریف لائے۔ تو یزیدیوں نے یکبارگی آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ فرمایا۔ مگر ظالموں نے اس قدر متواتر حملے کئے۔ کہ حضرت کا تن انور زخموں سے چور ہو گیا اور آپ کے گھوڑے میں بھی چلنے کی طاقت نہ رہی۔ پس حضرتِ امام ایک کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص زرعہ نامی نے بڑھ کر آپ کو تلوار ماری۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا۔ کہ اس کا ہاتھ کندھے سے جدا ہو گیا۔ حضرتِ امام اس وقت سب کو یاس بھری نگاہوں سے

دیکھ رہے تھے۔ گویا یہ خیال فرما رہے تھے۔ کہ ان میں کوئی غمگسار نہیں۔ سب ہی خون کے پیاسے ہیں۔ آخرکار ان ظالموں نے دور ہی سے تیر مارنے شروع کئے۔ کہ ایک ظالم کا تیر آپ کی پیشانی نورانی پر آ کر لگا۔ خون کا فوّارہ جاری ہوا۔ آپ نے وہ خون چلو میں لے کر منہ پر ملا۔ اور فرمایا۔ کل قیامت کے دن اسی ہیئت سے اپنے نانا جان کے پاس جاؤں گا۔ اور اپنے مارنے والوں کی شکایت کروں گا۔

اس وقت تک حضرتِ امام کے تنِ انور پر بہتّر زخم نیزے اور تلوار کے آچکے تھے۔ جن کے باعث آپ بہت نڈھال ہو گئے تھے۔ اور قبلہ رُو ہو کر اپنے مولا کی یاد کر رہے تھے۔ اور عرض کر رہے تھے۔ کہ

یارب غنی بندہ ہے اک بندۂ محتاج
تیری ہی عنایت سے ہُوا خلق کا سرتاج
سر نذر کو دربار میں لایا ہے غلام آج!
ہے ہاتھ ترے مولا مرے آج مری لاج
ہنگام تردّد ہے مدد کیجیو۔ مولا!
یہ تحفۂ درویش ہے نہ رد کیجیو مولا!

کہتا نہیں کچھ اور یہ کعبے کا مسافر
اک جاں ہے سو قرباں ہے اک سر ہے سو حاضر
اب تک میں تری راہ میں ہوں صابر و شاکر
بےکس پہ کرم کیجیو مولا دمِ آخر
سینے پہ مرے زانوئے قاتل نہ گراں ہو
خنجر کے تلے نام ترا وردِ زباں ہو۔

واقف نہیں اس مرحلۂ صعب سے شبیر
تقدیر پہ راضی ہوں میں اے مالکِ تقدیر
پیاسا ہوں کئی روز سے ہیں بیکس و دلگیر
ان خشک رگوں میں کہیں رک جائے نہ شمشیر

مضطر مرا ہونا خلل اندر ادب ہو
تڑپوں بشریت سے جو اس دم تو غضب ہو

آئی یہ ندا کان میں پھر شاہِ ہدیٰ کے
رحمت تجھے اے بندۂ مقبول خدا کے
سہہ صبر سے اور شکر سے سب تیر جفا کے
لے تاجِ شہادت مری سرکار میں آ کے

غمگیں نہ ہو ہم تجھ کو بہت شاد کریں گے
زیرِ دمِ خنجر تری امداد کریں گے

اتنے میں ایک ظالم کا تیر آپ کے حلق میں آ کر لگا۔ اور زرعہ ابنِ شریک نے آپ کے دستِ مبارک پر اور شمر نے آپ کے فرقِ انور پر تلوار ماری۔ اور سنان بن انس نے پشت مبارک پر نیزہ مارا

؎
تقدیر و قضا سے نہیں جب کوئی بھی چارہ
نیزہ کسی ظالم نے پسِ پشت سے مارا
تب روح نبی بولی اٹھا چین ہمارا
اس تیغِ الم سے جگر و دل ہے دو پارا

حضرت امام ان متواتر ضربوں سے چکرا کر گھوڑے سے گرے۔

؎
آیا یہ وقت قبلۂ حاجات دین پر
کعبے کو ڈھایا سنگدلوں نے زمین پر

اس وقت دوپہر ڈھل چکی تھی۔ اور نماز ظہر کا وقت تھا حضرت امام نے اس وقت بھی اس صورت میں نماز کو ادا کیا۔ کہ گرتے ہوئے منہ قبلہ کی طرف کیا۔ گھوڑے پر قیام تھا۔ اور جب غش سے جھکے تو رکوع تھا۔ اور جب زمین پر گرے تو سر کے بل گر وہ سجدہ کا مقام تھا۔ اتنے میں شمر آیا۔ اور آپ کے سینہ مبارک پر بیٹھ گیا۔ امام نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ تو کون ہے؟ اس نے بتایا کہ میں شمر ہوں۔ فرمایا۔ ذرا سینہ کھول کر دکھا۔ اس نے سینہ

کھونا۔ تو داغ سفید نظر آیا۔ آپ نے فرمایا

صَدَقَ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

سچ فرمایا نانا جان نے رات کو خواب میں کہ تیرے قاتل کا یہ نشان ہے وہی نشان تجھ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، اے شمر تو جانتا ہے۔ آج کونسا دن ہے؟ کہا جمعہ کا۔ فرمایا وقت کونسا ہے؟ کہا خطبہ پڑھنے اور نماز جمعہ ادا کرنے کا۔ فرمایا اس وقت خطیب منبروں پر خطبہ پڑھتے ہونگے۔ میرے نانا کی تعریف کرتے ہونگے۔ ان پر درود پڑھتے ہوں گے اور تو ان کے نواسے کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ دیا کرتے تھے۔ وہاں تو خنجر پھیرنا چاہتا ہے۔ دیکھ اس وقت میں اپنی دہنی طرف زکریا معصوم اور بائیں طرف یحییٰ معصوم کو دیکھ رہا ہوں۔ اے شمر! ذرا میرے سینے سے ہٹ کہ وقتِ نماز ہے۔ میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھوں تو نماز پڑھتے میں جو چاہے کرنا کہ نماز میں رحمی، مرا مرے باپ کی برکت سے۔ پس شمر آپ کے سینہ سے اترا۔ اور امام قبلہ رو ہو کر بارگاہ میں خدا سے راز و نیاز میں مشغول ہوئے۔ اور شمر نے حضرت امام عالیمقام کا سجدہ ہی میں ۱۰ محرم ۶۱ھ یوم جمعہ کو ۵۶ سال پانچ ماہ پانچ یوم کی عمر شریف میں سر تن سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ؎

ڈوبا شفق میں جب مہِ تابانِ مصطفیٰ
یعنی حسین ابنِ علی جانِ مصطفیٰ
بادِ خزاں تھی اور گلستانِ مصطفیٰ
جب گر پڑا زمین پہ وہ جانانِ مصطفیٰ
خود مصطفیٰ نے فرشِ زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہ نے اپنے گلے سے لگا لیا

آیا جو وقتِ ظہر تو سجدہ ادا کیا
تن پر جو دیکھے زخم تو شکرِ خدا کیا

طے آپ نے تمام مقامِ رضا کیا
دشمن نے جب کہ سر کو بدن سے جدا کیا

خود مصطفٰے نے فرشِ زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہ نے اپنے گلے سے لگا لیا

خوں سے بھرا ہوا جو بدن کا لباس تھا
حور و ملک کا دیکھ کے اسے دل اداس تھا
پر شاہِ کربلا کو نہ مطلق ہراس تھا
جس دم گرے زمیں پہ تو کوئی نہ پاس تھا

خود مصطفٰے نے فرشِ زمیں سے اٹھا لیا
اور فاطمہ نے اپنے گلے سے لگا لیا
(تنقیح صـــ ۱۱۰ تا ۱۱۲، تذکرہ صـــ ۸۹ تا ۹۴)

اُمّ المؤمنین کا خواب ایک بی بی فرماتی ہیں۔ کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئی۔ تو دیکھا کہ ام المؤمنین رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا۔ آپ کیوں رو رہی ہیں۔ تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ کہ آپ کے سرِ انور اور ریشِ مبارک پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ میں ابھی ابھی کربلا سے آیا ہوں۔ آج میرے حسین کو قتل کر دیا گیا ہے۔ (ترمذی شریف صـــ ۲۱۸ ج ۲)

کوفہ میں دوسرے روز عمر و بن سعد اہلِ بیت عظام کو اونٹوں پر بٹھا کر اور سرہائے شہداء کو ہمراہ لے کر کوفہ کو روانہ ہوا۔ اور جب یہ لوگ کوفہ کے قریب پہنچے۔ اور ابن زیاد کو اس کی خبر ہوئی۔ تو اس نے تمام شہر میں منادی کرا دی۔ کہ کوئی شخص ہتھیار لے کر گھر سے باہر نہ نکلے۔ اور فوج کا پہرہ لگا دیا۔ کہ کوئی شخص فتنہ و فساد نہ کر سکے۔ لوگ تماشہ دیکھنے کو دوڑے۔ اور اسیرانِ کربلا اور سرہائے شہداء کو دیکھ کر رونے لگے۔ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا۔ اے رونے والو!

تم لوگ تو ہم پر رونے والے ہو۔ پھر وہ کون لوگ ہیں۔ جنہوں نے ہمیں قتل کیا ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۹۷)

زندہ حسین رضی اللہ عنہ

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں۔ کہ جب کوفی سر امام کو گلی کوچہ میں پھرا رہے تھے۔ تو میں اپنے گھر کی کھڑکی میں بیٹھا تھا۔ جب سر انور میرے قریب آیا۔ تو میں نے سر انور کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔

پس میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے عرض کیا۔ اے ابنِ رسول اللہ۔ بخدا آپ کا قصہ اس سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ پھر جب ابن زیاد کے پاس لا کر نیزوں سے اتارے گئے۔ تو حضرتِ امام کے لب مبارک ہل رہے تھے۔ لوگوں نے کان لگا کر سنا۔ تو یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (تذکرہ صفحہ ۹۹)

عزیز بن ہارون

اسیرانِ کربلا اور سرہائے شہداء کو چند روز کوفہ میں رکھنے کے بعد ابن زیاد نے فوج کے ہمراہ دمشق روانہ کیا۔ دمشق جاتے ہوئے یہ قافلہ حوالی حلب میں آ کر ایک پہاڑ کے نیچے اترا۔ اس پہاڑ پر ایک قصبہ تھا۔ اس قصبہ کے امیر کا نام عزیز بن ہارون تھا۔ اور یہ یہودی تھا۔ رات کو حضرت شہر بانو کی لونڈی شیریں نے رو کر عرض کیا۔ کہ اگر اجازت ہو۔ تو جو کچھ میرے پاس بقیہ ہے۔ اسے بیچ کر اس پہاڑی قصبہ سے آپ کے واسطے کچھ کپڑا خرید لاؤں۔ بی بی صاحبہ نے اس کے اصرار پر اجازت دے دی۔ پس شیریں پہاڑ پر گئی۔ اور قصبہ کا دروازہ بند پا کر کھٹکھٹایا۔ امیر قصبہ عزیز بن ہارون نے خود آ کر دروازہ کھولا۔ اور شیریں کا نام لے کر بلایا۔ شیریں نے سلام کیا۔ وہ بکمال تعظیم شیریں کو اپنے گھر لے گیا۔ شیریں نے پوچھا۔ آپ نے میرا نام کیسے جان لیا؟ اس نے جواب دیا۔

کہ میں نے ابھی ابھی خواب میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو پریشان حال دیکھ کر حال پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ تجھے نہیں معلوم کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند مظلومانہ شہید ہو گئے ہیں۔ ان کا سر لوگ شام کو لئے جا رہے ہیں۔ اور آج رات اس پہاڑ کے نیچے ٹھہرے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ کیا آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جانتے اور مانتے ہیں؟ فرمایا۔ اے عزیز وہ سچے رسول ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ جو ان پر ایمان نہ لائے گا۔ دوزخ میں جائیگا میں نے عرض کی کہ مزید یقین کے لئے مجھے کچھ بتائیے۔ تو فرمایا۔ دروازہ قلعہ پر جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ ایک لونڈی شیریں نام آ کر دروازہ بجائے گی تو اس کی متابعت کرنا۔ اسی کے باعث تو مشرف باسلام ہوگا۔ اور جب تو سر حسین کے پاس پہنچے۔ تو میرا سلام کہنا۔ وہ سلام کا جواب دیں گے۔ چنانچہ میں خواب سے جاگ کر فوراً دروازے پر آیا۔ کہ تو نے دروازہ بجایا۔ پس شیریں نے سارا قصہ آ کر بی بی صاحبہ سے کہا۔ یہ قصہ سن کر سب اہل بیت حیران ہوئے۔ اور صبح عزیز بن ہارون یزیدی لشکر کو کچھ رشوت دے کر اہل بیت کے پاس آیا۔ اور ہر ایک کو ایک قیمتی جوڑا دیا۔ اور ہزار دینار امام زین العابدین کو نذر کر کے مسلمان ہو گیا۔ پھر سر امام کے حضور حاضر ہو کر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا سلام عرض کیا۔ تو سر انور نے سلام کا جواب دیا۔ (تذکرہ ص ۳۳۲)

گرجے کا پادری

یزیدی لشکر میدان کربلا اور سر ہائے شہداء کو دمشق لے جاتے ہوئے رات کے وقت ایک منزل پر پہنچے۔ تو وہاں ایک بڑا مضبوط گرجا نظر آیا۔ یزیدیوں نے سوچا کہ رات کا وقت ہے۔ اس گرجے میں رہنا اچھا رہے گا۔ گرجے میں ایک بوڑھا پادری رہتا تھا۔ شمر نے اس پادری سے کہا۔ کہ ہم لوگ رات تمہارے گرجا میں رہنا چاہتے ہیں۔ پادری نے پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔

اور کہاں جاؤ گے؟ شمر نے بتایا۔ کہ ہم ابن زیاد کے سپاہی ہیں۔ ایک باغی کا سر اور اس کے ساتھیوں اور اس کے اہل و عیال کو دمشق لئے جا رہے ہیں۔ پادری نے پوچھا وہ سر جسے تم باغی کا سر بتا رہے ہو۔ کہاں ہے؟ شمر نے دکھایا تو دیکھ کر پادری پر ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ اور کہنے لگا۔ کہ تمہارے ساتھ بہت سے آدمی ہیں۔ اور گرجے میں اتنی جگہ نہیں۔ اس لئے تم ان سروں اور قیدیوں کو تو گرجے میں رکھو۔ اور خود باہر رہو۔ شمر نے اسے غنیمت سمجھا۔ کہ سر اور قیدی محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ سر امام کو ایک صندوق میں بند کر کے گرجے کی ایک کوٹھڑی میں اور اہل بیت کو گرجے کے ایک مکان میں رکھ دیا۔ آدھی رات کے وقت پادری کو کوٹھڑی کے روشندانوں میں سے کچھ روشنی نظر آئی۔ پادری نے اٹھ کر دیکھا۔ تو کوٹھڑی میں چاروں طرف روشنی دیکھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد دیکھا۔ کہ کوٹھڑی کی چھت پھٹی۔ اور حضرت خدیجہ و دیگر ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوئیں اور صندوق کھول کر سر انور کو دیکھنے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد آواز سنی۔ کہ اے بڈھے پادری! آنکھیں بند کر۔ کہ خاتون جنت تشریف لاتی ہیں۔ پادری یہ آواز سن کر بیہوش ہو گیا۔ اور پھر جب ہوش آیا۔ تو آنکھوں پر پردہ پڑا دیکھا۔ مگر یہ سنا۔ کہ کوئی رو رو کر یوں کہہ رہا ہے۔

"السلام علیک! اے مظلوم پسر۔ اے شہید پسر! تم غم نہ کرو میں دشمنوں سے تیرا انتقام لوں گی۔ اور خدا سے تیرا انصاف چاہوں گی"

پادری پھر بے ہوش ہو گیا۔ اور پھر جب ہوش میں آیا تو کسی کو نہ پایا۔ بے حد مشتاق ہو کر کوٹھڑی کا قفل توڑ کر اندر آیا۔ صندوق کا تالا توڑا۔ اور سر انور کو نکال کر مشک و گلاب سے دھو کر مصلے پر رکھا۔ اور سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی۔ اے

مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ آپ ان میں سے ہیں۔ جن کا وصف تورات و انجیل میں میں نے پڑھا ہے۔ لیجئے! گواہ رہئے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں چنانچہ وہیں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ (تذکرہ مشنا)

ڈھول باجے

اسیرانِ کربلا اور سر ہائے شہداء جب دمشق کے قریب پہنچے اور یزید کو علم ہوا۔ تو اس نے تمام شہر آراستہ کرنے اور اہل شہر کو خوشیاں منانے اور گھر سے تماشہ دیکھنے کو باہر آنے کا حکم دیا۔ اور یزیدی خوشیاں منانے لگے۔ ایک صحابی رسول حضرت سہل رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام آئے ہوئے تھے۔ وہ دمشق کے قریب ایک قصبہ سے گزرے۔ تو آپ نے دیکھا۔ کہ تمام لوگ خوشی کرتے، ڈھول اور باجے بجاتے ہیں۔ انہوں نے ایک شخص سے اس خوشی منانے کی وجہ پوچھی۔ تو لوگوں نے بتایا۔ کہ اہل عراق نے سرِ حسین یزید کو ہدیہ بھیجا ہے۔ تمام اہل شام اس کی خوشی منا رہے ہیں۔ حضرت سہل نے ایک آہ بھری۔ اور پوچھا۔ کہ سرِ حسین کون سے دروازہ سے لائیں گے؟ کہا باب الساعۃ سے۔ آپ اس طرف دوڑے اور بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اہل بیت تک پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا۔ کہ ایک سر مشابہ سرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیزہ پر چڑھا رکھا ہے۔ جسے دیکھ کر آپ بے اختیار رو پڑے۔ اہل بیت میں سے ایک نے پوچھا۔ کہ تم ہم پر کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا! میرا نام سکینہ بنت حسین ہے۔ انہوں نے فرمایا میں آپ کے نانا کا صحابی ہوں۔ میرے لائق جو خدمت ہو۔ فرمائیے۔ فرمایا! میرے والد کے سرِ انور کو سب سے آگے کرا دو۔ تاکہ لوگ ادھر متوجہ ہوں۔ اور ہم سے دور رہیں۔ انہوں نے چار سو درہم دے کر سرِ امام مستورات سے دور کرایا۔ (تذکرہ مشنا)

گستاخ

سرہائے شہداء اور اسیرانِ کربلا جب دمشق میں داخل ہوئے۔ تو یزید نے دربار آراستہ کیا۔ اور تمام رؤسائے شہر۔ اور

سرداران مملکت کو جمع کیا۔ اور پھر سب کو دربار میں بلایا۔ جب لائے گئے تو قیدیوں کو ایک طرف ٹھہرایا۔ اور سروں کو اپنے سامنے منگوا کر ہر ایک کو دیکھنے اور حال پوچھنا شروع کیا۔ اور حالات سن کر یزید دیر تک چپکا سر نیچا کئے رہا۔ پھر حکم دیا۔ کہ سر امام طشت میں رکھ کر ہمارے سامنے لاؤ۔ جب طشت میں سر مبارک رکھ کر لایا گیا۔ تو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے امام کے لب و دندان چھو کر بولا۔ کہ کیا یہ حسین کے لب دندان ہیں؟ یہ دیکھ کر ایک صحابی رسول ابن جندب رضی اللہ عنہ جو اس وقت وہاں تشریف فرما تھے۔ بولے اور کہا۔ قَطَعَ اللّٰہُ یَدَکَ یَا یَزِیْدُ۔ تو اس جگہ کو لکڑی کے ساتھ چھو رہا ہے۔ جس جگہ میں نے بارہا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ یزید نے یہ سنکر انہیں مجلس سے نکال دیا۔ (تذکرہ صفحہ)

نقارۂ خدا

اسیران کربلا جب دربار یزید میں پیش کئے گئے۔ تو حضرت امام زین العابدین کو دیکھ کر یزید نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ بتایا گیا۔ یہ علی بن حسین ہے۔ بولا میں نے تو سنا تھا۔ وہ مارا گیا۔ بتایا گیا۔ کہ حسین کے تین لڑکے تھے۔ علی اکبر، علی اصغر مارے گئے۔ یہ علی اوسط ہیں۔ کہ بوجہ بیماری کے بچ رہے۔ اور گرفتار کرکے لائے گئے۔ یزید نے حضرتِ امام زین عابدین کو بلا کر اپنے لڑکے کے پاس بٹھایا۔ اور کہا۔ سنتے ہو۔ میرا لڑکا تیرے برابر ہے۔ کیا اس سے مقابلہ کر سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا۔ ایک ایک تلوار دونوں کو دے دو مقابلہ کرا کے دیکھ لے۔ اتنے میں نقارۂ یزید بجا۔ یزید کے بیٹے نے بڑے فخر سے کہا۔ یہ نوبت میرے باپ کے نام کی بج رہی ہے۔ یا تیرے باپ کے نام کی؟ حضرتِ امام نے جواب میں تامل فرمایا۔ کہ موذن نے اذان کہی۔ پس امام نے پسر یزید سے فرمایا۔ دیکھ وہ میرے باپ دادا کے نام کی نوبت بجی۔ جو قیامت تک یونہی بجتی رہے گی۔ اور تیرے باپ کے نام کی نوبت چند روز بج کر بند ہو جائے گی۔ پسر یزید اس جواب سے لاجواب ہو گیا

—— اور حاضرین فصاحتِ شہزادہ سے بڑے متعجب ہوئے ۔
(تذکرہ ص۱۱۳ اور تنقیح ص۱۳۱)

دمشق کی جامع مسجد میں

دربار یزید میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پیش کئے گئے ۔ تو یزید نے حضرتِ امام سے کہا ۔ کہ اے ابن حسین ! تمہیں کوئی حاجت ہو تو طلب کر ۔ شہزادہ نے فرمایا ۔ ایک تو یہ حاجت رکھتا ہوں ۔ کہ میرے باپ کے قاتل کو میرے حوالے کر ۔ تاکہ اپنے ہاتھ سے اُسے قتل کروں ۔ یزید نے اس بات سے انکار کیا ۔ پھر حضرت نے فرمایا ۔ اچھا تو سرِ امام میرے حوالے کر ۔ تاکہ تنِ اقدس سے ملا کر دفن کروں ۔ یزید نے کہا ۔ یہ منظور ہے ۔ اور کچھ ؟ — فرمایا ! مجھے اجازت دے ۔ کہ میں اہل بیت کو لے کر مدینہ چلا جاؤں ۔ یزید نے کہا یہ بھی منظور ہے ۔ اور کچھ ؟ — کل جمعہ ہے ، مجھے اجازت دے ۔ کہ منبر پر جا کر خطبہ پڑھوں ۔ یزید نے کہا ۔ یہ خواہش بھی تمہاری پوری کر دی جائے گی ۔ اور کل خطبہ تجھی سے پڑھواؤں گا ۔ چنانچہ دوسرے روز یزید نے با دلِ ناخواستہ حضرتِ امام کو خطبہ پڑھنے کی اجازت دے دی ۔ اس روز مسجد میں خلقت کا اس قدر ہجوم تھا ۔ کہ کسی کو جگہ نہ ملتی تھی ۔ حضرت امام زادہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور اول نہایت فصاحت و بلاغت سے حمد و نعت بیان کی ۔ پھر فرمایا ۔ جو مجھے جانتا ہو جانے اور جو نہ جانتا ہو ۔ اب جانے ۔ کہ میں نور دیدۂ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ، اور سرورِ سینۂ علی المرتضیٰ شیر خدا ، اور دلبند فاطمہ الزہرا ۔ اور فرزند حسین برادر حسن مجتبےٰ ہوں ۔ جنہیں میدان کربلا میں تین روز بھوکا پیاسا مظلوم شہید کیا ۔ یہ سن کر مسجد میں کہرام پڑا ۔ اہل دمشق میں شور برپا ہوا ۔ یزید ڈرا ۔ اور مؤذن کو اقامت کے لئے اشارہ کیا ۔ پس مؤذن نے اللہ اکبر کہا ۔ شہزادے نے نَعَمْ لَا شَیْئَ اَکْبَرُ مِنْهُ فرمایا مؤذن نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا ۔ شہزادے نے نَعَمْ شَهِدَ بِهَا لَحْمِیْ وَ شَعْرِیْ وَ دَمِیْ فرمایا ۔ مؤذن نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه ۔

کہا۔ شہزادے نے اپنا عمامہ اتار کر مؤذن کی طرف پھینکا۔ اور بال سر پریشان کرکے مؤذن سے فرمایا! بحق محمدؐ ذرا ٹھہر جا۔ مؤذن چپ ہو گیا تو شہزادہ نے فرمایا۔ اے یزید! یہ محمد تیرے دادا ہیں یا میرے! اگر تو انہیں اپنا دادا کہے گا۔ تو تمام عالم تجھے جھوٹا کہے گا۔ اور اگر میرے دادا کہے گا۔ تو میرے باپ کو مظلوم کیوں شہید کیا؟ مجھے یتیم کیا اہل بیت کو شہر بہ شہر پھرایا۔ قید کروایا۔ دربدر پھرایا۔ میرے باپ دادا کے دین میں رخنہ ڈالا۔ باوجودیکہ تو ان کا کلمہ پڑھتا ہے۔ پھر بھی شرم نہیں کرتا ہے۔ پھر شہزادے نے لوگوں سے فرمایا۔ تم میں سوائے میرے کوئی ایسا ہے۔ جس کا دادا پیغمبر ہو؟ اس وقت مسجد میں شورِ قیامت برپا ہوا۔ اور لوگ رونے لگے۔ کئی بیہوش ہو گئے۔ یزید نے مؤذن کو ڈانٹا۔ اقامت پوری کرائی۔ نماز ادا کی۔ اور پھر لوگوں سے بے چینی دور کرنے کے لئے ایک مجلسِ عام بلائی۔ اور اس میں سب کے سامنے سردارانِ کوفہ کو بلا کر سخت برا بھلا کہا۔ انہیں دبے۔ ان کی حرکات پر نفرین اور اظہار خفگی کیا۔ اور کہا۔ میں تم پر جب راضی ہوتا کہ تم حسین کو زندہ میرے پاس لاتے۔ میں ان کی خدمت میں خوشامد کرلیتا۔ لعنت ہے ابنِ زیاد پر جس نے یہ کام کیا۔

(تذکرہ صـ۱۱۵ و تنقیح صـ۱۳۳)

مدینہ کو واپسی

یزید نے اہل بیت کو مع سرہائے شہداء حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور نعمان بن بشیر نہایت ادب کے ساتھ اہل بیت کو مدینہ لے چلے۔ راہ میں ہر طرح کی خدمت و راحت رسانی کرتے چلے۔ اہل بیت عظام نعمان بشیر کی اس خدمت و تعظیم پر بڑے خوش ہوئے اور انہیں دعائیں دیں۔ اہل مدینہ کو جب اہل بیت کے آنے کی خبر ہوئی۔ تو ہر چھوٹا بڑا بے قرار ہو کر روتا ہوا انہیں لینے کے لئے دوڑا۔ اہل بیت عظام سب سے پہلے روضہ اقدس

پر حاضر ہوئے۔ پر دردناک آوازوں میں وَاجَدَّاهُ کا نعرہ مار مار کر عرض گزار ہوئے۔ کہ یا رسول اللہ! ہم یتیم غریب مظلوم، مغموم درِ والا پر حاضر ہیں ؎

یا رسول اللہ! ذرا دیکھو ہمارا حالِ زار
دشمنوں کے ہاتھ سے کیسے ہوتے ہم دِل فگار
جو مصیبت ہم پہ گزری کیا کریں اس کا بیان
کوئی دنیا میں نہ ہوگا اس طرح زار و نزار

اہلِ بیت عظام یوں رو رو کر اپنے پیارے نانا جان سے عرض حال کر رہے تھے۔ کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک ہاتھ میں شیشی جس میں وہ مٹی بھری ہوئی تھی۔ جو حضور نے انہیں دے کر فرمایا تھا کہ جب میرا بیٹا حسین کربلا میں شہید ہوگا۔ اس دن یہ مٹی خون بن جائیگی جس کا ذکر کتاب سچی حکایات حصہ دوم کی حکایت نمبر ۳۰۷ میں ہے۔ اور آج یہ مٹی خون بن چکی تھی، جس میں خاک کربلا خون شدہ بھری تھی۔ لئے ہوئے، اور دوسرے ہاتھ سے ہاتھ صغریٰ دخترِ امام پکڑے ہوئے آئیں اہل بیت نے جو انہیں دیکھا۔ اور شیشی کی خاک کو خون شدہ پایا۔ تو اور زیادہ بے قرار ہوئے۔ الغرض وہ وقت بھی قیامت کا نمونہ تھا۔ مدینہ منورہ میں کہرام پڑا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا بے قرار اور اشکبار ہو رہا تھا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

TITLE PAGE PRINTED AT
THE ARMY PRESS
SIALKOT CITY